زبانِ اردو میں ہم قافیہ و ہم آواز (با حافظ) ہوا ہے ترجمہ دیوانِ حافظِ شیراز

ترجمان الغیب

یعنی

لسان الغیب خواجہ حافظ شیراز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

کے

ہر دلعزیز دیوان کی چھ سو (۶۰۰) غزلوں کا منظوم اردو ترجمہ

اصل فارسی کے بحر و قافیہ اور ہم آہنگ ردیف میں

"معجزہ گر نیست کرامات ہست"

مترجمہ

مولوی محمد احتشام الدین صاحب حقی، دہلوی ایم۔ اے (علیگ)

باہتمام خاکسار محمد شمس الدین خاں اکبرآبادی مالک

شمس المطابع مشین پریس نظام شاہی روڈ حیدرآباد دکن

(حقوق طبع بحقِ مترجم محفوظ)

۱۵ شوال ۱۳۵۷ ہجری

طبع اول (تعداد ۲۲۵۰)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بیانِ مترجم

الحمدللہ کہ ایشیا کے مشہور و مقبول دہر دلعزیز اور دنیا بھر کے مسلّمہ شاعر یعنی حضرت حافظ شیراز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تخمیناً چھ سو دلچسپ غزلوں کا یہ منظوم ترجمہ پورا اور طبع ہو کر اہل نظر کے سامنے پیش ہوتا ہے۔ اس کو ترجمہ کرنے کے لئے کسی معذرت کی ضرورت نہیں دُنیا کی اکثر معتبر زبانوں میں یہ کلام بار بار ترجمہ ہو چکا ہے۔ یہاں تک کہ نظم میں بھی۔ یورپ کے مشہور شاعر گوئٹے نے تو اس کی طرز پر ایک دیوانِ غزل ہی لکھ ڈالا ہے اور اُس کو دیوان ہی کے نام سے موسوم بھی کیا ہے۔ اُردو کیوں اِس نعمت سے محروم رہتی؟

اس ترجمے کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں اصل کے بحر و قافیئے کی ہر غزل میں پابندی کی گئی ہے یعنی ترجمہ اُسی بحر و قافیہ میں ہے جو اصل فارسی غزلوں کا ہے ردیف بھی مماثل رکھی گئی ہے۔ اصل کے وہ الفاظ جو اُردو میں مشترک و مانوس ہیں اکثر برقرار رکھے گئے ہیں۔ فی الجملہ گانے بجانے اور ساز و آواز میں ترجمہ کی غزلوں کا وہی لہجہ اور اثر ہے جو اصل فارسی غزلوں کا جس کی بدولت یہ ترجمہ اصل سے بہت قریب مشابہ اور مماثل اور اس صفت میں دنیا بھر کے ترجموں میں لاجواب اور لاشریک ہے۔ ہم نے اس میں فال بھی کھول کر دیکھی تو معلوم ہوا کہ اصل کلام معجز نظام کی اس صفت سے بھی یہ ترجمہ محروم نہیں رہا۔ ثم الحمدللہ!

اس بیانِ واقعہ کو مترجم کی خود ستائی پر محمول نہ کیا جائے گا کہ ایسے نفیس و عالی کلام کے لطائف لفظ و معنوی کو اصل کے بحر و قافیئے کی پابندی اور ردیف کی ہم آہنگی کی شرط کے ساتھ اُردو میں منتقل کرتے ہوئے

ایک نہایت دشوار کام تھا اور بعض صورتوں میں ناممکن بھی تاہم وہ جس حد تک پورا ہو سکا اُس کے لئے مترجم اپنی دماغ سوزی اور جگر کاوی سے زیادہ حضرت صاحب دیوان علیہ الرحمہ کی امداد کا رہین منت ہو ترجمے میں جہاں کوئی مشکل آن کر اڑی حضرت کی روحانیت کی طرف توجہ کرنے سے حل ہو گئی اُس کی صرف ایک یہ مثال نمونے کے لئے لکھ دینی کافی ہوگی کہ ؎

سحر با بادمی گفتم حدیثِ آرزومندی

اس غزل کے سب قافیے اُردو میں مشترک ہیں سوائے اس شعر کے قافیے کے ؎

ہمائے چو تو عالیقدر میلِ استخواں تا کے
دریغ ایں سایۂ دولت کہ برنااہل افگندی

ردیف و قافیے کا آخری لفظ "افگندی" غیر اردو ہے اور کسی طرح ترجمے میں نہیں کھپایا جا سکتا تھا مترجم کا آخر تھک کر حضرت صاحب دیوان کی طرف توجہ کرنا تھا کہ فی الفور اس طرح ترجمہ ہو گیا اور وہی لفظ اُردو میں صورتاً قایم رہا ؎

ہما یہ تجھ سا عالی قدر اور یہ ہڈیاں گندی؟
ہو ضائع سایۂ دولت ترا نااہل پر صد حیف

چھ سو غزلوں کے تخمیناً پانچ ہزار اشعار کے ترجمے میں ایسی ایسی دشواریوں کے متواتر پیش آنے اور سہل ہو جانے سے مترجم کو اب یقین ہے کہ یہ ترجمہ اُس نے نہیں کیا بلکہ وہ اس کے کرنے پر مامور تھا۔

شاید اس ترجمہ کی ضرورت اس لئے پیش آئی ہو کہ ہندوستان میں فارسی داں پہلے ہندو بھی بکثرت تھے اب مسلمان بھی ڈھونڈھے نہیں پاتے۔ حضرت کا کلام لفظاً نہیں تو معناً ہی اس سرزمین پر قایم اور یہاں کی نسلیں اُس سے بدستور منتفع اور متمتع رہیں مجالس سماع میں جو وجد و حال آپ کے اشعار پر بلا سمجھے بوجھے ہوا کرتے ہیں وہ آئندہ سمجھ بوجھ کر ہوا کریں۔ کلام حافظ کو لوگ خود سمجھ کر اپنی رائے قایم کریں اور رائے نہ رکھیں وغیرہ" مترجم باقاعدہ شاعر تھا نہ شاعری کو کوئی دُم یعنی کوئی تخلص مشہور نہ رکھتا کام اُس سے لے لیا ؏ قرعۂ فال بنام من دیوانہ زدند!

یا شاید اس کلام کو اُردو کے آئینے میں دکھانے سے یہ مدعا ہو کہ ایشیائی شاعری خصوصاً تغزل کا اصلی اور حقیقی نمونہ مدعیانِ فن کے پیش نظر رہے۔ اُردو میں فی زمانا اُستاد غالب اور اُن کے پیرِ کار مبالغے کے ساتھ پوجے جارہے ہیں حالانکہ اُن کی شاعری صاف طور پر یک رخی ہے یعنی صرف آہ کا پہلو رکھتی ہے یہی حال بلکہ اس سے زیادہ قبلہ و کعبہ شعرا امیر صاحب کا ہے اُن کے اشعار نہیں آنسوؤں کی لڑیاں ہیں۔

خواجہ حافظ کی غزلیں واہ کا نمونہ بھی پیش کرتی ہیں ہمت بندھاتی ہیں مایوسی سے منع کرتی ہیں اور خوشدلی کا بھی جو مساوی حق شاعری پر ہے اُس کو کماحقہٗ ادا کرتی ہیں۔ طبیعتوں کو مُردہ اور افسردہ ہو کر بجھ جانے اور نشاط میں اگر اعتدال سے گزر جانے سے یکساں روکتی اور مانع ہوتی ہیں۔

"ڈاکٹر بجنوری کے دیباچۂ دیوان غالب میں دعویٰ کیا گیا ہے کہ دنیا کا وہ کون سا مضمون اور فطرت کا وہ کونسا پہلو ہے جو ڈیڑھ جزو کے انتخاب دیوان غالب میں نہیں آگیا"

بلا ضرورتِ جواب، اس ترجمے کے ذریعہ خود روشن ہو جائے گا کہ حافظ کے کلام میں کتنا کچھ ہے اور کیسے حسن و رنگینی اور ظرافت و لطافت کے ساتھ ہے کہ غالب کے ڈیڑھ جزئی دیوان بلکہ کلیات میں بھی اُس کا پتہ نہیں۔ بحروں کی روانی، ردیف قافیہ کی دلآویزی و موسیقی، الفاظ کی دلکشی، استعارات کی دلچسپی، تشبیہات کی رنگینی، مضامین کی جدت و ظرافت کے علاوہ بہاروں کی نقشہ کشی حسن کے سراپا، عشق و محبت کے معاملات، زندگی کے کاروبار، شریعت و طریقت کے مباحث و نکات، نصیحت و رہنمائی کے اشارات، فطری جذبات، نفسی کیفیات حمد و نعت وغیرہ وغیرہ کے بیسیوں بے شمار پہلو خواجہ حافظ کے کلام میں روشن اور ترجمۂ کلام میں بھی جھلکتے نظر آئیں گے کسی کلام میں اُن کا عشر عشیر بھی نہ پایا جائے گا۔

مرزا غالب نے اپنا فارسی دیوان اہل زبان فارس کے سامنے عالم تصور میں پیش کرتے ہوئے

یہ شعر پڑھا ہے گویا اُن کو چیلنج (ٹوکنا) دیا ہے کہ ؎

بیا و رید گر ایں جا بُوَد زباں دانے — غریب شہر سخنہائے گفتنی دارد

اس کے جواب میں حافظ شیراز کا یہ اردو ترجمہ بھی اکثر بزبانِ حال پکارتا سنائی دے گا کہ ؎

بیاورید کجا رفت غالبِ ہندی — چہ پیشِ حافظِ شیراز گفتنی دارد؟

اس کے لئے ترجمے کو اول سے آخر تک مطالعہ کرنا لازم ہے۔ کہیں کہیں سے اُٹھا کر دیکھ لینا کافی نہیں کیونکہ مترجم کو ہرگز یہ دعویٰ نہیں کہ یہ ترجمہ بقول مرزا صائب ؎

"جو شعر حافظِ شیراز انتخاب نہ دارد"

یعنی اس ترجمے میں اصل کلام کی طرح سب رطب ہی رطب ہے یابس مطلق نہیں" البتہ یہ دعویٰ ضرور ہے کہ مترجمہ اشعار کی پانچ ہزار تعداد میں سے غالب کے مختصر دیوان کی پندرہ سو تعداد سے زیادہ ایسے پرکیف و مضمون اشعار انتخاب کئے جا سکتے ہیں جو اپنے لطف و لطافت میں اپنی نظیر ہوں اور دماغ کے لئے تفریح کے علاوہ غذائے روحانی مہیا کریں جس کی ضرورت سے طبیعت بشری کبھی سیر نہیں ہو سکتی اور اُردو کے سرمایۂ ناز مختصر دیوان غالب کو جلدی سے ختم کر کے تشنہ ہی رہ جاتی ہے۔

ترجمہ کہیں لفظی ہے کہیں محاورے کا اور کہیں باندک ترک و تصرف جو ترجموں میں جائز سمجھا گیا ہے یعنی غیر زبان کے ادب کو اپنانے کے لئے ناگزیر ہے بغیر اس کے ترجمہ کسی زبان کا دوسری زبان میں مانوس نہیں بن سکتا۔ بہر حال ماخذ ہر ترجمہ شعر کا حافظ صاحب ہی کا شعر فارسی ہے اور مترجم نے بقدر اپنی فہم و قابلیت کے اُس کو سمجھ کر ترجمہ کیا ہے۔ اُس کے سمجھنے میں غلطی کا امکان معانی کی غیر معمولی بلاغت و نزاکت خصوصاً تصوف و معرفت کے رموز و نکات کی بہتات اور دیوان کے نسخوں کے اختلافات کی وجہ سے اور بھی زیادہ ہے شارحین کی شرحیں بھی یہاں کچھ مددگار نہیں ہوتیں بلکہ اکثر مشکل ہی کے موقعہ پر خاموش پاتی ہیں۔

ترجمے کے لئے میرؔ اور دردؔ کی غزلوں کی شستہ زبان اور شیریں لہجہ اختیار کیا گیا ہے ایک بزرگ شاعر کے درویشانہ کلام کے لئے یہی زبان و لہجہ موزوں خیال کیا گیا۔ فارسی کی چند وہ ترکیبیں بھی ترجمے میں جائز رکھی گئی ہیں جو میرؔ و مرزاؔ کے کلام کے ذریعہ مانوس اور اب غالبؔ کی پیروی کی دھت میں از سر نو زندگی پاگئی ہیں۔ نیز بعض قیود کی جو نظمِ اردو پر خواہ رسماً یا جدت طرازوں نے مجدّد کہلانے کے لئے عائد کر رکھی ہیں، پروا نہیں کی گئی ہے۔ منیرؔ لکھنوی نے تو ان مجدّدوں کو اپنے آخری دیوان کے فارسی دیباچے میں بُرا بھلا تک کہدیا ہے۔ عروض کے جوازوں سے بھی جہاں ضرورت ہوئی استفادہ کیا گیا ہے دو ایک جگہ مترجم کا خاص اجتہاد بھی قابلِ معافی ہے۔ مگر یہ سب خال خال ہے اور سب کا مجموعہ کُل ترجمے میں آٹے میں نمک کی قدر سے بھی کم ہے مثلاً متروک الفاظ میں سے کبھو اور جوں صرف ایک آدھ جگہ، نِت دو جگہ اور آئے ہے اور جائے ہے کے نمونوں کے الفاظ دو تین جگہ سے زیادہ نہیں فلہذا ان کمزوریوں کے جتانے کی ضرورت بھی نہ تھی لیکن دُنیا کا مزاج عیب جُو واقع ہوا ہے عیب چینوں کی نظر عیوب و نقائص ہی کو کھود کھود کر نمایاں کرنے میں مصروف رہتی ہے ؎

عیب ہی زاہدِ بدبیں کو نظر آئے خدا ‖ کور آہوں سے یہ آئینۂ ادراک پڑے!

دنیا بھر خواجہ حافظؔ کو مانتی اور اُن کے کلام کی داد دیتی چلی آئی ہے شعرائے متمرّد کا فرعون عرفیؔ شیرازی بھی کان ٹیک دیتا ہے اور کہتا ہے ؎

بہ گردِ مرقدِ حافظ کہ کعبۂ سخن است ‖ درآمدیم بعزمِ طواف در پرواز

یورپ کے ادیب بھی جو اس کلام کو سمجھ لیتے ہیں عاشق و شیدا ہو جاتے ہیں گوئٹے جیسے عظیم الشان شاعرِ عالم کی مفتونی کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ مسٹر اِسٹوری جو آجکل کیمبرج میں اعلیٰ پروفیسری پر ہیں پہلے علیگڑھ کالج میں تھے اپنے ایک دوست (کسی مسٹر اسمتھ نامی) کا جو کیمبرج یونیورسٹی میں فیلو تھے تذکرہ کرتے تھے کہ اُن کے وہ دوست سات سال سے کلام حافظ کے مطالعہ میں مصروف ہیں اور اُن کا

بیان ہے کہ حافظ میں شیکسپیر سے زیادہ لطافتیں اور خوبیاں پائی جاتی ہیں۔

اس بیان کی تردید کا حق اُن کو نہیں جنھوں نے اتنی مدت دراز کلام حافظ کے مطالعہ میں نہیں بسر کی اور نہ شیکسپیر اُن کی مادری زبان میں ہے۔ لیکن بقولِ حافظ ؎

من از بیگانگاں ہرگز نہ نالم　　　که بامن ہرچہ کرد آں آشنا کرد

یہ دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ حافظ کے کلام کی نسبت مولانا حالی اور اقبال نے قدرے یاوہ گوئی سے کام لیا ہے اُن کی کوتاہ بینی پر افسوس ہے۔ اس کا مفصل جواب اس مختصر دیباچے میں نہیں دیا جاسکتا حافظ کی لائف میں دیا گیا ہے جو اس ترجمۂ دیوان کا ضمیمہ ہے مگر ضخامت کے خوف سے علیحدہ جلد میں شائع ہو سکے گا۔ سردست تو دیوان کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے ناظرین اس کو دیکھ کر اپنی رائے خود قایم کریں اور اس تنبیہ کو نہ بھولیں ؎

دوستاں عیب نظر بازی حافظ مکنید　　　که من اور از محبان خدامی بینم

اس ترجمے سے اصل کلام فارسی کو سبقاً سبقاً مطالعہ کرنے والے بھی کافی استفادہ کر سکتے ہیں۔

مترجم اُن اصحاب کا بہ دل شکر گزار ہے جنھوں نے اس ترجمۂ دیوان کی کتابت طباعت اشاعت وغیرہ میں مدد کی اور مدد کریں گے نیز مالکِ شمس المطابع مولوی محمد شمس الدین خاں صاحب اور کاتب مطبع منشی عبدالرحمٰن صاحب اکبرآبادی کا ممنون ہے انھوں نے غلطیوں اور تبدیلیوں کے بار بار درست کر دینے میں بکر ز حمتوں سے کبھی پہلو تہی نہیں کی۔ پھر بھی مترجم کی پروف دیکھنے میں نظر چوک جانے سے چند غلطیاں رہ گئیں ہیں جن کی فہرست جدا لگا رہے۔ دوسری طبع میں ان غلطیوں کو متن میں درست کر دیا جائے گا اور جو اشعار یا مصرعے ڈھیلے رہ گئے ہیں ان کو اور کس دیا جائے گا۔ ناظرین بھی جو اپنی اصلاحوں اور ترجمے کی غلطیوں سے مطلع فرمانے میں مدد کریں گے اُس کا بھی لحاظ رکھا جائے گا۔ کسی عمدہ مشورہ کو ترجمے میں داخل کرنے سے دریغ نہیں ہوگا۔ مطمحِ نظر حضرت حافظ کے کلام کو اُردو میں

ڈھال لینا اور اپنی زبان کو دیوان ذی شان کے صد ہا ترانوں اور ان کے لطائف و نظرافت سے مالا مال کر لینا ہے۔ یورپ کے ملکوں میں کسی عمدہ کلام یا کتاب کو شائع ہوئے عرصہ گزرنے نہیں پاتا کہ دوسرے ممالک میں اُس کو ترجمہ کر کے اپنا لیا جاتا ہے۔ مترجم بھی امیدوار ہے کہ یہ ترجمہ اردو میں ایک اضافہ ثابت ہو مقبولیت پائے لوگ اس سے فالیں دیکھا کریں اس کے ترانے محفلوں کو گرمایا کریں اس کے اشعار اور مصرع زبانوں پر جاری اور ضرب المثل ہو کر تحریر و تقریر میں تراوش کیا کریں اس کی طرحوں پر مشاعروں میں غزلیں کہی جایا کریں۔ شعرا اس سے شاعری کے سبق لیں نئے نئے انداز سخن سیکھیں۔ کما قال الشاعر ؎

قائل ہیں ہم اے داغؔ اسی اندازِ سخن کے ہر شعر میں ہو حافظِ شیراز کا انداز

عشق و محبت، پاک منشی اور زندہ دلی اس انداز کی جان ہیں اور نمونہ یہ پُرجوش و ولولہ اشعار و غزلیات جو اس ترجمہ کے ذریعہ ہدیۂ ناظرین ہوتے ہیں۔

المترجم

محمد احتشام الدین حقی دہلوی (ایم۔ اے علیگ)

(پتہ) حویلی مفتی محمد اکرام الدین خاں مرحوم، دہلی

مورخہ ۱۵ شوال ۱۳۵۷ھ

حیدرآباد دکن

حافظ

سر تسلیم مرا اور درِ میخانہ، اگر کوئی نافہم نہ سمجھے تو وہ سر اور کوئی خشت

غلط نامہ

صفحہ	شعر	پر ذیل کے مصرعوں کو اس طرح پڑھئے
۴	۱۲	سنبھال لے ترکِ شیرازی پھر یہ دل نہ یوں مارا
۷	۸	شغل جاروبی میخانہ کروں مژگاں کا
۴۲	۱۲	اس شہر میں تو مجھ سا ہزاروں غریب ہے
۵۴	۱۲	پائی سنبل سے نسیم سحری باہم جفت
۷۱	۹	کچھ اب تو دستِ غیب سے میری دوا کریں
۷۸	۱۲	سالکِ راہ طلب ہو کے مٹا دے خود کو
۸۳	۶	ورنہ قافلۂ عشق بالا بالا گیا
۸۸	۱۴	ہم میں تم میں دوستی کا عہد اور میثاق تھی
۹۰	۱۶	ابروے جاناں ہو گر اوجھل تو دیدہ زار زار
۱۰۴	۲	ساں لیں طینتِ آدم پئے پیمانہ چند
۱۰۴	۲	رقص حوروں نے کئے جھوم کے مستانہ اند
۱۰۶	۸	شب خواب خوش میں ہاتھ میں دیکھا پیالہ ہے
۱۱۷	۱۱	رہا دہ عیش نہ رہ جائیں گے یہ غم باقی
۱۵۰	۱۱	ہو عیش رواں تو حریفِ شبانہ یاد رہیں
۲۲۴	۷	ہزار موتی بھی گنوا دیں گاہ دم شمری
۲۲۶	۱	آب و ہوائے پارس میں یہ شعلہ پروری
۲۲۹	۸	خرقہ صوفی کا چلو لے کے خرابات چلیں
۲۳۷	۳	یاد ہے دل کب سے ہم تجھ کو نصیحت کرتے ہیں
۲۴۷	۷	خاک کس در کی ہے جز حضرت دلدار لگی
۲۸۸	۱۱	آج اُس کو مست دیکھا چھلکے ہوئے بادہ
۳۴۴	۱۵	بہشت حق ہے ہمارا تو حق شناس ہے جا

صفحہ	شعر	مصرع	غلط	صحیح
۲۴	۱۳	۱	نالۂ	نالہ
۲۹	۱۶	۱	غبت	رغبت
۳۱	۹	۱	رار	راز
۴۱	۳	۱	پر	پہ
۶۰	۱۵	۲	صبحگاد	صبحگاہ
۶۴	۱۱	۲	رعنّا	رعنا
۷۷	۱۰	۲	ضیاً	ضیا
۸۴	۴	۱	نشان	نشاں
۸۴	۱۳	۲	ہر	بہر
۹۱	۴	۱	د	وہ
۹۱	۴	۲	چمن	چھن
۹۶	۹	۱	خسرواد	خسروا
۹۸	۸	۱	وروکے	رو رو کے
۱۱۲	۱۳	۱	بزِم	بزم
۱۵۲	۹	۲	انا	دانا
۱۸۷	۱۵	۲	ہر	ترا
۱۹۷	۴	۱	گُل	رگِل
″	۱۴	۱	حافظ	حافظا
۲۱۶	۱۵	۱	تُوبہ	تَوبہ
۲۳۳	۴	۲	ناموستی	ناموشی
۲۵۷	۸	۱	جرص	حرص

هوالحق

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الا یا ایّہا السّاقی ادِر کاسًا وناوِلہا

سُن اے ساقی چلا ساغر دے آ، ناسہل تھا دل کا — مگر اب عشق میں ہے سامنا مشکل پہ مشکل کا
جو بُوئے نافہ طرّے سے صبا تُچھلے کو کھول آئے — بھرے بل زلفِ مشکیں پیچ کیا کیا کھائے خونِ دل کا
مصلّے رنگ لے مے سے اگر پیرِ مغاں کہہ دے — سمجھ رہبر کو ناواقف نہ رسم و راہ منزل کا
یہ کالی رات، طوفاں سر پہ، مُنہ پھاڑے بھنور آگے — دل اِس بِپتا کو جانے کیا سبکبارانِ ساحل کا
ہوئیں خود رائیاں کاموں میں آخر وجہِ رسوائی — رہا کب راز بن کر مشوروں میں نقلِ محفل کا
ہمیں کیا منزلِ جاناں میں لطفِ امن و آسائش — جگا دے ہر گھڑی گھڑیال باندھو بند محمل کا
حضوری چاہے گر حافظ تو رکھ پیشِ نظر اُس کو — اُسے دیکھے تو دُنیا چھوڑ دے یہ پھینک دے چھلکا

اے فروغِ ماہ حُسن از روئے رخشانِ شما

حُسن کا خود چاند ہے روئے درخشاں آپ کا — آبروبخشِ حسیناں ہے زنخداں آپ کا

حسرتِ دیدار میں اب جاں لبوں پر آ گئی
باہر آئے ؟ لوٹ جائے ؟ کیا ہی فرماں آپ کا

کونسا دن ہوگا وہ بھی جب گلے دونوں ملیں
جمع خاطر میری اور گیسو پریشاں آپ کا

نرگسِ بے باک نے کی عافیت سب کی خراب
ستر پوشی سے رہے یہ مستِ عریاں آپ کا

بختِ خواب آلودہ اپنا شاید اب بیدار ہو
چھینٹے منہ پر دے رہا ہے روئے رخشاں آپ کا

گلشنِ رخسار سے پہنچے کوئی اُڑ کر ورق
دیکھیں اب کس رنگ و بو پر ہے گلستاں آپ کا

دل چلا ہاتھوں سے ہاں دلدار کو دینا خبر
دوستو ہے ہاتھ میرا اور داماں آپ کا

آپ کی عمریں دراز اے ساقیانِ بزمِ جم
مے سے خالی گرچہ گزرا ہم پہ دَوراں آپ کا

اے صبا پہونچا یہ اہلِ یزد کو میری دُعا
ہو سرِ ناحق شناساں گوئے میداں آپ کا

دُور ہوں لیکن سمجھ لینا نہ مجھ کو دل سے دُور
آپ کے شہ کا ہوں بندہ اور ثنا خواں آپ کا

اے شہنشاہِ بلند اختر سہارا دیجئے
آسماں تک اُٹھ کے چھو لوں سنگِ ایواں آپ کا

آیئے دامن بچا کر خاک خوں میں ہیں پڑے
سینکڑوں کُشتے یہاں اور یہ بھی قرباں آپ کا

کرتا ہے حافظؔ دُعا آمین گو ہیں سب یہاں
ہو مُبارک ہم کو لعلِ شکّر افشاں آپ کا

دل میرود ز دستم صاحبدلاں خدا را

ہاتھوں سے دل چلا اے صاحبدلاں خدارا
ہے ہے کہ رازِ پنہاں ہوتا ہے آشکارا

دو روزہ مہرِ گردوں افسانہ ہے اور افسوں
یاروں سے کر لے یاری جب تک ہے اِس کا یارا

تختے پہ بہہ رہے ہیں چل جا ہوا موافق
بچھڑے اُس آشنا سے پھر جا ملیں دوبارا

شب جلسۂ گُل و مُل میں کیا ہی چہکی بُلبُل
ہات الصبوح ھبّوا یا ایہا السکارا

اے صاحبِ کرامت دے صدقۂ سلامت
بیچارہ بے نوا کا ایک روز تو ہو چارا

تا کوئے نیک نامی جانے ہی ہم نہ پائے ۔۔۔ حکمِ قضا بدل دے ہو جس کو ناگوارا
دونوں جہاں کی راحت اِس ایک بات میں ہے ۔۔۔ یاروں کے ساتھ یاری دشمن سے بھی مدارا
آئینۂ سکندر ہے جامِ جم کے اندر ۔۔۔ دیکھ اُس میں آنکھ بن کر انجامِ مُلکِ دارا
سرمست اُٹھا مبادا جُوں شمع سوز پائے ۔۔۔ دلبر وہ موم جس کی مُٹھی میں سنگ خارا
مطرب ہو دوستوں کا، یہ شعر پارسی ہوں ۔۔۔ پیرانِ پارسا کا پھر دیکھئے نظارا
خوبانِ پارسی گو دیدیں گے عمرِ رفتہ ۔۔۔ پیرانِ پارسا کو ساقی کا ہے اشارا
وہ تلخ شے کہ صوفی کہتا ہے پاپ کی جڑ ۔۔۔ اَشہیٰ لنا و احلیٰ مِن قُبلۃِ العذارا
ہنگام تنگ دستی دے داد عیش و مستی ۔۔۔ پارس بنا لی ہستی قاروں کا مال مارا
حافظ نے کب تھا پہنا یہ خرقۂ مے آلود ۔۔۔ اے شیخِ پاک دامن چھوڑ اُس کو تو خدارا

ساقی بنور بادہ برافروزِ جامِ ما

ساقی! فروغِ بادہ سے دہکا دے جام کو ۔۔۔ مطرب! دے شادیانہ مرا خاص و عام کو
ساغر میں، مَیں نے عکسِ رُخِ یار دیکھا ہے ۔۔۔ کیا جانو میری لذتِ شُربِ مدام کو
بھولیں یہ سب کرشمہ و نازِ سہی قداں ۔۔۔ آنے دو میرے سروِ صنوبر خرام کو
دل زندہ عشق سے ہے تو مرنا محال ہے ۔۔۔ کندہ ہیں ہم تو لوحِ جہاں پر دوام کو
متوالی میرے دوست کی بھائی قضا کو آنکھ ۔۔۔ مستی کے ہاتھ دے گئی میری زمام کو
ترجیح حشر میں کہیں دیدیں نہ شیخ کی ۔۔۔ نانِ حلال پر مرے آبِ حرام کو
بادِ صبا جو گلشنِ احباب میں چلے ۔۔۔ کہنا ضرور یار سے تو اِس پیام کو
کہنا کہ میرے نام کو قصداً بھلائے کیوں ۔۔۔ آ جائے خود کہ یاد ہی آئے نہ نام کو

یہ آبی آسمان : یہ کشتی نما ہلال ! — خم کیوں ہیں؟ شکرِ نعمتِ حاجی قوام کو
دل سرد مہریوں سے فسردہ ہے لالہ وار — اے مرغِ بخت دیکھ کسی دن تو دام کو
حافظؔ دریغ رکھ نہ گہر دانۂ سرشک — ممکن ہے مرغِ وصل کبھی پائے دام کو

صلاحِ کار کجا و دلِ خراب کجا

صلاحِ کار کہاں یہ دلِ خراب کہاں — ہے فرق و فاصلہ انمیں کہاں سے تابہ کہاں
صلاح و تقوےٰ کو رندی سے کیا بھلا نسبت — خراشِ وعظ کہاں نغمۂ رباب کہاں
تصورِ شبِ وصلت میں دن کو بھول گئے — کہ وہ کرشمہ کہاں اور وہ اب عتاب کہاں
پناہ خانقہ اور خرقۂ ریائی سے ! — کدھر ہے دیرِ مغاں اور شرابِ ناب کہاں
جمالِ یار سے روشن ہو کیا ضمیرِ عدو — چراغِ مردہ کہاں شمعِ آفتاب کہاں
نہ ڈوب سیبِ زنخداں پہ چاہ بیچ میں ہے — ذرا تو ٹھیر چلا دل بایں شتاب کہاں
مجھے تو سرمہ ہے مٹی تمہاری چوکھٹ کی — میں جاؤں چھوڑ کے اس در کو اے جناب کہاں؟
قرار و خواب کا حافظؔ پہ کچھ گمان نہ ہو — قرار کیسا؟ کسے چین اور خواب کہاں؟

اگر آں ترکِ شیرازی بدست آرد دلِ ما را

سنبھال اے ترکِ شیرازی ہے پھر یہ دل نہ دوں نہ مارا — سمرقند و بخارا خالِ کافر پر ترے وارا
نصیحت مان لے پیارے کہا دانا بزرگوں کا — سعادتمند جواں رکھتے ہیں جی اور جان سے پیارا
پلا ساقی مئے باقی کہ جنت میں نہ پائیں گے — مصلّے اور رکنا باد کی یہ سیر و نظارا
گرے دل چھیننے کو یہ حسیں آفت کے پرکالے — کہ ٹوٹے خوانِ یغما لوٹنے پر ترک یکبارا

جمالِ یار مستغنی ہے ایسی اوچھی اُلفت سے
نہیں محتاج رنگ و خال و خط وہ حسن خود آرا

کیے دیتی ہے دن دُونی ترقی حسنِ یوسف کی
کہ ہوگا پردۂ شرم زلیخا عشق میں پارا

سرود و مطرب و مے ہو، یہ رازِ دہر مت بوجھو
بحکمت کُھل چکا عقدہ یہ کھولا جس نے وہ ہارا

دیا دشنام، میٹھا کر دیا مُنہ واہ کیا کہنا
جوابِ تلخ اِن ہونٹوں سے؟ لب ہیں یا شکر پارا

پروئے ہیں جو موتی آبِ لحن خود سنا حافظ
فلک اس نظم پر عقدِ ثریا وار دے سارا

دوش از مسجد سوئے میخانہ آمد پیرِ ما

رُو بہ میخانہ نکل مسجد سے آیا پیر ہے
اب اے یارانِ طریقت اپنی کیا تدبیر ہے

سجدہ سُوئے کعبہ کیونکر کر سکیں گے ہم مُرید
قبلہ میخانہ کو پکڑے اپنا قبلہ پیر ہے

کیا خراباتِ مغاں میں ہم بھی بیٹھیں تا لیاں
کیا ازل سے اپنی قسمت میں یہی تحریر ہے

عقل نے جانا کبھی گر عیش بندِ زلف کا
پائے ہر عاقل میں دیکھو گے پڑی زنجیر ہے

لطف و خوبی کی ایک آیت جب سے جانا روئے دوست
اپنے قرآں کی اِنہی دو حرف میں تفسیر ہے

آہِ آتش بار و سوزِ نالۂ شبگیر کو
تیرے سنگیں دل میں کچھ بھی سچ بتا تاثیر ہے؟

دامِ دل میں ہو گئی تھی جمع خاطر ایک شکار
زلفِ جاناں کُھل پڑی آہو ہوا نخچیر ہے

زلف تو چھیڑی صبا نے مجھ پہ کیوں عالم سیاہ؟
مجھ پہ کیوں ظلم؟ اس میں بھی کیا کچھ مری تقصیر ہے؟

تیرِ آہ لے جانِ جاں گردوں سے جاتا ہی نکل
چھیڑ مت، کر رحم خود پر، یہ بلا کا تیر ہے

ہم بھی حافظ ڈال دیں چوکھٹ کے باہر بسترا
ہم نشیں رندوں کا اندر یار اپنا پیر ہے

شب از مطرب کہ دل خوش باد ویرا

خدا خوش رکھے! شب مطرب نے چھیڑا
دیا ایک نالۂ جاں سوزِ نے کا

وہ حدت جی میں بیٹھی اس کی نغمہ
نظر میں رنگ تھا ہر ایک شے کا

تھا ایک ساقی بھی واں جس کے رخ و زلف
دکھاتے تھے تماشا شمس و دے کا

بڑھایا شوق، بھر بھر کر دیئے جام
کہوں کیا لطف اس فرخندہ پے کا

دلا دی شہرِ ہستی سے رہائی
پیا پے دے کے مجھ کو جام مے کا

خدا ناصر ترا ہر معرکے میں
رہے غل دو جہاں میں تیری جے کا

نہیں آپے میں حافظ خاک سمجھے
کہ شے کیا ملک ہے کاؤس و کے کا

صوفی بیا کہ آئینہ صافست جام را

صوفی چمک کے نکلا ہے آئینہ جام کا
قائل ہو تو صفائے مے لعل فام کا

رازِ نہفتہ پوچھ تو رندانِ مست سے
رتبہ نہیں یہ صوفی عالی مقام کا

عنقا شکار ہو گا نہ بس دام کھینچ لے
حاصل بجز ہوا نہیں کچھ اہل دام کا

امیدِ عافیت نہ رہی عشقِ یار کو
دل نے دیا ہے مرتبہ مختار عام کا

مت چھوڑ عیشِ نقد، کیا ترک اختیار
آدم نے قحطِ دانہ سے دار السلام کا

دو ایک جام بزم میں پی کر روانہ ہو
پٹہ کسی کے نام نہیں یاں دوام کا

اے دل شباب آ کے گیا بے گلِ مراد
پیری میں بھی ہے خبط وہی ننگ و نام کا

اس کے بھی تجھ پہ ہیں حقِ خدمت ہزار ہا
دیکھ آنکھ بھر کے حال تو صاحب نظام کا

حافظ مرید جام ہوا شیخ جام کو
پہونچا سلام جا کے صبا اِس غلام کا!

رونق عہد شباب ست دگر بستاں را

پھر ہے رونق پہ شباب از سرِ نو بستاں کا
گل کی آمد پہ طرب بلبلِ خوش الحاں کا

گر جوانانِ چمن میں ہو گزر پوچھ مزاج
میری جانب سے صبا سروِ گل و ریحاں کا

زلفِ مشکیں کے مہ رُخ پہ تمہارے چوگاں
مضطرب حال نہ کر دیں کسی سرگرداں کا

ہائے وہ لوگ جو ہیں دُردکشوں پر خنداں
صرف کرتے ہیں خرابات پہ کیوں ایماں کا؟

ساتھ مردانِ خدا کا بھی سمجھ کشتیِ نوح
جس میں ذرے کو ڈر ایک قطرہ نہیں طوفاں کا

بھاگ جا خوانِ تواضع سے فلک کے آخر
یہ سیہ کاسہ اُڑا دیتا ہے سر مہماں کا

میفروشی کریں گر مغبچے اس ٹھاٹھ کے ساتھ
شغل جاروبیِ میخانہ کریں دوں مژگاں کا

رازِ ہستی کے نہ ایک نقطہ پہ آگاہی ہو
چھان لیں دور بھی گر دائرۂ امکاں کا

جا کے سونا ہے بالآخر جو تہِ بسترِ خاک
کھینچیے تا بہ فلک کنگرہ کیوں ایواں کا

مصر کا تخت ہے لائق ترے ماہِ کنعاں
چھوڑ شایاں نہیں رہنا تجھے اِس زنداں کا

زلفِ جاناں کے ہی کیا سر میں سمایا سودا
حال بکھرا ہی جو یوں گیسوئے مشک افشاں کا

مُلکِ آزادگی اور کنجِ قناعت ہی وہ گنج
جس پہ قبضہ نہیں چلتا ہی کسی سُلطاں کا

مے بھی پی، رند بھی رہ چین منا پر حافظ
دھوکے بازی کو بنا جال نہ تو قرآں کا

بہ ملازمانِ سلطان کہ رساند این دُعا را

کرے عرض یہ سلطاں ہی کسی کو اس کا یارا
کہ نہ پا کے بادشاہی تو گدا سے کر کنارا

یہ دکھائی کیا قیامت مری جان! دوستوں کو
رُخ نرمِ ماہ تاباں، دلِ سخت سنگ خارا

وہ رقیبِ دیو صورت کہ خدا بچائے اُس سے
مدد اے شہابِ ثاقب! تو سُہا کا ہو سہارا

کیے خاک دل جلا کے وہ عذار تمتما کے
جو بہ لطف پیش آئے تو نہیں ہو کچھ خسارا

غلطی نہ کیجو پیارے، ہے جو فریب اِن میں پنہاں
مژہ سیہ کریں گر مرے قتل پہ اشارا

یہی انتظار شب بھر کہ نسیمِ یار چل کر
کوئی لائے مژدہ تر کہ کھلے یہ دل ہمارا

بخدا پلا ذرا سی کہ یہ حافظِ سحر خیز
وہ دعا دے تجھ کو گویا کہ ہدف پہ تیر مارا

صبا بہ لطف بگو آں غزالِ رعنا را

صبا! یہ کہنا ذرا اُس غزالِ رعنا سے
کہ خوب ٹھوکریں کھلوائیں کوہ و صحرا سے

بجے الٰہی اگرچہ دریغ رکھتا ہے
شکر فروش شکر طوطیِ شکر خا سے

غرورِ حُسن نے روکا مگر تجھے اے گُل
کہ بات کرتا کوئی عندلیبِ شیدا سے

ہے صیدِ اہلِ نظر حُسنِ خُلق سے ممکن
چھپاتے دام ہیں صیّاد مرغِ دانا سے

جو بیٹھو با مے و معشوق تو سمجھ لینا
ہمیں بھی اپنے حریفانِ بادہ پیما سے

الٰہی چھوٹ گیا رنگ آشنائی کیا
سہی قدانِ سیہ چشم ماہ سیما سے

کمی ہے حُسن میں کوئی تو یہ کہ خالِ وفا
گرا ہی چھُٹ کے کہیں اُس کے روئے زیبا سے

عجب نہیں جو فلک پر غزل یہ حافظ کی
سُنائے زہرہ، بپا رقص ہو مسیحا سے!

ساقیا برخیز و درده جام را

ساقیا اُٹھ بیٹھ بھر دے جام کو
ڈال چُولھے میں غمِ ایام کو

بھر کے دے ساغر کہ آخر کب تلک — کبر و نخوت نفسِ نافرجام کو
ساغرِ مے دے کہ مَیں پھینکوں اُتار — جسم سے اس دلقِ ازرق فام کو
ہو جو بدنامی ہے نزدِ عاقلاں — کیا کروں گا لے کے ننگ و نام کو
دُودِ آہِ سینۂ سوزاں مرے — پھونک دے اِن پختگانِ خام کو
محرمِ رازِ دلِ شیدا نہیں — خوب دیکھا پھر کے خاص و عام کو
لگ گیا دل ایک دل آرام سے — لے گیا یک مشت جو آرام کو
سرو پر ڈالیں چمن میں کیا نظر — دیکھ کر اُس سروِ سیم اندام کو
بھر گیا دُنیا سے دل کو صبر کر — کھا خوشی سے غم ہی کاٹ ایام کو
مشکلیں حافظ جو ہوں برداشت کر — سہل ہوں گی مشکلیں انجام کو

ما بر فتیم و تو دانی و دلِ غمخورِ ما

مَیں چلا۔ جانے تُو اب اور دلِ غمخوار مرا — مجھ کو لے جائے کہاں بختِ نگونسار مرا
نامہ بر خط ترا لائے گا تو از بہرِ نثار — دُر ہی برسائے گا ہر دیدۂ گہر بار مرا
لے دُعا مانگ لے، جاتا ہوں، اُٹھا دستِ دعا — تیری حامی ہو وفا عشق رہے یار مرا
کہنے دے کہتی ہے گر خلقِ خدا ہم تم کو — دے گا انصافِ ستم داورِ دادار مرا
تیرا سودا نہیں جائیگا ترے سر کی قسم — مدعی سارا جہاں بھی ہو گر اِک بار مرا
چار سُو رشکِ فلک نے مجھے آوارہ کیا — جاں نوازی سے تری ہو گیا غمخوار مرا
وصف تیرے رُخِ زیبا کے مسلسل ہیں لکھے — زیبِ تر دفترِ گل سے بھی ہے طومار مرا
کاش جلدی بسلامت ہو سفر سے پھرنا — آئے وہ دن کہ ہو پہلو ہی میں دلدار مرا

کنا پرویس گیا روتا ہُوا ازار و قطار — پوچھے حافظ مرے پیچھے جو مجھے یار مرا

لطف باشد گر نہ پوشی از گدا ہارُوت را

لطف ہو ڈھانکے نہ درویشوں سے گر اس شکل کو — دیکھ لیں اچھی طرح ہم آنکھ بھر اس شکل کو
ہیں گرفتارِ بلا ہاروت کی مانند ہم — دیکھتے ہیں کاہیکو دگر ہوتی خبر اس شکل کو
ہوتا کیوں ہاروت بھی چاہِ زنخداں میں اسیر — جا کے واں روتا نہیں ہاروت گر اس شکل کو
بوئے گل آئے چمن سے گر وہاں ہو جلوہ گر — بُلبلیں بھی وجد میں ہوں دیکھ کر اس شکل کو
سہہ چکا جور و جفا الفت میں بس کر اے صنم — دیکھ لے حافظ، دکھا دے رحم کر اس شکل کو

تا جماعت عاشقاں را زد بوصلِ خود صلا

حسن نے دی عاشقوں کو وصل کی جب سے صلا — جان و دل دونوں ہی زلف و خال کے ہیں مبتلا
ہجر کے ہاتھوں گزرتی ہے جو ہم عشاق پر — کس پہ گزری ہوگی وہ جز کشتگانِ کربلا
ترک اپنا میکش و سرکش ہو جس دم جانِ من — زہد و تقویٰ طاق پر پہلے ہی رکھ دینا بھلا
بزمِ عیش و موسمِ شادی و ہنگامِ طرب — چار دن عشرت کے یہ بھی بس غنیمت ہیں و لا
حافظا گر ہاتھ آئے پائے بوسِ بادشاہ — دونوں عالم میں ہو وجہِ زینت و عز و علا

میدمد صبح و کلہ بستہ سحاب

صبح نکلی گھٹا کی ڈالے نقاب — الصّبوح! الصّبوح! یا اصحاب
رخِ لالہ پہ بہتا ہے ژالہ — المُدام! المدام! یا احباب

ہے چمن میں جہاں نسیمِ بہشت | موج سے تیجئے صدائے ناب
کثرتِ گل سے تختِ زر ہے چمن | آتشی لال رنگ کی ہو شراب
لب و دنداں کے تیرے حقِ نمک | رکھتے ہیں جان و سینہ ہائے کباب
درِ میخانہ پھر ہوا ہے بند | اِفتح یا مفتح الابواب!
ایسے موسم میں کیوں نہ ہو حیرت | درِ میخانہ بند ہو جو شتاب
تو بھی رندوں میں مل کے پی زاہد | فاتقو اللہ یا اولی الالباب
آبِ حیواں کا گر بتہ چاہے | مےِ نوشیں سے پوچھ سُن کے رباب
ہو سکندر کی زندگی مطلوب | تو لبِ لعلِ یار ہیں نوشاب
غم سے حافظ نہ ہو ملول آخر | چہرۂ بخت سے اُٹھے گی نقاب

گفتم اے سلطانِ خوباں رحم کن بر ایں غریب

عرض کی: سلطانِ خوباں رحم کن بر ایں غریب | بولا دل کے پیچھے کیوں جاں کھوتے ہیں مسکیں غریب
عرض کی: کچھ ٹھیرئیے، بولا کہ بس رکھیے معاف! | نازپروردہ کو کیا تابِ غمِ چندیں غریب
سوئیں جو سنجاب کی سیجوں پہ اُن کو کیا خبر | کرتے ہیں خار و خزف کو بستر و بالیں غریب
آشیاں صد آشنا دل کا ہے گو زنجیرِ زلف | خوش ہے تنہائی میں ہی خالِ رخِ رنگیں غریب
ہے عجوبہ رُخ کے گرداگرد نقشِ مورِ خط | ہو نگارستاں میں جیسے جدولِ مشکیں غریب
سرخیِ مے کی رُخِ مہوش پہ یوں رخشاں جھلک | ارغواں جیسے میانِ تختۂ نسریں غریب
طُرّۂ شبرنگ رشکِ شامِ غربت ہی سہی | پھر بھی ڈرتا رہ گیا ہے صبح جب نگیں غریب
پھر کیا اصرار میں نے عارضِ گلگوں نہ ڈھانک (ق)، | دیکھ اُجڑ ہی جائے گا ورنہ دلِ مسکیں غریب

دُور کیا ہے دُور والوں میں کوئی مسکیں غریب ‏ ‏ ولا حافظ پاس والے تکتے ہیں حیرت سے منہ

آفتاب از روئے او شد در حجاب

آفتاب اس رُخ سے کرتا ہی حجاب ‏ ‏ سایہ چُھپ جاتا ہے پیشِ آفتاب
باندھ دے حُسن اُس کا مہر و ماہ کو ‏ ‏ وہ مہ بے مہر گر کھولے نقاب
محو ہو کر جملہ رہ جاؤں خیال ‏ ‏ یار در آغوش گر دیکھوں بخواب
شاہدان مستور مستان بے ترکیب ‏ ‏ خانقہ معمور درویشاں خراب
خونِ دل سے بھر دیئے رو رو کے جام ‏ ‏ آبرو کھو دی پیئے جامِ شراب
منع مے پر چاہیئے پڑنی ضرور ‏ ‏ محتسب پر مار بے حدّ و حساب
سوزِ مستاں جان لے گر محتسب ‏ ‏ مے سے وہ ڈرے ڈالنے آتش پہ آب
ترک پند و وعظ حافظ ہو نہ ہو ‏ ‏ ترکِ مُہر کانِ خطا ہے ناصواب

تعالی اللہ چہ دولت دارم اِمشب!

عجب اللہ دولت پائی اِمشب ‏ ‏ کہ ناگاہ اُن کی تشریف آئی اِمشب
کیا سجدہ وہیں پیشِ رُخِ خوب ‏ ‏ یہ نیکی ایک ہی ہاتھ آئی اِمشب
ہُوں برخوردار بختِ کامراں سے ‏ ‏ کہ شاخِ آرزو پھل لائی اِمشب
کہے ہر قطرہ خوں میرا انا الحق ‏ ‏ شہادت میں نے بھی گر پائی اِمشب
براتِ طالعِ بیدار لے کر ‏ ‏ مُبارک لیلۃُ القدر آئی اِمشب
یہ ٹھانی ہے کہ سر جائے تو جائے ‏ ‏ کروں گا پوری ہر مَن بھائی اِمشب

غنیِ حُسن تو، میں مستحق، دے — زکوٰۃ حُسن پائی پائی امشب
فنا حافظ نہ ہو جاؤں یہ ڈر ہے — قیامت شورِ ہجر نے ڈھائی امشب

صبح دولت میدمد کو جامِ ہمچوں آفتاب

صبح دولت چمکی، نکلے جامِ رشکِ آفتاب — اس سے بہتر وقت کیا ہوگا چلے جامِ شراب
خانہ بے تشویش، ساقی یار، مطرب بذلہ سنج — روزِ عیش و دورِ ساغر، فصلِ گُل، عہدِ شباب
ساقی و شاہد ہیں دست افشاں و مطرب پائے کوب — چشمِ میکش سے اُڑایا غمزۂ ساقی نے خواب
خلوتِ خاص، امن کی جا، بزمگاہِ دلفریب — دیکھتا جو کچھ ہوں یا رب ہے یہ بیداری کہ خواب!
لطفِ نے کے ہی لئے مشاطۂ خوش فکر نے — بھر دیا رگ رگ میں برگِ گل کی دُردِ گلاب
راحتِ دل کے لئے جشن و طرب کے زیب کو — خوشنما ترکیب جامِ زر میں، ہے لعلِ مذاب
جب سے وہ مہ مشتری دربائے حافظ کا ہوا — گوشِ زہرہ میں ہے ہر دم شورِ گلبانگِ رباب

زباغِ وصلِ تو یابد ریاضِ رضواں آب

ریاضِ خلد ترے باغِ وصل سے شاداب — تپِ فراق سے تیری شرارِ دوزخ تاب
بہار ہے تری شرحِ جمال میں ہر فصل — کھلے ہیں خلد میں ذکرِ جمیل کے ابواب
بہشت و طوبیٰ ترے حُسنِ عارض و قد میں — پنہ گزین ہیں طوبیٰ لہم و حُسنِ مآب
لبوں کو دیکھ کے ثابت ہوا کہ گوہرِ لعل — بنا ہے لعلِ ترے آفتابِ عالم تاب
لب و دہاں کے ہیں تیرے بہت حقوقِ نمک — کہاں ہیں زخمِ جگر اور سینہ ہائے کباب؟
مری ہی آنکھ سے سیکھا ہے جو بہارِ بہشت — خیالِ نرگسِ مستِ صنم کے دیکھنے خواب

یہ حسن ظن ہی کہ عاشق ہی مست ہیں تجھ پر
سنا نہیں ابھی احوالِ زاہدانِ خراب

ملی مراد نہ دل کو اگرچہ خاک ہوا
مراد دل کو بہت رنج کر بہاتا کیوں خوں ناب

گزرنے وقت کو بیفائدہ نہ دے حافظ
کہیں یہ فرصتِ عمرِ عزیز ہو نایاب

آں سیہ چردہ کہ شیرینی عالم با اوست

حسن کانِ نمک و قندِ دو عالم اس کا
چشم میگوں، لبِ خنداں، دلِ خرم اس کا

گوہرِ شیریں دہنی وصفِ سلاطینِ جہاں
وہ سلیماں ہے دہن غیرتِ خاتم اس کا

خوبرو، کامل فن، پاک و منزہ دامن
دم بھریں کیسے نہ پاکانِ دو عالم اس کا

کون مانے گا، کیا قتل اسی ظالم نے
سانس ہی رشکِ دمِ عیسیٰ مریم اس کا

گندمی رنگ پہ اس دانۂ مشکیں کی صفت
پوچھ لیں ان سے مزا چکھ چکے آدم اس کا

دلبری کر کے سدھارے، وہ دل خستہ کی
کیا ہو تدبیر کہ جاتا رہا مرہم اس کا

معتقد اک ترا حافظ بھی ہے رکھ اس کو عزیز
پاس کرتی ہیں بہت روحِ معظم اس کا

آں شبِ قدرے کہ گویند اہلِ خلوت امشب ست

کہتے ہیں شبِ قدر جس کو کیا وہی شب آج ہے
کس بلندی پر ہے طالع کون کوکب آج ہے

کوئی دستِ نارسا اس زلف تک کیا ہو رسا
جس کے ہر حلقہ میں لاکھوں دل ہیں یارب آج ہے

غرق اس چاہِ زنخداں میں ہوں جس نے ایک غضب
گوہرِ جاں کا بھی ہیکل زیرِ غبغب آج ہے

دیکھنا قطرے عرق کے رخ پہ تاباں، آفتاب
گرم ان کی تاب و تب سے ہیں روز تا شب آج ہے

مور پا ہوں، ہم قدم کیونکر سلیماں کے چلوں
برق کے کاندھوں پہ جاتا اس کا مرکب آج ہے

شہسوار اپنا کہ جس کے آئینہ داروں میں بدر / خود ہلالِ آسماں ایک نعلِ مرکب آج ہے
کیوں نہ منقارِ بلاغت سے بہے آبِ حیات / یہ قلم نامِ خدا وہ اوجِ مشرب آج ہے
ترکِ لعلِ یار و جامِ مے سے رکھ زاہد معاف / لعلِ یار و جامِ مے ہی اپنا مذہب آج ہے
مسکرایا تھا لگا کر نیچی نظروں سے جو تیر / قوتِ جان و روحِ حافظ اُس کا ہر لب آج ہے

آں پیکِ نامور کہ رسید از دیارِ دوست

وہ پیکِ نامدار بریدِ دیارِ دوست / لایا ہے حرزِ جاں خطِ مشکبارِ دوست
ہے گلفشاں بیانِ جلال و جمال میں / اُس سے سنو حکایتِ عزّ و وقارِ دوست
جاں پیشکش نہ شرم و خجالت سے ہو سکی / کچھ شے نہ تھی وہ لائقِ نذر و نثارِ دوست
بے اختیار دورِ قمر گردشِ سپہر / چکرا رہے ہیں بر حسبِ اختیارِ دوست
شکرِ خدا مدد پہ ہوا بختِ کارساز / ہے حسبِ مدعا ہی ہر ایک کاروبارِ دوست
برہم ہوں بادِ فتنہ سے کون و مکاں تو ہوں / ہم ہوں، چراغِ چشم ہو اور انتظارِ دوست
ہم ہوں اور آستانۂ عشق و سرِ نیاز / اس خوابِ خوش سے آنکھ کھلے در کنارِ دوست
کحل الجواہر آنکھ کو لا کر نسیم دے / یعنی وہ خاکِ پاکِ رہِ رہگزارِ دوست
دشمن برائیاں بری حافظ کیا کرے / احسان اُس خدا کا نہیں شرمسارِ دوست

آں تُرکِ پریچہرہ کہ دوش از برِ ما رفت

وہ تُرک پریچہرہ اِس آغوشِ وفا سے / کیا پا کے خطا رات گیا راہِ خطا سے
وہ چشمِ جہاں بیں ہوئی آنکھوں سے جب اوجھل / گزری ہے جو پوشیدہ ہے وہ خلقِ خدا سے

نکلے نہ تھے وہ شمع کے بھی شعلۂ دل سے
اُٹّھے جو دھوئیں سوزِ جگر کے سر و پا سے

ہجرِ رُخِ محبوب میں اِن آنکھوں کے رستے
سیلاب سرشک اُمڈے تھے طوفانِ بلا سے

موت آئی تھی آئی نہ تھی لوگو شبِ ہجراں
بیتاب تھا میں درد سے اور دُور دوا سے

سُن رکھا تھا بچھڑوں کو ملاتی ہیں دُعائیں
اُس دن سے نہ خالی رہے یہ ہاتھ دُعا سے

کیا باندھے احرام یہ کعبہ ہی نہیں وہ
ہے سعی بھی بے سود ہر ایک مُرہ صفا سے

دیکھا جو طبیبوں نے بھی بولے بصد اندوہ
خارج ہے مرض حیف یہ قانونِ شفا سے!

حافظ کی عیادت دو قدم چل کے ادا کر
قبل اس کے کہ رخصت ہو وہ اِس دارِ فنا سے

اے شاہدِ قدسی کہ کشد بندِ نقابت؟

کن ہاتھوں کھلے شاہدِ قدسی کی نقاب آہ
دیں مرغِ بہشتی وہ تجھے دانہ و آب آہ

اس فکرِ جگر سوز میں آنکھوں کی اُڑی نیند
آغوش بنے کس کی تری منزلِ خواب آہ

درویش کا پُرسان نہیں، شاید نہیں تجھ کو
اندیشۂ بخشایش و پروائے ثواب آہ

عشاق کی رہزن ہوئیں وہ چشمِ خماری
ظاہر ہے کہ ہے تیز بہت تیری شراب آہ

غمزے کا خطا ہونا بھی دل پر ہی لگا تیر!
اندیشۂ دیگر نہ کرے رائے صواب آہ

جو نالۂ و فریاد کیا تجھ کو نہ پہونچا
کس درجہ ہے اونچی تری دوست جناب آہ

کیا قصرِ دل افروز ہے منزل گہِ جاناں
اِس کو نہ کرے آفتِ ایام خراب آہ

ہُشیار کہ اس دشت میں کوسوں نہیں پانی
دکھلائے کوئی غولِ بیاباں نہ سراب آہ

اب دیکھئے کیا طور ہوں پیری میں ترے دل
برباد و غلط صرف ہوا دورِ شباب آہ

حافظ نہیں اُن بندوں میں آقا سے جو روٹھیں
مَن جا، ہے بہت شاق ترا اسکو عتاب آہ!

اے ہُدہُدِ صبا بہ سبا می فرستمت

ہُدہُد بن اے صبا کہ سبا بھیجتا ہوں مَیں
تُو دیکھ تو کہاں سے کجا بھیجتا ہوں مَیں

اِس خاکداں میں تجھ سا پرندہ ہو چل تجھے
بر اوجِ آشیانِ وفا بھیجتا ہوں مَیں

اے غائب از نظر اے مرے ہم قرینِ دل
ہر دم تجھے دعا و ثنا بھیجتا ہوں مَیں

نزدیک و دُور عشق میں یکساں ہیں مَیں دُور سے
گھر بیٹھے دیکھتا ہوں دُعا بھیجتا ہوں مَیں

روزانہ بھر کے نیک دعاؤں کا قافلہ
ہمراہِ بادِ صبح و مسا بھیجتا ہوں مَیں

یہ مُلکِ دل نہ لشکرِ غم سے ہو پائمال
جانِ عزیز نعل بہا بھیجتا ہوں میں

غم تازہ ہر گھڑی مجھے بھیج اور ناز سے
فرما کہ نذرِ راہِ خُدا بھیجتا ہوں میں

صورت میں اپنی سیر کر اُس کے کمال کی
آئینہ ایک دوست نما بھیجتا ہوں میں

مطرب کی ہی زبان سے سُن لے سُرود میں
یہ شوقِ دل غزل میں بھرا بھیجتا ہوں میں

آ ساقیا! کہ ہاتفِ غیبی نے دی نوید
لا تابِ درد کی کہ دوا بھیجتا ہوں میں

تیرے ہی ذکرِ خیر کا حافظ یہاں ہے راگ
آ تیز گام اسپ و قبا بھیجتا ہوں میں

اے غایب از نظر بخدا می سپارمت

اے غایب از نظر! ترا اللہ رفیق و یار
جاں پھونک دینے پر بھی ہے دل تیرا دوستدار

دامن پکڑ کے کھینچ لے جب تک نہ پائے گور
تب تک یہ ہاتھ چھوڑے گا دامن نہ زینہار

جانا ہو چاہے بابل و ہارُوت کی طرف
پہونچوں بہ صد فسوں تجھے لیکر بنوں فرار

محرابِ ابرو اپنی دکھا دے دُعا میں ہوں
دستِ دُعا اُٹھا کے بنا دوں گلے کا ہار

دم نکلے تیرے سامنے اے بیوفا طبیب ‌ ‌ ‌ آ دیکھ تو مریض کو دکھلا نہ انتظار
صد جوئے آب آنکھوں میں پڑ ہیں کہ ہو سکے ‌ ‌ ‌ سینے میں تیرے تخمِ محبت کی کِشت کار
کر قتل مجھ کو آ غمِ فرقت سے دے نجات ‌ ‌ ‌ ہو جاؤں تیرے خنجرِ غمزہ کے میں نثار
ہے چشمِ اشکبار کی زاری سے یہ مُراد ‌ ‌ ‌ سرسبز تخمِ مِہر کی ہو دل میں کِشت زار
اِس دیدہ اور دل سے غرض اور ہو اگر ‌ ‌ ‌ دل کو تو جھونکوں آگ میں دیدوں میں بھونکوں خار
دے یار اپنے پاس کرم سے کہ سوزِ دل ‌ ‌ ‌ زیرِ قدم گہُر کا رواں کر دے آبشار
حافظ کا شیوہ شاہد و رندی و مے نہیں ‌ ‌ ‌ کچھ کر لیا کبھی تو وہ ہے خارج از شمار

اگرچہ بادہ فرح بخش و باد گلبیز است

اگرچہ بادہ رواں بخش و باد ہو گلبیز ‌ ‌ ‌ نہ راگ و رنگ سے پینا کہ محتسب ہے تیز
صراحی اور کوئی محبوب ہاتھ آ جائے ‌ ‌ ‌ تو عقل و ہوش سے رہنا ہی وقت شور انگیز
چُھپانا جام کو جبّے کی آستینوں میں ‌ ‌ ‌ کہ شکلِ چشمِ صراحی زمانہ ہے خونریز
چُھٹانا داغِ مے خرقوں کے اشکباری سے ‌ ‌ ‌ کہ دن ہیں زُہد کے آیا ہے موسمِ پرہیز
نہ دے گا جامِ طرب دَورِ واژگونِ سپہر ‌ ‌ ‌ نظر ہی آتا ہے تخم سارا صاف دُرد آمیز
یہ آسمانِ مُعلق ہے خونفشاں چھلنی ‌ ‌ ‌ کہ جس کے قطرے ہیں تارجِ کے و سرِ پرویز
عراق و پارس کئے فتح شعرِ حافظ نے ‌ ‌ ‌ ہے وقتِ یورشِ بغداد و حملۂ تبریز

اگرچہ عرضِ ہنر پیشِ یار بے ادبی ست

نہ ہوتی عرضِ ہنر کاش اُس سے بے ادبی ‌ ‌ ‌ لبوں پہ ٹھہرے ہے دل میں بھری ہوئی عربی

چھپی چھپی پھریں پریاں تو دیو ناچتے ہوں
نہ عقل دنگ ہو کیوں دیکھ کر یہ بوالعجبی

سوال کیا ہے کہ کیوں چرخ سفلہ پرور ہے
نوازنے کو ہے کافی بہانہ بے سببی

نہیں تھا یہاں گلِ بے خار، کرتے تھے چشمک
چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی

بلالؓ حبشی، حسن بصریؒ، شام سے ہو سہیلؓ
زمینِ مکہ سے بوجہل؟ واہ بوالعجبی

جمالِ دخترِ رز نورِ عین و چشم مگر
پسِ نقاب زجاجی و پردۂ عنبی

دوائے دردِ دل اب اُن مفرحات میں ڈھونڈھ
ہیں جن کے چینی کے بویام فضلیاں حلبی

ہے مفت کو بھی گراں حجرہ خانقہ کا مجھے
دکانِ مے مرا دالان، پائے خم طنبی

ہزار عقل و ادب مجھ میں تھے جناب مگر
خراب و مست ہو باقی رہی ہے بے ادبی

منگائے بادہ جو حافظ سی توبہ تو بہ بھی ہو
مدام گریہ بھی بعد از نمازِ نیم شبی

اے نسیم سحر آرام گہ یار کجاست

ہے نسیمِ سحر آرام گہِ یار کہاں
رہتا ہے وہ بتِ عاشق کش عیار کہاں

شبِ تاریک بھی ہے وادیِ ایمن بھی مگر
جلوۂ طور کہاں طالبِ دیدار کہاں

کون ہے جس میں خرابی کے کچھ آثار نہیں
پوچھتے کیا ہو خرابات میں ہشیار کہاں

جو اشارت کو سمجھتے ہوں بشارت اُن کو
سر ہزاروں ہیں مگر واقفِ اسرار کہاں

رُونگٹے رُونگٹے کو اپنے ہے سودا اُس کا
ہم کہاں اور نصیحت گرِ بے کار کہاں

بادہ و مطرب و گل کون سی شے ہے کہ نہیں
عیش بے یار مہیا نہیں، ہے یار کہاں

زاہد و صومعہ چولھے میں! یہ بتلاؤ کہ ہے
یارِ ترسا بچہ اور خانۂ خمار کہاں

عقل دیوانی ہوئی زلفِ مسلسل ہے کدھر
دل چلا ہاتھ سے ہے ابروئے خمدار کہاں

عاشقِ خستہ جلا ہجر میں کیا کیا اُس نے
کبھی پوچھا بھی کہ مرتا ہے وہ غمخوار کہاں

چمنِ دہر میں حافظؔ نہ خزاں سے ہو ملول
عقل سے کام لے عاقل گُلِ بیخار کہاں

امروز شاہِ انجمنِ دلبراں یکیست

عالم میں شاہِ انجمنِ دلبراں ہے ایک
دلبر ہوں یوں ہزار، فدا جس پہ جاں ہے ایک

اُس ایک کے لئے ہی کئے دین و دل خراب
پروا نہیں کہ حاصلِ ہر دو جہاں ہے ایک

سودائیانِ عالمِ پندار سے کہو
سرمایہ اپنا پھونک دیں سُود و زیاں ہے ایک

خلقت ہزار دعوئے اُلفت کیا کرے
قرباں اُس کے جس کا کہ دل اور زباں ہے ایک

حافظؔ ہے آستانۂ عالی پہ سر رکھے
کیا سر بلند ہے کہ سر و آستاں ہے ایک!

المنۃ للہ کہ درِ میکدہ باز است!

المنۃ للہ ہے درِ میکدہ باز اب
اُس سمت سے جس رُخ ہی مرا روئے نیاز اب

خُم جوششِ مستی سے ہیں جوشان و خروشاں
لبریز حقیقت سے ہے صہبائے مجاز اب

واں بڑھ گئی مستی و غرور اور تکبّر
یہاں رہ گئی بیچارگی و عجز و نیاز اب

ہیں خَم پہ خَم اُس زلف میں ہر خم میں شکن بھی
کھولے جو کوئی اُن کو تو ہو قصہ دراز اب

وہ رازِ نہفتہ جو کسی سے نہ کہا تھا
کہہ دیجئے کہ ہے دوست تو خود محرمِ راز اب

تھا بارِ دلِ قیس کبھی طُرّۂ لیلےٰ
رخسارۂ محمود ہے اور پائے ایاز اب

پیچے ہوئے تھا سب سے جو شہباز کی مانند
تیرے رُخِ زیبا پہ وہی دیدے ہیں باز اب

کعبہ سے ترے کوچہ میں جا نکلا جو منکر
محرابِ دو ابرو میں ہے درعینِ نماز اب

اے ہمنفسو بزم میں سوزِ دلِ حافظ   پوچھو تو کہے شمع بصد سوز و گداز اب

بیا کہ قصرِ اَمل سخت سُست بُنیاد ست

اُٹھ آرزوؤں کے محلوں کی بودی ہی بنیاد   اُٹھا لے بادہ ہے بنیادِ عمر بھی برباد
مُرید ہو نا میں اُس کا اگر کوئی ملتا   جہاں میں قیدِ علایق سے مطلقاً آزاد
عمل کرے، جو نہ بھولے، تو یہ نصیحت ایک   ق   رہی ہے پیرِ طریقت کی اپنے مجھ کو یاد
وفا کی رکھیو نہ اُمیدِ زالِ دُنیا سے   کہ اس عجوزہ نے مارے ہیں سینکڑوں داماد
سروشِ غیب نے خوشخبریاں سنائیں مجھے   ق   شب اپنے عالمِ مستی کی کیا کہوں رُوداد
کہا۔ بلند نظر! شاہبازِ سدرہ نشیں!   جگہ نہیں تری راحت کی یہ محن آباد
ہے بامِ عرش سے پیہم تجھے صلائے صفیر   پھنسا یہاں جو تو آ کر تو کیا پڑی اُفتاد
نہ کھائیو غمِ دنیا، نہ بھول جائے یہ پند   جو دی گئی ہے مجھے ایک ہمسفر سے یاد
جہاں میں بن کے تُو رہ خندہ رُو رضا بقضا   نہ تیرے بس نہ مرے اختیار بست و کشاد
وفا سے خالی ہے مطلق ادائے خندۂ گل   بجا ہے بلبلِ مسکیں کا نالہ و فریاد!
قبولِ عام، یہ لطفِ کلام حافظ کا   خدا کی دین ہے اے سُست نظم اور حسّاد!

برو بکارِ خود اے واعظ ایں چہ فریاد ست

لے اپنی راہ تو واعظ یہاں نہ کر فریاد   مرا تو دل ہی گیا تجھ پہ کیا پڑی اُفتاد!
لبِ نگار کی جب تک نہ بانسری بجاؤں   جہان بھر کی نصیحت ہے مجھ کو حرفِ باد
کمر کو نیست سے اُس کی خدا نے ہست کیا   یہ نکتہ وہ ہے کہ عاجز ہیں یاں ہر اک اُستاد

گدائے کوچہ بہشت ہشت کہہ کے ٹھکرادیں — اسیرِ بند ترے دو جہان سے آزاد
خراب عشق کی مستی نے کر دیا ایسا — خرابیوں سے ہی معمور ہو گئی بنیاد
نہ کیجو نالہ کبھی جورِ یار سے اے دل — یہ اُس کی دین کہ حصہ کیا ترا بیداد
بنا نہ باتیں بہت اپنی راہ لگ حافظ — ہمیں بھی ایسے ہیں قصے فسانے اکثر یاد

باغ مرا چہ حاجت سرو و صنوبر است

بے کار میرے باغ میں سروِ صنوبری — شمشادِ سایہ دار پہ کیا اُس کو برتری
کس مت میں پڑ گیا تجھے اے طفلِ نازنیں — خوں میرا ہے حلال ترا از شیرِ مادری
دھونے کو نقشِ غم دے تریڑا شراب کا — ثابت مرض ہے اور مداوا مقرری
ہے ایک قصہ سب کی جُدا داستانِ عشق — سنئے تو ہر کہانی نئی، جدتوں بھری
کیوں آستانِ پیرِ مغاں سے اُٹھاؤں سر — ہر دولت و مراد اسی در پہ ہی دھری
کل وعدہ جب کیا تھا تو مستِ شراب تھا — کیا دیکھیں آج کہتا ہے کس دُھن میں وہ پری
کھوئیں گے ہم نہ فقر و قناعت کی آبرو — سن رکھے بادشاہ ہے روزی مقدری"
شیراز و رکنا باد کی آب و ہوائے خوش — خالِ رُخِ زمانہ ہی ہر عیب سے بری
ظلمات میں ہے خضر ترا چشمۂ حیات — ہے روشنی میں چشمۂ اللہ اکبری
اپنے نگر میں خستہ دلی کی ہے قدر بس — بازارِ خود فروشی. وہ بستی ہی دوسری
حافظ قلم تری کوئی شاخِ نبات ہے؟ — مات اُس کی ہیں مٹھاس سے شہد و شکر تری

بجانِ خواجہ و حقِ قدیم و عہد درست

قسم ہے یاد ہے حقِ قدیم و عہدِ درست — دعائے خیر کئے جانے میں نہیں ہیں سُست

بھلاوے نوح کا طوفاں یہ آنسوؤں کی جھڑی
نہ کر سکے گی ترے نقشِ مہر کو شُست

دلِ شکستہ کی کر لیجئے خریداری
کہ ٹوٹ کر بھی ہے قیمت ہزار مُہرِ درست

خراب حال کا کیا طعنہ پیرِ عشق نے خود
حوالہ کی تھی خرابات ہی تو روزِ نخست

نہ دل کو پاس ہوا اس لطفِ بے نہایت سے
یہ شرطِ عشق ہے ہو سر فروش چابک و چست

بجا تھی مور نے آصف سے کی جو منہ زوری
گما کے مُہرِ سلیماں رہا تلاش میں سُست

مَیں تیرے عشق میں شیدائے کوہ و دشت بنا
تو میرے پاؤں کی رسّی کو اب تو چھوڑ دے سُست

ہو صدق کوش کہ ہر سانس آفتاب بنے
دروغ نے تو کیا رُوسیاہ روزِ نخست

نہ گُل خوں میں وفا ڈھونڈھ صبر کر حافظ
چمن میں ہو نہ جو اُنسا تو ہی بجا و درست

بنال بلبل اگر با منت سرِ یاریست

رُکے نہ نالہ یہ بلبل جو مجھ سے ہے یاری
ہیں ہم دو عاشقِ زار، اپنا کام ہے زاری

نسیمِ طرّۂ جاناں ہو جب چمن کی ہوا
وہاں نہ ماریں گے دم نافہ ہائے تاتاری

کہاں ہے بادہ، رنگیں لاؤ جامۂ صوفی
کہ مست بادِ غرور اور نام ہُشیاری

کھلا ہوا ہے درِ توبہ اُٹھ کے چل فی الحال
کہ فصلِ گل میں ہے توبہ کا نام بے کاری

پڑے نہ زلف کے سودے میں خام طبع کوئی
پنہائیں کبکِ دری کو نہ بیڑیاں بھاری

نہیں جمال یہی، زلف و چشم و عارض و خال
ہے ایک بھرا ہوا بازارِ خوبی دلداری

ہے ایک لطیفۂ پوشیدہ عشق کا چشمہ
نہ نام لعلِ لب اُس کا نہ خطِ زنگاری

ہے نیم جَو کو بھی ٹھنگا نگاہِ بینا میں
لباسِ اطلسی مطلق کمال سے عاری

رسائی کیوں نہ ہو مشکل جنابِ والا تک
پہونچ ہے تا فلکِ سروری بدشواری

نہ چھیڑ طعنوں سے اُس کو، معاف رکھ حافظ — ہے رستگاریِ جاوید در کم آزاری

بکوئے میکدہ ہر سالکے کہ رہ دانست

جو سالکوں میں کوئی میکدے کی رہ جانے — وہ اور راہوں کو اندیشۂ تبہ جانے
اُسی پہ سجتا ہے یہاں تاجِ شاہیِ رندی — جو دو جہاں میں اُسے فخر کی کلہ جانے
جو آستانۂ میخانہ پر ہو سر بہ سجود — بفیضِ جام سب اسرارِ خانقہ جانے
پڑھے جو رازِ دو عالم کے خطِ ساغر میں — رموزِ جامِ جم ایک نقشِ پا سے کہہ جانے
نہ زینہار اماں چاہے چشمِ ساقی سے — کہ نرم دل نہیں وہ ترکِ دل سیہ جانے
ہیں پاگلوں کی سی اُٹھ بیٹھ اپنی کیا ہی نماز — ہمارا پیر طریقِ عاقلی گنہ جانے
سحر جو سختیِ طالع پہ روئے پھوٹ کے آنکھ — یہ انتہا ہو کہ ناہید دیکھے مہ جانے
خوشا نظر! جو لبِ جام و رُوئے ساقی کو — ہلالِ یکشبہ و ماہ چار دہ جانے
بلند رتبہ ہے وہ شہ جو نہ رواقِ سپہر — نمونۂ خمِ محرابِ بارگہ جانے
خبر یہ حافظ پنہاں شراب نوشی کی — نہ جانے محتسب و شحنہ، بادشہ جانے

بلبلے برگِ گلِ خوشرنگ در منقار داشت

چونچ میں بلبل لئے برگِ گلِ گلزار تھی — اس خوشی میں نغمہ زن با نالہائے زار تھی
عین وصل اور نالہ! حیرت ہو گئی آخر کھلا — حسنِ جاناں کا تقاضا تھا وہ خود ناچار تھی
ہیچ سب عجز و نیاز اپنا حضورِ حسنِ دوست — ہائے وہ قسمت حسینوں سے جو برخوردار تھی
ایک دم آ کر نہ بیٹھا پاس، کیا شکوہ کریں — پادشاہِ کامراں کو گدڑیوں سے عار تھی

آؤ اُس نقاش کے نوکِ قلم پر جان دیں
یہ عجائب رکھتی جس کی گردشِ پرکار تھی

ہے مُریدِ راہِ عشق اور خوفِ بدنامی۔ یہ کیا؟
سبحۂ صنعاں تو رہنِ خانۂ خمار تھی

ہائے وہ شیریں قلندر! اُس کے وہ اطوارِ سیر!
دورِ تسبیحِ مَلک ہر گردشِ زنار تھی

اُس پری کے زیرِ قصرِ حور حافظ کی ہر آنکھ
آیتِ جنّاتُ تجری تحتہا الانہار تھی

بدامِ زلفِ تو دل مُبتلائے خویشتن است

ہے دامِ زلف میں دل تیرے۔ مبتلا اپنا
اُڑا دے غمزہ سے سرپائے تو، کیا اپنا

برآتی ہو ترے ہاتھوں اگر کسی کی مُراد
نکال جلد سمجھ خیر ہیں بھلا اپنا

قسم ہو اے بُتِ شیریں! یہاں بھی شمع مثال
اندھیریوں میں ہو راتوں کی دُم فنا اپنا

جو مجھ سے پُوچھے تو بلبل کبھی نہ کیجیو عشق
ترا نہیں۔ گُل خودرُو ہے آشنا اپنا

جمالِ گُل نہیں مشکِ ختن کا حاجت مند
اُسے ہے نافہ ہر ایک تکمۂ قبا اپنا

نہ جھانک محلوں پہ اربابِ بیمروت کے
حصارِ امن ہے اے دوست جھونپڑا اپنا

ہُوا ہُوں سوختہ حافظ پہ عہدِ جانبازی
وہی ہے دل میں، وہی دعویِ وفا اپنا

بحریست بحرِ عشق کہ ہیچش کنارہ نیست

کیا دار پارِ عشق کا صاحب کنارہ کیا!
چڑھ جائیں بھینٹ اِس کے سوا اور چارہ کیا

جاں نذرِ عشق دینے کو سب ساعتیں ہیں نیک
درپیش کارِ خیر ہو تو استخارہ کیا

کِس کے نصیب شیوۂ رندی! نشانِ گنج
کُھل جائے بدنصیب پہ، ہو آشکارہ کیا؟

دھمکی میں عقل کی نہیں آئیں گے! بادہ لاؤ
اِس عقل سے بھی بڑھ کے ہو کچھ ہیچکارہ کیا

پوچھ اپنی آنکھ سے مرے جلّاد کا تو نام
اے جاں قصورِ بخت و گناہِ ستارہ کیا!

دیکھیں اسے بھی پونچھ کے آنکھیں ہلال دار
ہر آنکھ کو دکھائے گا وہ ماہ پارہ کیا

تجھ میں، کیا نہ گریۂ حافظ نے کچھ اثر
حیرت میں ہوں کہ دل ہے ترا سنگِ خارہ کیا

برو اے واعظ و دعوت نہ کنم سوئے بہشت

واعظا جا نہ دکھا ہم کو ہرے باغ و بہشت
یاں ازل ہی سے نہیں خلد کی مٹّی سے سرشت

منع مے سے نہ کر اے صوفیِ صافی کہ ہوئی
اپنی طینت کی ازل میں مئے خالص سے سرشت

تجھ کو تسبیح و مصلّے و رہِ زہد و صلاح
مجھ کو میخانہ و ناقوس و رہِ دیر و کنشت!

خرقہ یہاں چھوٹا نہ گر میری طرح رہنِ شراب
صوفیِ صاف کی بخشش ہو نہ پائے وہ بہشت

نہ ملے حورِ بہشتی نہ ملے کوثر و جام
چھوڑنا دامنِ محبوب کا اس درجہ ہے زشت

خرمنِ ہستی سے ایک جَو نہ پڑا پائے اگر
راہِ مولیٰ و فنا میں نہ کی ایک دانہ کی کشت

حافظا لطفِ خدا شاملِ احوال ہو بس!
چھوڑ دے سب یہ غم دوزخ و شادیِ بہشت

بے مہرِ رخت روز مرا نور نماندست

بے مہر ترا دن میں مرے نور نہیں ہے
یہ زندگی بیش از شبِ دیجور نہیں ہے

کل وقتِ وداع دل نے وہ کی گریہ وزاری
جانانہ سے دُور، آنکھ میں اب نور نہیں ہے

بعد اس کے قدم رنجہ کیا بھی تو عبث ہے
اب سانس بھی بیمار میں بھرپور نہیں ہے

کہتا گیا دل سے یہ سراپا کا تصور
واحسرتا! اب خانہ یہ معمور نہیں ہے

دیں گے کوئی دم میں یہ خبر آپ کے درباں
اس ور کی بلا دُور! وہ رنجور نہیں ہے

تھا قرب سے تیرے کہ اجل پاس نہ پھٹکی ہجراں کی بدولت مگر اب دور نہیں ہے
ذقت کی دوا صبر ہے پر کیونکہ ہو کہئے یاں صبر کا بھی اپنے میں مقدور نہیں ہے
گریہ نے اگر خشک کیا آنکھ کا پانی خوں دل کا بہانے سے تو معذور نہیں ہے
تھی بات تو ہنسنے کی مگر رو دیا حافظ اب تو کسی عنوان بھی مسرور نہیں ہے

باد بادِ سحر نافۂ تاتار وزیدہ است

ہمدوش صبا نافۂ تاتار رسیدہ یا کہیے کہ خود اس کی گلی سے ہے پریدہ
کھلی نہیں کرتا ہے اگر غنچہ لبوں سے منہ کس کا چڑاتا ہے وہ یوں ہونٹ دریدہ؟
منہ مار سرِ زلف کا دل جھوم کے بولا دیوانہ ہے؟ اس زہر کا اس درجہ ندیدہ؟
کچھ وصفِ رخ و زلفِ سیہ سے نہیں واقف جو مار سیہ کا نہیں گلشن میں گزیدہ
مت پوچھ شب زلف میں حالِ دلِ بدروز سو بار شکنجوں میں ہے ایک تار کشیدہ
کر رحم مرے اشک پہ نکہت پہ تری وہ سرگشتہ پڑا پھرتا ہے ہر سمت دویدہ
سینے میں دبائے رکھوں کب تک ترے غم کو ہر آہ کو تو دیکھ ہے تا عرش رسیدہ!
مت چھیڑ سرِ زلف نہیں کرتے اشارہ موذی کو کہ تجھ پر نہ پلٹ آئے وہ سیدھا
مت دیدۂ پرآب کی پوچھو یہ وہ گھر ہے بن برسے ہی رہتا ہو برس بھر جو چکیدہ
کب تک یہ ترے وعدے کہ آتا ہوں اب آیا آچُک کہ نہ پھر سیاہ پڑے پھر کے سپیدہ

کیا حافظِ بدروز کی بھی رات کٹھن ہے
ایک عمر سے ہے صبح کی صورت کا ندیدہ!

پریرُوئے کہ رُخسارش چو ماہست

ہر ایک رخسارہ اُس یوسف کا ماہ ہے
ہزاروں مجھ سمیت اُس پر تباہ ہے
زنخداں ایک کنواں ہے مِرے حق میں
خدا شاہد وہی دل کا گواہ ہے
اگر تلوار مارے، مار نے دو
لبِ دلجُو تو دیکھو! عذرخواہ ہے
شب قدر اس لئے محبوب ٹھیری
برنگِ زلف کالی بھٹ سیاہ ہے
تو ٹپکا دے مجھ کو آنسو کی طرح وہ؟
صنم جس کا لقب عالم پناہ ہے
گیا تھا کہہ کے قتل آکر کروں گا"
مری آنکھیں ہیں اب اور اُس کی راہ ہے
یہ خشکی لب کی حافظ، رُخ کی زردی
دل ودیں ہار دینے کی گواہ ہے

تا سرِ زلف تو در دستِ نسیم اُفتاد است

خمِ گیسو میں ترے دستِ نسیم آن پڑا
کٹ گیا دیکھ کے دل، ہو کے دو نیم آن پڑا
عینِ مسوّدہ جادُو ہیں یہ چشمِ پُرسحر
ہے ذرا فرقِ صحیح اور سقیم آن پڑا
اُس خمِ زلف میں ہے خالِ سیہ یا نقطہ
ایک سیاہی کا ہے در حلقۂ جیم آن پڑا
کیا اُڑائے گی صبا؟ خاک نہیں تن میرا
تیرے کوچہ میں یہ اب بارِ عظیم آن پڑا
سایۂ سروِ مسیحا نفس اِس قالب پر
پرتوِ روح سا برعظمِ رمیم آن پڑا
زلفِ مشکیں کی مثل گلشنِ رُخ میں مت پوچھ
اُڑ کے طاؤس ہے در باغِ نعیم آن پڑا
شوقِ خوشبو میں تری دل مرا اے اُنسِ جان
خاکِ پا ہو کے سرِ راہِ نسیم آن پڑا
ذوقِ لب میں ترے آوارہ تھا قطبِ کعبہ
درِ میخانہ پہ اب بن کے مقیم آن پڑا

حافظِ گم شدہ کو تیرے لبِ غائب سے — تھا جو اک واسطۂ عہدِ قدیم، آن پڑا

جز آستانِ توام در جہاں پناہے نیست

سوا یہاں کے جہاں میں مجھے پناہ نہیں — یہ در نہیں تو کہیں سر کو تکیہ گاہ نہیں
بنی ہے کیا جو خرابات کو میں ترک کروں؟ — یہاں سے زیادہ کہیں میری رسم و راہ نہیں
وہ دام گھات میں ہر سمت ہیں مرے واسطے تو — تمہاری زلف سے محفوظ تر پناہ نہیں!
عدو اٹھائے اگر تیغ، ڈال دوں میں سپر، — کہ تیرا اپنا بجز نالہ اور آہ نہیں
زمانہ پھونکنا چاہے جو میرے خرمن کو — تو کیا ہی، پھونک دے، پاس اپنے پرِ کاہ نہیں
عقابِ جور پسارے ہے شہر پہ بازو — کمانِ گوشہ نشیناں میں تیرِ آہ نہیں
غلامِ نرگسِ فتاں ہوں اس سہی قد کا — کسی پہ عجب سے جس کی پڑے نگاہ نہیں
عناں کشیدہ چل اے بادشاہِ کشورِ حسن! — کوئی گزر نہیں جس میں کہ دادخواہ نہیں
نہ ہونا درپئے آزار سب گنہ کرنا — ہماری شرع میں اس کے سوا گناہ نہیں
خزینۂ دل حافظ نہ زلف و خال کو سونپ — اس اعتماد کے قابل یہ رو سیاہ نہیں

چو بشنوی سخنِ اہلِ دل مگو کہ خطاست

نہ کہہ کبھی کسی ارشادِ اہلِ دل کو خطا، — سخن شناس نہیں تو خطا تو یہ ہے دلا
جھکے نہ دنیا و عقبیٰ کے واسطے ہرگز — پناہ خدا کی! یہ کس شور شوق سے سر پہ پھرا
خبر نہیں دلِ خانہ خراب میں ہے کون — کہ ہم خموش ہیں وہ در فغان و واویلا
تلا ہے پردہ سے کھل کھیلنے پہ دل مطرب — الاپ جلد! ادھر بھی ہے نالہ لب پہ دھرا
مجھے تو کچھ نہ تھی رغبت جہان پر لیکن — لبھایا تیرے ہی رخ نے سنوار کر کیا کیا

اُڑائی نیند شبوں کی خیال بندی نے
خمارِ سی شبہ ہے میکدے کا دو تو پتا

ہے فرشِ صومعہ آلودہ خونِ دل سے مرے
مجھے شرابِ سے دیں غسل یہ ہے میری سزا

عزیز دیرِ مغاں میں ہوں اس لئے کہ مدام
اُس آگ سے جو نہ گُل ہو، کلیجہ ہے ٹھنڈا

بلا کا راگ الاپا تھا مطربِ عشاق!
کہ عمر گزری نہ نکلی دماغ سے وہ صدا

خمارِ عشق کسی کا ہے رات سے دل میں
کہاں کا سجدہ رکوع اور کیا وظیفہ دُعا!

صلائے عشق درِ دل پہ شب سنی حافظ
فضائے سینہ میں اب تک وہ گونجتی ہے صدا

چہ لطف بود کہ ناگاہ رشحۂ قلمت

یہ لطف کیا تھا کہ ناگاہ یار تیرا قلم
میرے حقوق لگا کرنے عرضِ منتِ کرم؟

لکھا ہے اپنے قلم سے سلام تو نے مجھے
ہمیشہ لوحِ جہاں پر رواں رہے یہ قلم!

کہوں یہ کیسے کہ سہواً کیا ہے مجھ کو یاد
محالِ عقل کہ آلودہ سہو ہو وہ قلم!

ذلیل مجھ کو نہ کیجو یہ مان کر احسان
اعزِ دولت سرمدے ہے تو اور اکرم

ادھر تو آ۔ تری زلفوں سے عہد میں باندھوں
قلم ہو سر بھی تو چھوڑوں نہ ہاتھ سے وہ قدم

خبر تجھے مری حالت سے ہو گی کیا اُس دن
کہ لالہ زار بنے خاکِ کشتگانِ ستم؟

مری بھی روح ہے پیاسی گر ایک گھونٹ عطا
جب آبِ خضر سے بھر کر پیئے تو ساغرِ جم

پڑا ہے در پہ ترے دل مرا اُٹھا لیجو
کیا ہے جس طرح تجھ پر خدا نے فضل و کرم

صبا نے پھونکی ہے ہر گوشِ گل میں یہاں کیا کیا
وریغ پا میں خجل خوردہ دردِ نِ حرم

ہمیشہ خوش رہے عیسٰی نفس نسیمِ سحر!
اُسی کے دم سے رہا زندہ عاشقِ بیدم

کمین گاہ میں حافظ یہ تیز و خوش رفتار
خموش! بس کہ نہ بن جائے گردِ راہِ عدم

حالِ دل با تو گفتنم ہوس ست

دل کی اُس کو سنائیں ہے یہ ہوس　　کچھ خبر دل کی پائیں ہے یہ ہوس
طمعِ خام دیکھو! قصہ فاش　　غیر سُننے نہ پائیں ہے یہ ہوس
رات کچھ اے صبا مدد کر دے　　صبح اُٹھ کھل کھلائیں ہے یہ ہوس
تنکے اُس کوچہ کے شرف کے لئے　　حُسن کے پلکوں سے لائیں ہے یہ ہوس
یہ شبِ تار اور وہ دُرِ نازک!　　بیندھنے اُس کو پائیں ہے یہ ہوس
اِس شبِ قدرِ محترم سے مجھے　　صبحِ محشر جگائیں ہے یہ ہوس
ضد پہ دشمن کی غزلیں رندانہ　　مثلِ حافظ سنائیں ہے یہ ہوس

حُسنت باتفاق ملاحت جہاں گرفت

ملکِ نمک سے حسن نے اُس کے جہاں لیا　　ہاں اتفاق ہو تو جہاں بیگماں لیا
افشائے رازِ خلوتیاں کر رہی تھی شمع،　　کچھ خیر تھی کہ روک نوکِ زباں لیا
کچھ رنگ و بُو سے اُس کی تھا دم مارنے کو گُل　　غیرت سے ڈھانک دستِ صبا نے ہاں لیا
لالہ نے کج کلاہِ طرب کی تھی عجب سے　　داغوں نے گھیر سب چمن ارغواں لیا
جی میں لگا دی آگ مرے عشقِ جام کی　　ساقی کے عکسِ رُخ نے جنم جب وہاں لیا
مے جامِ جم میں دو کہ صباحِ صبوحیاں　　شمشیرِ زر فشاں ہے کہ جس نے جہاں لیا
یہ آتشِ نہفتہ جو سینے میں ہے مرے　　شعلوں نے اس کے دامنِ ہفت آسماں لیا
مے دو کہ جس نے حشرِ جہاں دیکھا ایکبار　　غم سے نجنت ہونے کو رطلِ گراں لیا

مو آٹھی جو نارِ فتنہ، حسرت دیکھو شیخ کی — کُودا ہے حوض مے میں۔ کنارہ کہاں لیا!
پرکار وار دُور ہی کتراتے جاتے تھے — گردوں نے نقطہ وار یہی دھر درمیاں لیا
دیرِ مغاں میں جائیے یہاں ہاتھ جھاڑ کے — فتنوں نے گھیر دامنِ آخر زماں لیا
ہر برگِ گُل پہ ہی یہ رقمِ خونِ لالہ سے — دانا ہے جس نے جامِ مےِ ارغواں لیا
حافظ کی نظم سب کو پلاتی ہی آبِ لطف — دشمن کی نکتہ چینی نے دم کب یہاں لیا

حاصلِ کارگہِ کون و مکان ایں ہمہ نیست

حاصلِ کارگہِ کون و مکاں ہیچ ہیں سب — بادہ پلواؤ کہ اسبابِ جہاں ہیچ ہیں سب
اے دل و جاں سے غرض ہی شرفِ صحبتِ یار — ہے یہی ورنہ یہ کیا ہیں دل و جاں ہیچ ہیں سب
چھاؤں کے واسطے منت کشِ طوبیٰ کیوں ہوں — تو خراماں ہو تو اے سروِ رواں ہیچ ہیں سب
مال وہ ہے کہ جو بے خونِ جگر ہاتھ لگے — گرِ تگ و دو سے ملے حور و جناں ہیچ ہیں سب
پنج روزہ یہ جو مہلت ہے غنیمت جانیں — اینڈلیں، پھر تو زمین اور زماں ہیچ ہیں سب
برلبِ بحرِ فنا ہیں تری رہ میں ساقی — دیر کیا ہے کہ زِ لب تا بہ دہاں ہیچ ہیں سب
غیرتِ حق کے نہ عشوے سے ہو غافل زاہد — فاصلے کعبہ سے تا دیرِ مغاں ہیچ ہیں سب
نالہ کش، سوختہ دل، سوختہ جاں زار و نزار — دیکھ تو شکل سے الفاظ و بیاں ہیچ ہیں سب
ڈر نہ رسوائیِ دُنیا سے کھلا پھول سا رہ — عزّ و تمکینِ جہانِ گزراں ہیچ ہیں سب

نیک بندوں میں ہیں ایک حضرتِ حافظ بھی رقم
رند و عاشق! انھیں کیا۔ سود و زیاں ہیچ ہیں سب

خدا چو صورت ابروئے دلگشائے تو بست

خدا نے کھینچدی ابروئے دلکشا تیری
کُشادِ کار کو لکھ دی مرے ادا تیری

ہزار سروِ چمن دل پکڑ کے بیٹھ گئے
بنی زمانہ نے زرکار جب قبا تیری

نہ مجھ کو چین، نہ مرغِ چمن کو آخرِ شب
یہ حکم ہے کہ لگاتے رہیں صدا تیری

بہت سی گرہِ دلِ غنچہ وا ہوئیں جب سے
ہوئی ہے صبح کی جاروب کش ہوا تیری

غلام اپنا بنا کر مجھے زمانے نے
خلاص مرضی پہ موقوف رکھ دیا تیری

گرہ نہ دے دلِ مسکیں کو نافہ وار کہ عہد
وفا کا باندھ چکی زلفِ دلکشا تیری

حیاتِ ثانی تھا تو بھی تو اے زمانِ وصال
غلط تھی باندھی جو اُمید بے وفا تیری

نسیم سے تری ایک روز کھل کھلائیگی
کلی جو بند ہے دل میں بھرے ہوا تیری

یہ تنگ ہو کے کہا ترکِ شہر کو تو کہا
کسی ہیں کس نے یہاں مشکلیں حافظا تیری

خلوت گزیدہ را بتماشا چہ حاجت است

خلوت پسند ہو کے تماشا نہ چاہیئے
ہو پاس کوئے دوست تو صحرا نہ چاہیئے

جانا! تجھے بھی اپنے ہی ارمان کی قسم!
آخر مجھے بھی چاہیئے کچھ یا نہ چاہیئے

اے بادشاہِ حسن! خدا را جلا دیا!
کیا حال پوچھنا ہی گدا کا نہ چاہیئے

سائل ہوں اور بند زبانِ سوال ہے
بابِ کرم پہ کہتے ہیں غوغا نہ چاہیئے

جامِ جہاں نما ہے ضمیرِ منیرِ دوست
کچھ حاجتِ سوال تو اصلا نہ چاہیئے

ایک وقت تھا، کہ منتِ ملّاح کرتے تھے
دُر مل گیا تو اب غمِ دریا نہ چاہیئے

ہو قصد میرے خون کا۔ تو بے اختیار جنگ
جان مال دوستوں کا ہے یغما نہ چاہیئے

اے مدعی روانہ ہو کیا ہم کو تجھ سے کام — یہاں دوستوں میں صورتِ اندازہ چاہئے
اے عاشقِ گدا! یہ لبِ روح بخش یار — دیتے تو ہیں وظیفہ تقاضا نہ چاہئے
حافظ خموش رہ کہ ہنر خود ہے جلوہ گر — دشمن سے کوئی جنگ و محابا نہ چاہئے

خوشتر زعیش و صحبت و باغ و بہار چیست

خوشتر زسیرِ صحبت و باغ و بہار کیا — ساقی کہاں ہے اور سبب انتظار کیا
کوثر کے جام و باغِ ارم سے بھی مدعا — جز جوئبار و باغ و مے خوشگوار کیا
ایک دم بھی خوش ملے تو غنیمت ہزار بار — معلوم جب نہیں کہ ہے انجام کار کیا
تارِ نفس سے بستہ ہے پیوند عمر کا — غمخوار اپنا رہ یہ غمِ روزگار کیا
رازِ درون کو پوچھ کسی رندِ مست سے — تکرار پردہ دار سے ہے بار بار کیا
مستور و مست دونوں بہم ہم قبیلہ ہیں — کس کے فدائے عشوہ ہوں ہو اختیار کیا؟
سہو و خطائے بندہ تو پوچھے گئے یہ ہیں — معنیِ عفو و رحمتِ پروردگار کیا؟
کوثر میں جی ہی شیخ کا حافظ فدائے جام — اب دیکھئے ہے خواستہ کردگار کیا!

خیالِ روئے تو در ہر طریق ہمرہ ماست

خیالِ رخ مجھے ہر جا رفیق ہمرہ ہے — نسیمِ مو تری دمسازِ جانِ آگہہ ہے
سنو تو سیبِ زنخداں کی کیا سناتا ہے — ہزار یوسفِ مصری فتادہ در چہ ہے
برغمِ مدعیانِ عشق سے جو مانع ہیں — یہ ناک نقشہ ترا حجتِ موجہ ہے
دراز ہو نہ سکیں زلف تک اگر یہ ہاتھ — قصورِ بختِ پریشان و دستِ کوتہ ہے

جتا دے یہ درِ خلوت کے پاسبانوں کو (ق) یہ بندہ اپنا ہی گوشہ نشین درگہ ہے
نہ در پہ پائے کبھی گو نظر نہ آئے کبھی — بغیر اس کے بھی اس پر ہمیں توجہ ہے
صدا دے حافظ سائل تو کھول دیجو کواڑ — کہ سالہا سال سے مشتاقِ رویتِ مہ ہے!

خم زلف تو دام کفر و دیں است

خم کاکل میں دام کفر و دیں ہے — یہ ایک لٹکا ترا ادنیٰ تریں ہے
جمال اعجاز روشن حسن کا ہے — نہ پوچھو غمزہ کی سحر مبیں ہے
ہوئی سحر آفریں عاشق کشی میں — تجھے چشم سیہ صد آفریں ہے
عجائب راہ دیکھی راہِ الفت! — کہ نیچے آسماں اوپر زمیں ہے
یقیں مت کر کہ بدگو مر کے چھوٹا — وہ در قبضِ کراماً کاتبیں ہے
وہ چشم شوخ کیا چھوڑے گی زندہ — ہمیشہ باکماں ہے در کمیں ہے
لبوں کو اس کے کہہ دیں آبِ حیواں — وہ ٹھیرا آب یہ بار مبیں ہے
فریب زلف سے غافل نہ رہنا — کہ دل لیجا چکی اب فکرِ دیں ہے
پیا حافظ نے جام بادۂ عشق — جبھی تو ہوش میں اکدم نہیں ہے

خوابِ آں نرگس فتاں تو بے چیزے نیست

خواب میں نرگسِ فتاں ہے تو بے وجہ نہیں — بل بھرے زلفِ پریشاں ہے تو بیوجہ نہیں
دودھ لب سے ترے بہتا تھا کہ جب میں نے کہا — یہ شکر گردِ نمک داں ہے تو بیوجہ نہیں
چشمۂ آبِ حیواں اس کا دہن ہے یعنی — زیرِ لب چاہِ زنخداں ہے تو بیوجہ نہیں

ہو تری عمر درازہ! اس میں بھلا شک کیا ہے — در کمانِ ناوکِ مژگاں ہے تو بیوجہ نہیں
مُبتلائے غم و اندوہ کو یہ دردِ فراق! — یعنی یہ نالۂ و افغاں ہے تو بیوجہ نہیں
شب صبا کوچہ سے تیرے گئی گلشن کو ضرور — گُل جو یوں چاک گریباں ہے تو بیوجہ نہیں
دردِ دل جی میں چھپائے سے ہوا کیا حافظ — ظاہرا دیدہ جو گریاں ہے تو بیوجہ نہیں!

خمے کہ ابروئے شوخ تو در کماں انداخت

نہیں مروڑ، وہ شوخ ابروئے کماں ڈالی — کمند بہرِ دلِ زار و ناتواں ڈالی
گیا تھامت وعرق کیا کہ آبِ رنگ سے گل — چمن میں آگ جلانے کو ارغواں ڈالی
فریبِ چشم سے نرگس کی خود فروشی پر — جہاں میں تو نے قیامت جہاں تہاں ڈالی
جو تیرے رُخ سے دی نسبت سمن نے غیرت سے — صبا سے خاک لے آپ اپنے ہی دہاں ڈالی
میں محو ہو گیا بزمِ چمن میں غنچوں سے — ترے دہن کی جو صورت مرے دھیاں ڈالی
بنفشہ طرّۂ پُرخم سنوارنے جو اُٹھی — صبا نے زلف کی لا بحث درمیاں ڈالی
دُھلے نہ داغِ مے لعل خرقوں سے، کس نے — نوشتِ لوحِ ازل سر سے ہو یہاں ڈالی
نہیں تھی طرح دو عالم، پہ رنگِ اُلفت تھا — نہ سمجھو طرحِ محبت کہ فی زماں ڈالی
میں زہد سے مے و مطرب کو دیکھتا بھی نہ تھا — یہ غنچوں نے ہر اک توڑ میری آں ڈالی
مُرادِ دل کے موافق چلے گا اب تو فلک! — گلے میں بندگیِ خواجہ جہاں ڈالی

خراب کر کے بنانے تھے کام حافظ کے
ازل سے گھُٹی میں اُس کی مے مغاں ڈالی

دل سراپردۂ محبت اوست

دل سراپردۂ محبت ہے — دیدہ آئینہ دارِ طلعت ہے
ملتفت دو جہان پہ جو نہ تھا — اب وہی زیر بارِ منت ہے
تُو وطوبےٰ ہو ہم ہوں قامتِ یار — فکر ہر کس بقدرِ ہمت ہے
دَورِ مجنوں گیا ہے عہد مرا — باری باری ہر ایک کی نوبت ہے
میرا کیا ذکر یہ صبا بھی وہاں — پردہ دارِ حریمِ حرمت ہے
دولتِ عشق اور گنجِ طرب — سب اُسی کا کرم عنایت ہے
جان و دل دونوں میں فنا کیا غم — جب تلک دوست تو سلامت ہے
منظرِ چشم تجھ سے ہے آباد — دل کی رونق تری بدولت ہے
میں فرشتہ نہیں پر اُس کا تو — ہر دو عالم گواہ عصمت ہے
ہر گُلِ نو شگفتہ میں اُس کا — اثرِ رنگ و بوئے صحبت ہے
فقرِ ظاہر نہ دیکھ حافظ کا — سینہ گنجینۂ محبت ہے

دارم اُمید عاطفتے از جناب دوست

اُمیدِ عفو دوست سے ہے دوستدار کو — ہاں ہو گئی خطا و خیانت معاف ہو
کر دے گا وہ معاف خطا جانتا ہوں میں — صورت پری مثال ہے سیرت فرشتہ خو
زلفوں نے کچھ کہا نہ سنا دل کو لے اُڑیں — دلکش ہے شکل بھی تو وہ بے بحث و گفتگو
سونگھے ہوئے زمانہ ہوا زلفِ یار کو — اب تک وہی مشام میں بھلی ہوئی ہے بُو

ہے ہیچ ہی وہاں کہ نہیں اُس کا کچھ نشاں | مُو ہی سہی میاں پہ وہ محسوس کچھ تو ہو
حیرت ہے اُس کا نقشِ تصور نہ کیوں مٹا | کی دیدۂ رواں نے ہزاروں ہی شست و شو
رویا ہوں اس قدر کہ ہوئی ندی ایک رواں | دیکھے جو پوچھے ندی کا حیرت سے نام وہ
سر ٹھوکروں میں گیند کیا کوئے یار کی | اس سر کو کوئی جانے نہ واں آشنائے کو
حافظ ہے تیرا حالِ پریشاں خراب کیا؟ | ہے یادِ زلف میں یہ پریشانی خوب تو!

در دیرِ مغاں آمد یارم قدحے در دست

یُوں دیرِ مغاں میں وہ آیا کہ قدح در دست | مستِ مے و مخوراں اُن انکھڑیوں سے بدمست
تھی نعل سے مرکب کے شکلِ مہِ نو پیدا | بالائے بلند اُس کا دیکھے سے صنوبر پست
ہست اُس کو میں کیا کہتا خود بیخبر و خود نیست | اور نیست وہ کیوں ہوتا ہر آنکھ سے جو تھا ہست
شمعِ دل دمسازاں بیٹھی وہ جہاں اُٹھا | غوغائے نظر بازاں اُٹھا جو ہوا وہ پست
ہکلے جو اُٹھنا تو سمجھو کہ ملا اُس سے | کھنچے جو کماں وسمہ ہوا ابروؤں سے پیوست
فانوسِ وجود اپنا پروانہ صفت شب بھر | ایک ٹانگ کھڑا جلتا ہے شمع کی ہی مانست
پھر آ کے پھر آ جائے حافظ کی جوانی بھی | ہر چند نہیں پلٹا چھُٹ کر کوئی تیر از شست

دریں زمانہ رفیقے کہ خالی از خلل است

رفیق آج زمانے میں جس سے کچھ نہ خلل | شرابِ ناب کی بوتل ہے اور بیاضِ غزل
خلل پذیر ہی دیکھی جو یہاں بنا دیکھی | گر بنائے محبت، اسے نہیں ہے زلل
جو دیکھے دیدۂ عبرت سے دہرِ پُرشر کو | جہان و کارِ جہاں پائے بے ثبات و محل

گزر جریدہ کہ ہے کوچۂ سلامت تنگ
پیالہ تھام کہ عمرِ عزیز جائے نہ ڈھل
نہیں ہوں شغل نہ ہونے سے ایک میں ہی ملول
بھٹکتے ہیں علما، علم پر نہ کرکے عمل
لگائے دل کسی مہوش کے طرّہ سے بے بحث
کہ سعد و نحس کا باعث ہیں زہرہ اور زحل
اُمیدیں تھیں ترے دیدار سے مجھے کیا کیا
رہِ اَمل میں نہ ہوتی جو رہزنیِ اجل
سیاہ بختی نصیبوں کی رونے سے نہ مٹی
ہُوا نہ دھونے سے حبشی سفید یہ ہی مثل!
نہ پائیے گا کسی دَور میں اُسے ہشیار
بلا کی پی گیا حافظ شراب روزِ ازل

دل دو نیم شد و دلبر بملامت برخاست

دل دو ٹکڑے ہُوا کرنے وہ ملامت اُٹھا
بولا اُٹھ خیر نہیں پھر تو سلامت اُٹھا؟
بیٹھا اُس بزم میں خوشدل کوئی دم بھر کہ جو پھر
ختم صحبت پہ نہ آخر بہ ندامت اُٹھا؟
شمع کی اُس لب خنداں پہ زباں گر اُٹھی
پاؤں شب بھر نہ تہِ بارِ ملامت اُٹھا
سرو گلہائے چمن میں سے ہوا دارِ بہار
پنکھا جھلنے تمھیں اے عارض قامت اُٹھا
ہو کے نادم تری رفتار کے آگے جھکا
سرو سرکش جو دکھانے قد و قامت اُٹھا
مست گزرا بہ صفِ خلوتیانِ ملکوت
آنکھ پڑنی تھی کہ اک شورِ قیامت اُٹھا
پھینک اس خرقہ کو حافظ کہ بچے جان سمجھ
جل وہ سب خرمنِ سالوس و کرامت اُٹھا

دیدمش دوش کہ سرمست و خراماں میرفت

رات دیکھا اُسے سرمست خراماں جاتے
پھینک کر جام سرِ محفلِ رنداں جاتے
دوست دیرینہ جو کہہ کر اُسے ٹوکا، بگڑا
پایا آزردہ دلِ آشفتہ پریشاں جاتے

قصدِ خوارزم و خیالِ لبِ جیحوں باندھے | جی بھرا مُلکِ سلیماں سے پَراں جاتے
بے بہا جوہرِ جانِ سخن جیا تا تھا | نکلی جاتی تھی اُسے دیکھ کے بن جان جاتے
کس کی باتوں میں مزا آئیگا اب یہ سوال | دیکھ کر تجھ کو شکر لہجہ سخنداں جاتے
ہمتیں میری تو بیکار گئیں البتّہ | لانے اس کو کرم و رافتِ سلطاں جاتے
درگزر جرم سے فرمائیے اُس کے شاہا! | نہ بنی اُس کو بجز ہوکے ہراساں جاتے
وہ صنم دیدہ حافظ سے ہی جب ہے اوجھل | اشک بہہ کر ہیں مسلسل سُوئے داماں جاتے!

دیدی کہ یار جز سرِ جور و ستم نداشت

دیکھا! کچھ اُس کو یاد سوائے ستم نہیں | عہدِ وفا کو توڑ دیا جھٹ سے غم نہیں
مت کیجیو گرفت خدا صید دل میں گر | کچھ اُس کو پاسِ حرمتِ صیدِ حرم نہیں!
اس رُخ جو اُس کے ہاتھوں اُٹھائی ہیں ذلتیں | باقی کہیں بھی لوگوں میں اپنا بھرم نہیں
شامت یہ بختِ بد سے ہے اپنے وگرنہ یار | سچ پوچھئے تو خوگرِ جور و ستم نہیں
ساقی پلائے بادہ، کہے مدعی سے صاف | انکار جس سے کیجے یہ وہ جامِ جم نہیں
اندر حریمِ دوست کے پایا نہ جس نے بار | بھٹکا وہ وادیوں میں ہی پہونچا حرم نہیں
کیا بات ایسے مست کی! دنیا و عاقبت | سب کچھ گنوا کے بیٹھا ہے خوش ہیچ غم نہیں
حافظ کا حق ہے دادِ فصاحت حریف کو | علم و ہنر سے مس بھی خدا کی قسم نہیں

روضۂ خلدِ بریں خلوت درویشاں است

روضۂ خلدِ بریں خلوتِ درویشاں ہے | مایۂ محتشمی خدمتِ درویشاں ہے

گنجِ عزلت کے طلسمات عجائب ہیں مگر — اُس کی کنجی نظرِ ہمتِ درویشاں ہے

قصرِ فردوس کہ رضواں سا ہے درباں جس کا — سیر گاہِ چمنِ نزہتِ درویشاں ہے

جھک کے قدموں پہ رکھے تاجِ تکبر خورشید — واہ کیا شان ہے! کیا شوکتِ درویشاں ہے

ایسی دولت جسے ہرگز نہیں آسیبِ زوال — بے تکلف یہ سمجھ خدمتِ درویشاں ہے

بادشاہ قبلۂ حاجاتِ جہاں ہیں یہ بھی — باعثِ بندگیِ حضرتِ درویشاں ہے

چہرۂ شاہدِ مقصود و تمنا ہیں شہاں — آئینہ اُس کا اگر صورتِ درویشاں ہے

کیا جتاتا ہے انھیں اپنی بزرگی منعم — زور و زر تیرا یہ سب دولتِ درویشاں ہے

گنجِ قاروں کہ دھنسا جاتا ہے اب تک نیچے — جان تُو، اس کا سبب غیرتِ درویشاں ہے

آصفِ عہد کا بندہ ہوں کہ ظاہر باطن — صورتِ خواجہ ہی اور سیرتِ درویشاں ہے

حافظ اِس در کا ادب چاہیے سلطان و ملک — سب کو لازم ادبِ حضرتِ درویشاں ہے

روزہ یکسو شد و عید آمد و دلہا برخاست

روزے رُخصت ہوئے، عید آئی ہی، پھر دل اُٹھا — خُم میں دم ہو چکی مے، اُس کو بھی اب دیجے ہوا

نوبتِ زہد فروشانِ گراں جاں گزری — شادیانوں کے بجے موسمِ رنداں پہونچا

عیب کیا اُس میں جو ہو مجھ سا بلانوش کوئی — عاشق و مست تو کچھ عیب ہی سمجھیں نہ خطا

کیا ہوا پی لی جو دو چار قدح یاروں نے — آبِ انگور پیا، خوں تو کسی کا نہ پیا؟

کچھ خلل اس میں نہیں اور نہ کچھ عیب کی بات — عیب ہو بھی تو جو بے عیب ہو وہ اُس کا پتا

بادہ نوش ایسا نہ کچھ جس میں ریا ہو، بہتر — سارے اُن زہد فروشوں سے جو کرتے ہیں ریا

حق پرستی کریں، اور بد نہ کسی کا چاہیں — ناروا بھی ہے مرے نزدیک بایں شرط روا

ہم نہیں اہلِ ریا اور نہ پرستارِ نفاق — عالمِ عالمِ اسرار ہے شاہد اپنا!
گو بہت عشق خط و خال میں بھٹکا حافظ — پائے پرکار بجا نقطۂ دل پر ہی رہا

روزگاریست کہ سودائے بتاں دینِ منست

کون مدت سے ہی سودائے بتاں دیں اپنا — یعنی غمِ عشق نشاطِ دلِ غمگیں اپنا
دیکھنے کو اُسے ایک دیدۂ جاں لازم ہی — یہ نصیب آہ! کہاں چشمِ جہاں بیں اپنا
عشق سے تیرے جو تعلیمِ سخن پائی ہے — ہی زبانوں پہ صلہ مدحت و تحسیں اپنا
دولتِ فقر خدایا مجھے ارزانی ہو — فقر ہی ہو سببِ حشمت و تمکیں اپنا
واعظا! دوستیِ شحنہ پہ اس درجہ غرور؟ — دیکھ ہے منزلِ سلطانِ دلِ مسکیں اپنا
جلوہ گہ کس کی ہے یہ منزلِ مقصود اپنی — جس کا ہر خار زمیں ہی گل و نسریں اپنا
ساتھ رکھ ہم کو پئے زیبِ فلک زینت دہ ہر — رخ ترا ماہ، تو ہی اشک بھی پرویں اپنا
حافظا! حشمتِ پرویز کا کیا ہی مذکور — دے جسے روز اُلٹ خسرو شیریں اپنا

روئے تو کس ندید و ہزارت رقیب ہست

بن دیکھے ہی یہ دیکھو کہ صد ہا رقیب ہی — غنچہ کھلا نہیں کہ ہزار عندلیب ہے
میں ہی تری گلی میں نظر آیا ایک غریب — اس شہر میں تو تجھ سے ہزاروں غریب ہے
گو تجھ سے دور ہوں کہ نہ ہو تجھ سے کوئی دور — لیکن امیدِ وصل۔ کہ اب عنقریب ہے
کچھ قیدِ خانقاہ نہ خرابات عشق میں — ایک شرط جائے پرتوِ روئے حبیب ہے
ہاں کیوں نہ ہو یہ رونقِ بازارِ صومعہ! — ناقوسِ دیر، راہب و نعلِ صلیب ہے

عاشق ہوا ہی کون کہ پوچھا نہ یار نے
اے دوست درد ہی نہیں ورنہ طبیب ہے

فریادِ حافظ ایسی تو کچھ بے مزہ نہیں
ایک قصۂ غریب و حکایت عجیب ہے

روشن از پرتوِ رویت نظرے نیست کہ نیست

پرتوِ رُخ سے نہ روشن جو نظر کونسی ہے
خاکِ در سے ترے بے بہرہ بصر کونسی ہے؟

محوِ نظارۂ رخسار سبھی اہلِ نظر
گم جو زلفوں میں نہ رہتی ہو نظر کونسی ہے

اشکِ غمّاز کا کیا رنگِ خجالت نے کیا
شکل جس کو نہ ہو غیبت سے ضرر کونسی ہے

مجھ سے بے کس پہ کمر ظلم کی کسنا ہے ہے
نہ کسے ہوں جو محبت پہ کمر کونسی ہے

اُس کے دامن کو مکدر نہ کرے تا کہ نسیم
تر نہ اشکوں سے جو رکھتا ہوں گزر کونسی ہے

جا کے کہہ دے نہ کہیں شامِ سیہ زلف کے رنگ
جب یہ قدغن نہ صبا پردہ سحر کونسی ہے

ایک مجھ کو ہی شکایت مری تقدیر سے ہے
بہرہ ور تجھ سے نہ ہو جنسِ بشر کونسی ہے

کس کو تیرے لبِ نوشیں سے نہیں نوش نصیب
گھل کے شربت نہ بنی ہو جو شکر کونسی ہے

خاکِ رہ کے ترے ممنوں ہیں مرے دیدۂ تر
اِن کی ممنوں نہیں جو راہ گزر کونسی ہے

ہے نقط نام کو باقی مری ہستی کا نشاں
بے نشانی جو نہ رکھتی ہو اثر کونسی ہے

شیر ڈر جائیں رہِ عشق ہیں روباہ ٹھیریں
منہ نہ پھاڑے ہو جو یہاں شکلِ خطر کونسی ہے

مجھ ہی بیدل کا جگر خوں نہیں تیرے ہاتھوں
پُر نہیں خوں سے جو پیمانۂ جگر کونسی ہے

تیرے کوچہ سے چلے پاؤں میں طاقت یہ کہاں
ورنہ دل میں جو نہ ہو راہِ سفر کونسی ہے

تو تو کہہ شعلۂ رخشندہ کہ کس چرخ میں ہو
تجھ سے بھٹکتی نہ ہو جو جانِ جگر کونسی ہے

مصلحت ہی نہیں ہے راز کا افشا ہونا
بزمِ رنداں میں نہیں ہو جو خبر کونسی ہے

یہ تو ہے خال کہ حافظ پہ نہیں مہر تجھے
پھر کمی تجھ میں سراپائے ہنر کونسی ہے

رواقِ منظرِ چشمِ من آشیانۂ تست

ہے طاقِ منظرِ چشم اپنا آشیانہ ترا
براہِ لطف و کرم آ یہ خانہ خانہ ترا

وہ خط و خال کہ دل عاشقوں کا موہ لیا
کشش عجیب ہے رکھتا یہ دام و دانہ ترا

وصالِ گُل سے رہے شاد تو بھی اے بُلبُل
چمن کی جان ہے ہر نعرۂ عاشقانہ ترا

دوائے ضعفِ دلِ زار ہو لبوں سے عطا
پُر از مفرّح یاقوت ہے خزانہ ترا

بہ تن گو دولتِ خدمت سے تیری ہوں معذور
بہ دل بہ جان کہ ہوں خاکِ آستانہ ترا

نہ ایک میں ہی کہ ششدر رہی چرخ شعبدہ باز
عجیب حیلوں کا خرمن ہے ہر بہانہ ترا

ہر ایسے ویسے کو دل دوں سنبھال میں نہیں
لے سر بمہر ہے جانا یہ کُل خزانہ ترا

تو کون بت ہے خدارا سوارِ شیر فگن
سمندِ چرخ بھی کھاتا ہے تازیانہ ترا؟

فلک کو رقص نہ ہو کیوں سرودِ مجلس پر
ہے شعرِ حافظِ شیریں سخن ترانہ ترا

روز و شب در نظرم زلف و رخ یار منست

رات دن فکر میں یاں زلف و رُخِ یار ہی ہے
یار کو فکر نہ کچھ ہم سے سروکار ہی ہے

ذرّہ پروا نہیں اُس کو، یہی ہے دشواری
عشق تو اُس کا نہ کچھ بار نہ دشوار ہی ہے

سودا اُچھلا تھا کہ جھٹ دے ہی دیا زلف کو دل
تا کہ سچ شہر یہ جانے مرا دلدار ہی ہے

مہر کی بھی ہے نظر یار کو مجھ سوختہ پر
ڈر نگہباں سے نہیں ہو جو وہ اغیار ہی ہے

لے دل لیتا ہے گر شوخی و عیّاری سے
دلبرِ شوخ جفا پیشہ و عیّار ہی ہے

پیر میخانہ ہے حافظ سبب زہد و ریا
قرض کی دینے سے دائم اُسے انکار ہی ہے!

رسیدہ ام بمقامیکہ لامکاں آنجاست

کہاں میں پہونچا کہ ہر سمت لامکاں ہی جہاں
پتہ زمیں کا نہ کچھ نام آسماں ہے جہاں

دو دیدے کھولے کہ دو لب ہلائے کیا کرے
نہ تابِ دیدن نے طاقتِ بیاں ہے جہاں

گزر وہاں ہی جہاں کچھ نہ جائے چون و چرا
نہ کوئی شکل نہ صورت نہ جسم و جاں ہے جہاں

مرے نہ مرغِ چمن اُس گل و گلستاں پر
بہار آئے نہ ہرگز کبھی خزاں ہے جہاں

خطا ہے کلمہ منصور ایسی وحدت میں
نہ جائے حرفِ و لب و جنبشِ زباں ہے جہاں

نہ کا وے خانہ محبوب کے لگا حافظ
نہ جا اندھیرے میں بیدار پاسباں ہے جہاں

زاہد ظاہر پرست از حالِ ما آگاہ نیست

زاہدِ ظاہر پرست اس حال سے آگہ نہیں
جو کہے کہنے دو وہم کو اس کی کچھ پروہ نہیں

ہاں طریقت میں جو پیش آجائے رسا کو وہ خوب
ہے صراطِ مستقیم اس میں کوئی گمرہ نہیں

کھیل کیا کھلتا ہے چل کر ایک پیادہ دیکھئے
پہلے اس شطرنج رنداں میں بھی چلتے شہ نہیں

ہے یہ کیسی بے نیازی کیا ہی نادر داوری!
اس قدر تو زخمِ پنہاں اور مجالِ آہ نہیں

صاحبِ دیواں نے چھوڑا ہم کو خارج از شمار
کیا حسابِ شہ میں مد حسبتہ للہ نہیں؟

کیا ہی یہ سقفِ بلند؟ اور کیا ہیں یہ نقش و نگار؟
اس معمے سے کوئی دانا یہاں آگہ نہیں

جس کا جی چاہے وہ آئے جس کا جی چاہے وہ جائے
بیجوہ و بجو حاجب و درباں کا یاں قصہ نہیں

ہے قصور اس قامتِ ناساز و بے ہنگام کا
اُس کا خلعت تو کسی بھی جسم پر کوتہ نہیں

بار میخانے کے اندر، حق یہ ہمرنگوں کا ہے
خود فروشوں کے لئے تو اِس حرم میں رہ نہیں

بندۂ پیرِ مغاں ہُوں، جس کے دایم ہیں کرم
ورنہ لطفِ شیخ و زاہد گاہ ہے اور گہہ نہیں

صدر بن جائے کہیں حافظ تو یہ اُس کا کرم
عاشق و مست اُس کو حُبِّ جاہ ایک حبّہ نہیں

زلفت ہزار دل بہ یکے تارِ مُو بہ بست؟

بستہ ہزار دل ترے اک تارِ مُو سے ہیں
رستے رہائیوں کے گھرے چار سُو سے ہیں

کیوں سر پٹک پٹک، نہ لیں عاشق شمیم پر
نافے کھلے ہیں منع مے مشکبُو سے ہیں؟

دیوانہ یُوں ہُوا، مہِ نَو ایک نگار کے،
ابرو دکھا کے جلوہ ہٹے رُو برو سے ہین

ساقی نے رنگ رنگ کی بھری پیالے ہیں
کیا کیا نقوشِ تازہ نکلتے سبو سے ہیں

کیا جُرمِ خونِ خُم میں صراحی کو پھانسیاں
نرغے میں کیسے نغمۂ قلقل گلو سے ہیں

عاقل شرارتِ فلکِ حقہ باز پر
کچھ شعر پڑھے نہ اِس لئے چُپ گفتگو سے ہیں

کیا راگ تُو نے رنگ میں مُطرب مِلا دیا
ایک دم جو اہلِ حال رُکے ہاؤ ہُو سے ہیں

حافظ بغیرِ عشق ہیں جو خواستگارِ وصل
احرام باندھے کعبہ میں کچھ بے وضو سے ہیں

زلف آشفتہ و خوے کردہ خنداں لب و مست

بال بکھرے، عرق آلودہ ہنسی لب پہ مست
وا ہر ایک بندِ قبا، نغمہ سرا، جام بدست

نرگسیں، سحر بھری، لعل پُر افسوں دونوں؛
نیم شب آکے سرہانے مرے غوغائی نشست

جھک کے مُنہ لا کے مرے کان میں آہستہ کہا
خوب سونا ہے نہیں کچھ خبرِ نیست و ہست!

عشق میں جس کو ملے بادۂ شبگیر ایسا
کافرِ عشق ہے وہ، ہو نہ اگر بادہ پرست

زاہدا کیجے نہ ہم دُرد کشوں کو بدنام — دُرد ہی اپنی تو اضع تھی ہوئی روزِ الست
بھر دیا جس سے قدح ہم نے وہی نوش کیا — کیا خبر خمرِ بہشتی تھا کہ وہ بادۂ مست
خندۂ جام نے اور زلفِ گرہ گیر نے کیں — بے عدد توبہ اِرسوا توبہ حافظ کے شکست

زگریہ مردم چشمم نشستہ در خون است

ہر ایک مردمکِ چشم غرقۂ خوں ہے — یہ حالِ مردماں تیرے لیے دگرگوں ہے
بیادِ لعلِ لبِ یار، دچشمِ میگوں یہ — نہیں ہے جام مے لعل، جرعۂ خوں ہے
طلوعِ مشرقِ کوچہ سے مہرِ طلعت ہو — تو ہم بھی جانیں کہ کچھ طالعِ ہمایوں ہے
حکایتِ لبِ شیریں۔ وظیفہ رفرہاؔد — شکنجِ طرۂ لیلےٰ۔ مقامِ مجنوں ہے
جبرِ دل کی جو قد میں ہے سروِ دلجوئی — سخن سرا ہو جو طبعِ لطیف و موزوں ہے
کلیجہ ٹھنڈا ہو ساقی چلاوے دورِ پیموں — ہمارا باعثِ گردش یہ دَورِ گردوں ہے
عجب گھڑی مِرے پہلو سے یار نکلا تھا — کہ ہر نفس تنگِ وال رشکِ دورِ جیحوں ہے
نہ ہوگی شاد کسی طرح خاطرِ محزوں دل — حدودِ طاقت و کوشش سے بات بیروں ہے
ہی اُس کی آرزو حافظؔ یہ خود فراموشی؟ — گدا کو دیکھو طلب گارِ گنجِ قاروں ہے!

زاں یارِ دلنوازم شکریست باشکایت

اُس دلنواز کا ہے ایک شکر باشکایت — اُلفت کے نکتہ دانو! دلچسپ ہی حکایت
بے مُزد اور منّت کی ہیں نے کی جو خدمت — یارب نہ ہو کسی کا مخدوم بے رعایت!
بے آبرو کرے وہ تب بھی نہ منحرف ہوں — جورِ حبیب بہتر، دشمن کی کیا عنایت

خوں کر گیا ہے کیا کیا تیرا وہ غمزۂ چشم   جانا روا نہیں ہے قتال کی حمایت
گم ہے اندھیری شب میں اس دل کی راہِ مقصد   آخر طلوع ہو جائے کوکبِ ہدایت!
اے آفتابِ خوباں ایک سوزشِ دروں ہے   ایک پل کو اس طرف بھی ہو سایۂ عنایت
جس سمت میں گیا میں وحشت زیادہ پائی   توبہ ہے اے بیاباں اے راہ بے نہایت!
اس راہ کی نہایت کا کیونکہ ہو تصور   ہو صد ہزار منزل جس راہ کی بدایت
پانی بھی منع دینا رندانِ تشنہ لب کو؟   چھوڑی ولی شناسو کیا تم نے یہ ولایت؟
ہو عشق تیرا حامی تو بھی مثال حافظ   قرآن حفظ کر لے۔ باچاردہ روایت

سرِ ارادتِ ما و آستانِ حضرتِ دوست!

مری جبینِ ارادت ہو اُس کی چوکھٹ ہو   ارادے سے ہے اُسی کے گزرتی ہے جو جو
نظیرِ دوست نہ دیکھی مقابل اُس رُخ کے   بجائے آئینہ رکھ دیکھے مہر و مہ دونو
جمال پہ ترے ہر برگِ گلِ چمن کا نثار   فدائے قد ترا ہر سروِ بوستاں لبِ جو
نہ آج دیکھا ہے تیرا مُراد پاؤں گا   کہ پیش خیمہ ہے حالِ نکو کا فالِ نکو
صبا سے ہو سکے کیا میری شرحِ دل تنگی   کلی ہیں پتیاں لپٹی ہوئی ہیں تو برتو
سبو کش اور بھی اس دیرِ رند سوز میں ہیں   ہے ایک سنگ اور اُس پہ ہزار سر ہیں سبو
زبانِ ناطقہ وصفِ جمالِ یار میں لال   چہ جائے کلکِ بریدہ زبانِ بیہدہ گو
ہُوا ہے شانہ مگر زلفِ عنبریں میں کہیں   کہ بادِ غالیہ سا ہے تو خاکِ عنبر بو

نہیں ہے آج سے سوزِ طلب یہ حافظ کو
ازل سے داغ ہے دل مثلِ لالہ خودرو

سینہ ام ز آتشِ دل در غمِ جانانہ بسوخت

آتشِ دل سے یہ سینہ غمِ جانانہ جلا! / ہائے کیا آگ تھی اِس گھر میں کہ کاشانہ جلا!
تن بدن دُوریِ دلبر سے سراسر پگھلا / جان تو آتشِ ہجرِ رُخِ جانانہ جلا
جس نے زنجیرِ سرِ زلفِ پریرو دیکھی / وہ پریشان بہ حالِ دلِ دیوانہ جلا
آتشیں اشک سے شب شمع تھی دل سوز مری / ایسی دل سوز بنی رشک سے پروانہ جلا
دل پیالے کی طرح، توبہ جو کی ٹوٹ گیا / لالہ ساں ظرفِ جگر بے مے و پیمانہ جلا
آشناؤں سے عجب کیا جو ہوں دل سوز مرے / حالتِ غیر پہ میری دلِ بیگانہ جلا
اب تو من جا کہ اِن آنکھوں نے سراپا مجھ کو / کردیا مست، دیا خرقۂ مجرمانہ جلا
خرقۂ زہد بہا آبِ خرابات میں حیف! / خانۂ عقل گئی آتشِ خم خانہ جلا
پی کے مے، سو بھی کہیں چھوڑ یہ قصہ حافظ / رات بھر شمع کا دل سُنتے یہ افسانہ جلا

ساقیا آمدنِ عید مُبارک بادت!

ساقیا عید کا آنا ہو مُبارک دل شاد / وعدے یاروں سے جو تھے وہ بھی ہیں کیا نہ تجھکو یاد!
دم قدم سے ترے وابستہ جلیسوں کی نشاط / منزلِ غم ہو جو دل تجھ کو نہیں چاہے شاد
شکرِ ایزد کہ رہے دورِ خزاں میں بھی ہرے / بوستانِ سمن و سرو و گلاب و شمشاد
غائبانہ بھی تعجب ہے کہ اس مدت میں / تُو نے دل لینے کی دی، یاروں نے دل دینے کی داد
دختِ رز کی بھی بہ آدابِ قدمبوسی ہو عرض / ہم غریبوں کی دعاؤں سے ہوئے ہو آزاد
چشمِ بد دُور! بچالائے غضب نہ مکہ سے / طالعِ نامور و بختِ خوش بادرزاد

کشتیِ نوح ہے حافظ نہ چھٹے یہ سنگت ورنہ طوفانِ حوادث میں بہے گی بنیاد

ساقی بیار بادہ کہ ماہِ صیام رفت

ساقی پلا دے بادہ جو ماہِ صیام جائے
دے ایک قدح کہ موسمِ ناموس و نام جائے
وقتِ عزیز کی بھی قضا چاہیئے ضرور
جو وقت بے حضورِ صراحی و جام جائے
توبہ کے غم میں سوز یہ کب تک بسانِ عود
مے دے کہ سر سے اپنے یہ سودائے خام جائے
وہ مست کر کہ ہوش ہی اس کے رہیں نہ یاں
کب آئے وقتِ صبح کدھر وقتِ شام جائے
زاہد کو تو غرور پٹک دے عدن سے دور
رند عاجزی کی راہ سے دارالسلام جائے
تو جانے زاہدا تیری چلے کشتی، نماز،
عشاق کی تو بن گئی عیشِ مدام جائے
تھا ایک نقد دل سو بہا در بہائے مے
قلبِ سیاہ کیوں نہ بجائے حرام جائے
حافظ کو سب فضول نصیحت وہ رہ نہ پائے
صہبائے عشق جس کے اتر زیرِ کام جائے

ساقیم خضر ست و مے آبِ حیات

خضر ساقی میرا، مے آبِ حیات
کس کی توبہ لاؤ ساغر ہاتھوں ہات
عشق کے دفتر سے یہ روز ہی ملی
تلخیِ ہجراں ہے عاشق کی برات
تلخ مے شیریں لبوں کے ہاتھ سے
قند و مصری کی کرے پھیکی نہ بات
ہے دمِ عیسیٰ نسیمِ لطفِ یار
مردہ صد سالہ کو بخشے حیات
غیرتِ آبِ آتشیں یعنی شراب
حل نہیں ہوتی ہیں ہر گز مشکلات
شاہ ورد رندِ برخوردار جو
بر سر کوئے مغاں پائے وفات

حاصلِ عمر اپنا حافظ دہر میں
بادۂ صافی ہے باقی واہیات

ساقی بیا کہ یار زرخ پردہ برگرفت

آ ساقیا کہ یار نے گھونگٹ اُٹھا دیا
اندھیر خلوتوں میں سراسر مچا دیا

شمعِ فسردہ چہرہ برافروختہ ہوئی پھر
پیرِ کہن کو رشکِ جواناں بنا دیا

جن جوش قدوں کو ناز تھا خورشید و ماہ پر
تیرے خرامِ ناز نے نیچا دکھا دیا

ہے ہے یہ گفتگوئے لبِ شیرینِ دلفریب!
پستے پہ ایک نمکِ شکر بھی چڑھا دیا

گمراہ مفتیوں کو کیا کیدِ عشق نے
دشمن کو لطفِ دوست نے زک دی ہرا دیا

جو قصہ ہفت گنبدِ افلاک میں نہ آئے
کوتہ نظر نے کیا ہی ذرا سا بتا دیا

وہ بارِ غم کہ خاطرِ خستہ پہ تھا وبال
عیسیٰ النفس کو بھیج خدا نے اُٹھا دیا

حافظ کہاں یہ سیکھا تھا جادو؟ ترا کلام
تعویذ کر کے اس نے غلافِ طلا دیا

شگفتہ شد گلِ حمرا و گشت بلبل مست

کھلا ہے لالۂ حمرا، ہوئی ہے بلبل مست
صلائے عام ہے اے عاشقانِ بادہ پرست

اساسِ توبہ جو تھی محکمی میں سنگ صفت
ہوئی ہے شیشہ و ساغر سے آہ کیسی شکست

پلاؤ بادہ کہ سرکارِ بے نیازی میں
ہیں ایک پیادہ و سلطان و ہوشیار و مست

سفر سرائے دو در سے ہے ناگزیر تو کیا
درِ دو کانِ معیشت بلند و اوسط و پست!

مقامِ عیش میسر نہیں بجز محنت
بلا کا تیج تھا "قالو بلیٰ" میں روزِ الست

نہ ہست و نیست کے غم سے ملول ہو خوش رہ
کہ نیست ہونا ہے انجامِ ہر کمال کہ ہست!

تنکوۂ آصفی و تختِ باد و منطقِ طیر — رہا نہ کچھ بھی کرے گو ہزار بند و بست
لگا کے بال و پرِ اڑ مت کہ تیرِ پرتابی — اُڑا بہت پہ ہُوا خاک میں ہی پھر پیوست
زبانِ کلک سے حافظ ہو کیسے شکر ادا — کہ شعرِ تحفہ میں جاتے ہیں میرے دست بدست

شربتے از لبِ لعلش نہ چشیدیم و برفت

چلدیا! شربتِ لب غیر چشیدہ ہی رہا — دل یہ اُس کے رُخِ خوش کا ندیدہ ہی رہا
کیا ہی بیزار تھا، رکھ زین، ہُوا ایسا ہَوا — دامنِ گرد بھی نظروں سے رمیدہ ہی رہا
نہ پھرا- فاتحہ اور حرزِ یمانی پڑھ کر — پھونکتا بندہ بہ اخلاص و عقیدہ ہی رہا
خطِ فرماں سے نہ بڑھنے کی ادھر دیکے قسم — چل دیا خط مرے آگے وہ کشیدہ ہی رہا
مجھ کو ٹھیرا کے رہِ عشق میں گم ہے اب تک — جان پر کھیل کے دم میں تھا میں سیدھا ہی رہا
کر گیا وہ چمنِ حسن و لطافت میں خرام — اور میں بیرونِ چمن ماندہ خزیدہ ہی رہا
ترکِ خود کرنے کو کہہ کر تھا گیا طالب سے — وہ اِس اُمید پر اپنے سے بریدہ ہی رہا
صورت اُس کی تھی لطافت میں خدا کی صنعت — دیکھ کر بھی اُسے دل سب کا ندیدہ ہی رہا
نالے حافظ کے سے ہیں ویسی ہی آہیں شاید — دمِ رخصت بھی کہیں دُور زدیدہ ہی رہا

شنیدہ ام سخنے خوش کہ پیرِ کنعاں گفت

بہت ہی راست یہ مروی ہے پیرِ کنعاں سے — کہ دردِ ہجر کی ہو کیسے شرح انساں سے!
حدیثِ ہولِ قیامت کہے تھا واعظِ شہر — وہ ایک کنایہ تھا آفاتِ روزِ ہجراں سے
نشانِ یارِ مسافر کا پوچھئے کس سے — صبا کے فقرے تو ہوتے ہیں کچھ پریشاں سے

فغاں کہ وہ مہِ نامہرباں، دشمن دوست،   توڑا کے چل دیا یاروں سے کیا ہی آساں سے
ہم اور مقامِ رضا اور خوشامدِ اعدا   اب اور کیا کریں تھک کر ہر ایک درباں سے
گرہ لگا نہ ہوا میں، "چلے گر حسبِ مراد"   کہن ہے باد کی گویا یہ خود سلیمانؑ سے
کرے نہ چون وچرا کوئی بندۂ مقبل   رکھے سر آنکھوں پہ سن لے جو حکم جاناں سے
ادائے دہر پہ ہو جائیو نہ لوٹ یہ زال   نہ تجھ سے بلکہ چھٹا بھاگے زالِ دستاں سے
پرانے غم کو پرانی شراب ہی دینا   "خوشی کی جڑ ہی یہ"، پوچھوا دوں پیرِ دہقاں سے؟
چڑھائے بادہ کہ کل پیرِ میکدہ کیا کیا   حدیثیں کہتا تھا لطفِ رحیم و رحماں سے
کہا یہ کس نے کہ حافظ نے چھوڑا تیرا خیال   مرا مقولہ نہیں، ہوگا قولِ شیطاں سے

صحن بستان ذوق بخش و صحبت یاراں خوش است

صحنِ بستاں ذوق بخش و صحبتِ یاراں ہے خوش   موسمِ گل ہو مبارک نکہتِ میخواراں ہے خوش
ہے صبا سے دم بدم تازہ مشامِ جان و دل   کیوں نہ ہو خوشبوئے انفاسِ ہواداراں ہے خوش
گل نے بن کھولے نقاب آہنگِ رحلت کر لیا   نالہ کر بلبل کہ گلبانگِ دلِ افگاراں ہے خوش
خوش دلی بازارِ دنیا میں ملی بس نام کو   ہے تو کچھ رندی و خوشباشیِ عیاراں ہے خوش
مرغِ خوش خو اں کو بشارت، بانگ اُس کی مژدۂ دوست   مثلِ شغلِ نالۂ شبہائے بیداراں ہے خوش
حافظا ترکِ جہاں میں منحصر ہے خوش دلی   ہاں نہ سمجھے کوئی احوالِ جہانداراں ہے خوش

صبا اگر گذرے افتدت بہ کشورِ دوست

صبا جو راہ میں مل جائے تجھ کو کشورِ دوست   بسا کے لائیو ایک گیسوئے معنبرِ دوست

قسم اُسی کی کہ ہم جان دیدیں گے انعام — کبھی اِدھر کو تو بن کر تو آ پیمبر دوست
اگر نہ ہو نہ تجھے بار اُس کی بارگاہ میں خاص — تو قدرے خاک ہی سرمے کو لانا از درِ دوست
دریغ ایسے گدا کو ہوس وصال اُس کا — بہت ہی خواب میں گر دیکھ پائے منظرِ دوست
دلِ صنوبری صورت ہے بید وش لرزاں — چڑھی ہے اِس کو تپ حسرتِ صنوبرِ دوست
وہ مفت بھی نہ قبولے ہمیں تو رنج نہیں — نہ ہم دیں دولتِ دنیا کو موئے از سرِ دوست
نہ قیدِ غم سے ہو آزاد وہ بھی کیوں آخر — نہیں ہی حافظِ مسکیں غلام چاکرِ دوست؟

صبحدم مرغِ چمن با گُلِ نوخواستہ گفت

نوکِ بلبل نے کی ایک دن جو گلِ تازہ شگفت — تجھ سے گلشن میں بہت پھولے ہیں اِترا تو نہ مفت"
گُل نے ہنس کر کہا سچ بات کا کیا رنج وے — کسی عاشق کی بھی معشوق سے یہ تلخ تھی گفت؟
گر ہوس جامِ مرصّع میں ہے لعل کی ہو — چاہیئے نوکِ مژہ سے دُر و یاقوت ہوں سُفت
تا ابد بو بھی محبت کی نہ سونگھی جس نے — روب کی پنجۂ مژگاں سے نہ میخانوں میں رُفت
رازِ اُلفت تو زباں پر ہی نہیں آسکتا — ساقیا جام دے رکھ طاق پہ سب قال و گفت
صبحدم باغ میں فردوس کے تھے جمع مزے — پائی زلفِ سنبل سے نسیمِ سحری با ہم جُفت
تختِ جم سے جو لیا جامِ جہاں بیں کا پتہ — بولا افسوس کہ آں دولتِ بیدار بخُفت"
ہوش و صبر اشکوں نے حافظ کے کیے سب غرقاب — کیسے اب سوزِ غمِ عشق چھپے یا ہو نہفت؟

صوفی از پرتوِ مے رازِ نہانی دانست

صوفی دیکھے سے جھلک رازِ نہانی جانے — فطرتیں سب کی پیئے لال سا پانی جانے

شرحِ مجموعۂ گُل مُرغِ سحر ہی سمجھے / نہ کہ ہر خواندہ جو الفاظ و معانی جانے
آیتِ عشق کو حکمت سے سمجھنے والے / یہ بہ تحقیق سمجھ میں نہیں آنی جانے
پھُولے ایک پھُول پہ گر باغِ جہاں کوئی / کاش غارتگریِ بادِ خزانی جانے
دو جہاں اس دلِ ناکارہ کو دکھلا کے تھکا / تیری اُلفت کے سوا باقی کو فانی جانے
سنگریزوں کو کرے دیکھتے ہی لعل و گہر / یہاں جو قدرِ نفسِ بادِ یمانی جانے
پاسِ خاطر ہی مرا مصلحتِ وقت نہیں / ورنہ وہ بھی تو یہ سب دلِ گرانی جانے
مخبری کردے تو کرنے کوئی اب ڈر نہیں / مختسب آپ یہ سب عیشِ نہانی جانے
یہ جو حافظ کی طبیعت نے پروئے موتی / اثرِ تربیتِ آصفِ ثانی جانے

عیبِ رندان مکن اے زاہدِ پاکیزہ سرشت

ہجو رندوں کی نہ کر زاہدِ پاکیزہ سرشت / اُن کے اعمالوں سے آلودہ نہ ہو تیری نوشت
نام اس کا ہے نہاد؟ آہ تو کیا خوب نہاد! / اس کو کہتے ہیں سرشت؟ آہ تو کیا خوب سرشت
مَیں بُرا ہوں کہ بھلا تُو ہی خبر سے اپنی / حسبِ اعمال ثمر لائے گی اعمال کی کِشت
تکیہ اعمال پہ بھی خوب نہیں دوست یہاں / کلکِ قدرت نے خبر کیا تری کیا لکھ دی نوشت
گر نہ یاوریٔ کرم، لطفِ ازل کیا جانے / خوب ٹھیرائے کِسے اور کِسے ناکارہ و زشت
سرِ تسلیم مرا اور درِ میخانہ اگر / کوئی نافہم نہ سمجھے تو وہ سر اور کوئی خشت!
طالبِ یار ہیں سب کافر و دیندار کہ مست / خانۂ عشق ہر ایک جا ہے نہ مسجد نہ کنشت
باغِ جنت کے مزے آنکھوں پہ سر پہ میرے / میری جنت ہیں یہی سایۂ بید و لبِ کِشت
وقتِ موعود، دے حافظ وہ اگر ہاتھ میں جام / میں خرابات سے فی الفور پہنچ جاؤں بہشت

غمش تا در دلم ماوے اگرفتست

غمِ جاناں کا دل ماویٰ و ملجا
سمایا گیسوؤں کا سر میں سودا

وہ آبِ چشم کیا موتی بہائے!
سراسر ہے جہاں لُو لُوئے لالا!

بہم آتش اور آبِ زندگی لب
دلِ مُردہ کو دے گرمِ آب گرما

نسیم اس طرح عنبر بُو نہ آتی
نہ کرتا صبح گر وہ سیرِ صحرا

ہمارے ہمت اپنا مُدّتوں سے
نظر میں ہے لیئے وہ قدِّ بالا

قدِ بالا کا عاشق یوں ہوائیں
ہے اُس سے عاشقوں کا بول بالا

ہم اُس کے سایۂ الطاف میں ہیں
اُسے تو حیف ہے سدرہ کا سایا

سخن حافظ کا وصفِ قد سے تیرے
ہے سروِ یاسمن بُو سب سے بالا

کنوں کہ در کفِ گُل جامِ بادۂ صافت

لیئے ہیں ہاتھوں میں گُل جامِ بادۂ شفّاف
زباں پہ بُلبلیں کھولے ہیں صد ہزار اوصاف

اُٹھا کے دفترِ اشعار تو بھی صحرا چل
بڑھا دے مدرسہ طے کر دے کشف اور کشّاف

فقیہِ مدرسہ کل پی گیا تھا کر دی تھی سر
کہ مے حرام پہ بہتر ز لقمۂ اوقاف!"

شرابِ ناب کہ تلچھٹ تھی جیب میں مت کھول!
ہمارے ساقی نے جیسی پلا دی عین الطاف

جُدا ہو خلق سے عنقا سے سیکھ لے یہ سبق
ہے شہرہ گوشہ نشینوں کا قاف سے تا قاف

نہ مان خلق کا کہنا، ہیں دونوں بافندہ
کہا کریں اِسے زرباف اُس کو بوریہ باف

نہ کھول حافظ اوراقِ نُہ زر اصولوں کو
چھپا رہے، قلب میں شہرہ ہے شہر کا صرّاف

کس نیست کہ افتادۂ آں زلفِ دوتا نیست

ہے کون جو بندھا نہیں اُس زلفِ دوتا کا — کس راہ میں پھندہ نہیں اُس دامِ بلا کا
ہے شکل تری آئینۂ لطفِ الٰہی — سچ مان کہ عادی نہیں میں رُوئے ریا کا
دیکھوں نہ تجھے؟ دیکھو تو ناصح کی ذرا شکل! — صورت سے تری شرم نہ کچھ خوف خدا کا
تقلید اُن آنکھوں کی؟ تجھے کیا ہوا نرگس! — بے مغز کے دیدوں میں گزر کیا ہو حیا کا
للہ سنوارا نہ کرو زلفِ معنبر — یہاں ناک میں دم کر دیا لڑ لڑ کے صبا کا
اے شمعِ دل افروز، یہاں تو جو نہیں ہو — اندھیر ہے مجلس میں نہیں نام ضیا کا
کل وقتِ وداع یاد اُسے عہد دلایا — بولا کہ غلط! عہد نہیں ہے یہ وفا کا
تیمارِ غریباں ہے ہر اک شہر کا تمغہ — اس میں بھی انوکھا ہے نگر اپنے پیا کا
کیا فرق ہے گر پیرِ مغاں شیخ ہے اپنا — اک سر نہیں اسرار نہ ہو جس میں خدا کا
عاشق ہدفِ تیرِ ملامت نہ ہو کیونکر — ہے کون دلاور جو سپر ہو نہ قضا کا
خورشید سے دعوے کہ میں ہوں نور کا چشمہ! — بے شبہ بڑا بول ہے مُنہ چھوٹا سُہا کا
زاہد ہو ترا صومعہ یا خلوتِ صوفی — محراب دو ابرو ہی میں ہے لطفِ دُعا کا
خونِ دلِ حافظ میں رنگا پنجہ گرا دو کر — ظالم تجھے پاس آیا نہ قرآنِ خُدا کا

کنوں کہ میدمد از بوستاں نسیمِ بہشت

مہکتی آتی ہے گلشن سے کیا نسیمِ بہشت — الٰہی بادہ بھی جاں بخش دے یارِ حور سرشت!
چمن حکایتِ اردی بہشت کہتا ہے — وہ بیوقوف جو چھوڑے یہ کل پہ آج بہشت

بنائے خانۂ دل مے سے ہو، جہانِ خراب | تلاش میں ہی بنائے ہماری خاک سے خشت
گدا بھی آج کرے دعوئے بادشاہی کا | ہے ابر خیمۂ دربار، بارگہِ لبِ کشت
نہ بادہ خواری پہ کہہ دینا دوزخی فوراً | خبر نہیں کہ وہاں کیا رکھی کسی کی نوشت
نہ کیجے ترکِ نمازِ جنازہ حافظ کی | ہزار غرقِ گنہ ہو، پہ جا رہا ہے بہشت!

گُل در بر و مے در کف و معشوقہ بکام ست

دولہا بنا، دلہن سے ملا ہاتھ میں جام آج! | ہو شاہِ جہاں بھی تو ہے بندے کا غلام آج!
ہیں کان لگے قولِ نے و چنگ پہ دونوں | ہر آنکھ سوئے لعلِ لب و گردشِ جام آج
اور عطر کوئی لاکے نہ محفل میں بساؤ | اُن گیسوؤں سے خود ہی معطر ہے مشام آج
کہہ دو نہیں کچھ روشنیِ شمع کی حاجت | مجلس میں رُخِ دوست ہی ہے ماہِ تمام آج
کچھ قند کا مصری کا بھی مذکور نہ کیجے | شیریں لبِ شیریں سے ہیں خود ہی لب و کام آج
مت نام کی پوچھو کہ ہوا نام تو اب ننگ | اور ننگ کی کیا بات کہ ہے ننگ ہی نام آج
میخوار ہوں سرگشتہ ہوں اور رند و نظر باز | مجھ سا نہ کوئی شہر میں، لو ایک تو نام آج
مخبر نہیں کیا آرزوئے محتسب آخر؟ | مجرم کے مقدر میں جو ہے عیشِ مدام آج؟
ہے بادہ روا روز ہی مذہب میں ہمارے | بن تیرے پہ اے سروِ گل اندام حرام آج
حافظ نہ کٹے بے مے و معشوقہ کوئی دم | ہے عہدِ گل و یاسمن و عیدِ صیام آج

گر ز دستِ زلفِ مشکینت خطائے رفت رفت

ہو گئی گر زلفِ مشکیں سے خطا کچھ ہو گئی | خالِ کافر سے بھی جانے دو جفا کچھ ہو گئی

جل گیا تو جل گیا ایک خرمنِ پشمینہ پوش — بینوا پر گرمِ چشمِ بادشاہ کچھ ہو گئی
لے گیا دل غمزۂ دلدار کوئی لے گیا! — جان جانے اور جاناں بات کیا کچھ ہو گئی؟
ساقیا مے دے کہ رنجش اپنے مذہب میں نہیں — جی سے دھو ڈالی کدورت جب پڑا کچھ ہو گئی
عشق بازی میں تحمل چاہیئے دل صبر کر — خیر گزری، وہ بلا تھی یا وبا، کچھ ہو گئی
طول دیتے ہیں سخن چینی اگر نہ ہو رفت و گزشت — گفتگو گر دوستوں میں بے مزا کچھ ہو گئی
جائے گر جائے کہیں مسجد سے حافظ واعظا — پائے آزاداں پہ بھی بندش بھلا کچھ ہو گئی؟

لعلِ سیراب بخوں تشنہ لبِ یار منست

لعلِ سیرابِ لبِ تشنۂ خوں یار کا ہے — اُس سے دو چار ہو جگرا یہ دلِ زار کا ہے
کیونکہ دل لیتے ہیں چشمِ سیہ، مژگانِ دراز؟ — دیکھ کر آنکھ سے پھر منہ مرے انکار کا ہے؟
سار باں ٹھیر نہیں جانے دے پیدل، سرِ کوہ — شارعِ خاص یہ منزل گہہِ دلدار کا ہے
اے زہے بخت! کہ اس محیطِ وفا میں اپنا — قدرداں عشقِ بتِ مست قدح خوار کا ہے
شیشۂ عطر میں اور ظرفِ عبیر افشاں میں — کیا ہی؟ ایک شمّۂ خوشبو مرے عطّار کا ہے
باغباں باغ بدر مجھ کو نہ کر مثلِ نسیم — رنگ ہر گل میں مرے چشمۂ خونبار کا ہے
لکھ دے گلقندِ لبِ یار مرے نسخے میں — دیدۂ نرگس کا معالج دلِ بیمار کا ہے
حافظ ایک نکتے کا اس طرزِ غزل میں ممنوں — یارِ شیریں سخن نادرہ گفتار کا ہے

مطلب طاعت و پیمانِ درست از منِ مست

کلمہ، روزہ، نماز، ان کو میں کیا جانوں مست — جس سے منسوب ہوئی بادہ کشی روزِ الست

حوض پر عشق کے جس وقت کیا میں نے وضو ۔۔۔ چار تکبیر کہیں سب پہ اُٹھا کر دو دست
مے پلا کر مجھے سب پوچھ لے اسرارِ نہاں ۔۔۔ کس کے دم کا ہوں میں دیوانہ تو کس پھول پہ مست
کمر کو وہ یہاں بال سے باریک سمجھ ۔۔۔ یعنی مایوس نہ رحمت سے ہو اے بادہ پرست
صدقے اُس غنچہ دہن کے کہ جہاں آرا نے ۔۔۔ نہ رکھا غنچۂ گل میں بھی تو یہ بند و بست!
بجز اُس نرگسِ مستانہ کے چشمِ بد دور ۔۔۔ خرّم اِس گنبدِ فیروزہ میں ہے کس کی نشست
ہے ترے عشق کی دولت سے سلیماں حافظ ۔۔۔ یعنی کچھ عشق سے حاصل نہیں جز باد بدست

مرحبا اے پیکِ مشتاقاں بدہ پیغامِ دوست

مرحبا! اے پیکِ مشتاقاں سنا پیغامِ دوست ۔۔۔ دل تو کیا ہم جان بھی دیدیں فدائے نامِ دوست
والہ و شیدا ہے دائم مثلِ بلبل در قفس ۔۔۔ طوطیِ طبع اپنا بہرِ شکر و بادامِ دوست
خط میں لکھئے شرحِ حالِ دل اُسے بس مختصر ۔۔۔ دردِ سر کا ہو نہ موجب بیش ازیں ابرامِ دوست
زلفِ جاناں دام، دانہ خال، ہم طائر بدام ۔۔۔ ایک دانے کی ہوس نے لا دکھایا دامِ دوست
سر نہ مستی سے اُٹھائے تا بہ صبحِ روزِ حشر ۔۔۔ مجھ سا پایا ہو ازل میں جس نے ہمدم جامِ دوست
قصد میں اپنے وصال اور دوست کے جی میں فراق ۔۔۔ ترکِ مقصد اپنا کر دیں ہم بنا دیں کامِ دوست
ہاتھ آ جائے تو سُرمہ ہی بنا لیں آنکھ کا ۔۔۔ خاکِ رہ جس کو مشرف کر گئے اقدامِ دوست
حافظ اُس کے سوز میں جلنا نہ ہونا چارہ جُو ۔۔۔ دردِ بے درماں سمجھنا دردِ بے آرامِ دوست

منم کہ گوشۂ خم خانہ خانقاہِ منست

مَیں ہی ہوں گوشۂ خمخانہ خانقاہ مرا ۔۔۔ دعائے پیرِ مغاں وِردِ صبحگاہ مرا

ہے بے شراب و ترانہ اگر صبوح مری ۔۔۔ تو کم ہے صبح کا نالہ یہ عذر خواہ مرا؟
گدا و شاہ سے آزاد ہوں بحمد اللہ ۔۔۔ گدائے کوئے محبت ہے بادشاہ مرا
غرض ہے مسجد و بتخانہ سے تلاش تری ۔۔۔ غرض کچھ اور نہیں ہے خدا گواہ مرا
طناب خیمۂ تن کاٹ دے اجل تو معاف ۔۔۔ وگرنہ ہے در دولت سے اب نباہ مرا
سر آستاں پہ ترے رکھ کے دیکھا کیا ہوں؟ ۔۔۔ فلک ہے مسند و خورشید تکیہ گاہ مرا
گناہ پر گو نہیں اختیار کچھ حافظ ۔۔۔ ادب ہے شرط یہی کہہ کہ ہاں گناہ مرا

ماہم ایں ہفتہ شد از شہر و بچشم سالیست

ہفتہ اُس مہ کو گئے شہر سے گویا سال ایک ۔۔۔ حال ہجراں بھی عجب جانئے مشکل حال ایک
مردم دیدہ کی تھی رُخ کی لطافت پہ نظر ۔۔۔ عکس اپنا ہی تھا سمجھے جسے مشکیں خال ایک
انگلیاں شہر میں اُٹھتی ہیں سخاوت پہ تری ۔۔۔ ہم غریبوں کے ہی حق میں ہی عجب اہمال ایک
لب شیریں سے ابھی دودھ کی بو آتی ہے ۔۔۔ ہر مژہ عشوہ گری میں صفتِ قتال ایک
جوہر فرد میں ہن بعد نہیں شبہ و شک ۔۔۔ خود دہاں اُس کا ہی اس باب میں استدلال ایک
خوش خبر نکلے یہ افواہ کہ وہ آتے ہیں ۔۔۔ خیر سے بدلے نہ نیت، ہی مبارک فال ایک
کوہِ اندوہِ فراق آپ کا کیوں کر کھینچے ۔۔۔ حافظِ خستہ کا تن گھل کے رہا ہی بال ایک

ما را ز خیال تو چہ پروائے شرابست

دُھن میں تری کب مجھ کو ہی پروائے شراب آج ۔۔۔ خُم سے کہو سر پھوڑے، ہے خمخانہ خراب آج
ہو خمر بہشتی بھی تو پھینکو کہ بلا دوست ۔۔۔ ہر شربتِ عذب عینِ الم بلکہ عذاب آج

ہُشیار ہو اے دیدہ و! نہ یوں چین سے بیٹھو
اس سیلِ دما دم سے یہ گھر ہوگا خراب آج

معشوقہ کھلے بندوں پھرا کرتی تھی آگے
نامحرموں کی وجہ سے ڈالے ہے نقاب آج

دلبر گیا، صد حیف! رہا دیدۂ گریاں
یاد اُس کے خطِ خوب کی ہے نقش برآب آج

سو شمع ترے حُسن سے ہیں دل میں فروزاں
ہر چند کہ ہیں بیچ میں صد ہا ہی حجاب آج

بے روئے دل آرا ترے اے شمعِ دل افروز
دل رقص میں ایک بر سرِ آتش ہو کباب آج

ہیں سبز در و دشت سرِ آبِ رواں چل
تا تجھ کو نظر آئے جہاں جملہ سراب آج

سمجھو نہ مرے سر میں کوئی جائے نصیحت
اس حجرہ میں ہے زمزمۂ چنگ و رباب آج

کیا شان تری شان کہ اُس شان کے آگے
خورشیدِ فلک لگتا ہے ایک ورقِ آب آج

حافظ بھی ہے گر رند و نظر باز تو کیا ہے
ہوتے ہیں جوانی میں۔ ہے اُس کا بھی شباب آج

مارا ز آرزوئے تو پروائے خواب نیست

حاشا جو تیری یاد میں پروائے خواب ہو
بے روئے دلفریب یہ جینا صواب ہو

پائے نہ چشمِ مست کے دوراں میں ہوشیار
ہر آنکھ دن کو دیکھتی اُس کے ہی خواب ہو

دیکھو جسے اُسی کے کسی غم میں مبتلا
ایک دل نہ دیکھا جس کی نہ حالت خراب ہو

در پر جو تیرے کشتہ ہوا تیرے ہاتھ سے
کچھ قبر میں نہ اُس سے سوال و جواب ہو

حافظ ہوا ہے عشق میں تپ کر مثالِ زر
عاشق ہی کیا وہ جس کو نہ تپنے کی تاب ہو

مدامم مست میدارد نسیم جعد گیسویت!

ہمیشہ مست رہتا ہوں نسیمِ جعدِ گیسو سے
خراب و خستہ ہوں دایم فریبِ چشم جادو سے

بہت کرلی شکیبائی کسی دن تو الٰہی ہو!
کہ شمع دیدہ روشن ہائے محرابِ دو ابرو سے

جگہ نقشِ سویدا کو عطا کی دیدۂ دل میں
کہ ہی ہم نسخہ ہم تو نیدیہ عکسِ خالِ ہندو سے

ابد تک ہو اگر مدِ نظر زیبائشِ عالم
صبا سے کہہ اُٹھا دے پردہ ایکدم روئے نیکو سے

وگر رسمِ فنا چاہے کہ اُٹھ ہی جائے دنیا سے
جھٹکدے زلف لاکھوں چھٹ پڑیں دل ہر خمِ مو سے

صبا و بندہ ہر دو سکیں ہیں سرگرداں عبث دونوں
میں افسونِ نگاہِ مست سے وہ توڑے گیسو سے

عنایت سے صبا کی میں ترا ممنونِ نکہت ہوں
وگرنہ گزرے تو؟ اتنے سویرے؟ اِس سرِ کُو سے؟

سوادِ دیدہ دایم خونِ دل میں دیکھتے آخر
ع: نیاز جاں ہوا ہی دل کو یادِ خالِ ہندو سے

نہ دنیا اور نہ عقبیٰ آفریں حافظ کی ہمت کو!
دیا کیا؟ بہرِ سُرمہ خاک قدرے اُس سرِ کُو سے

مردم دیدۂ ما جز برخت ناظر نیست

دیدہ جب دیکھے صورت کا تری ناظر ہے
دلِ سودا زدہ جب سنیئے ترا ذاکر ہے

اشک احرامِ طوافِ حرمِ یار میں ہے
خونِ دل بہنے سے ایکدم بھی نہ گو طاہر ہے

مرغِ وحشی کی طرح بندِ قفس ہو یارب
طائرِ سدرہ نہ گر اُس کے لئے سایر ہے

عاشقِ مفلس اگر قلبِ دل اپنا دے نثار
رد نہ کر۔ نقدِ رواں پر وہ نہیں قادر ہے

آئے پر آئے، لگے سروِ بلند ہاتھ لگے
طالبِ یار طلب میں جو نہیں قاصر ہے

اُف بھی منہ سے نہ تہِ آتشِ سودا نکلی
اب بھی تنگ ہی کہ تہِ داغ یہ دل صابر ہے؟

روزِ اوّل ہی تری زلف پہ دل بولا تھا
کہ پریشانی کا یہ سلسلہ بے آخر ہے

ذکرِ جان بخشی عیسیٰ ترے لب کے آگے؟
اِس طرح روح فزائی پہ وہ کب قادر ہے

وصلِ جاناں نہیں حافظ کی تمنا تنہا
جو نہ اس فکر میں ہو کونسی وہ خاطر ہے؟

مدّتے شد کآتشِ سودائے او در جانِ ماست

سوزشِ سودائے جاناں مدتوں سے جاں میں ہے
ایک تمنا ہے کہ بس دایم دلِ ویراں میں ہے

غرقِ خونابِ جگر ہیں مردمِ چشم اِس لئے
چشمۂ خورشید رُو اس سینۂ جوشاں میں ہے

آبِ حیواں میں ہے بُوند اُس لعلِ شکر بار کی
پرتو اُس خورشید کا قرصِ مہِ تاباں میں ہے

لائے دل سن کر "نفخت فیہ من الروحی"، کو اسم
ہم کسی کے جی میں ہیں کوئی ہماری جاں میں ہے

غیب کے اسرار سے واقف نہیں ہر دل مگر
اِس بلند اسرارِ پُرمعنی کا محرم جاں میں ہے

واعظا! کب تک بگھاریگا مسایل دین کے؟
دین و دنیا سب ہمارا منحصر جاناں میں ہے

حافظ اس احساں کا ہوں ممنون تا روزِ جزا
دردِ دل کے وہ صنم اوّل سے ہی درماں میں ہے

میرِ من! خوش میروی اندر سراپا میرمت!

جان! جانا تیرا بھایا، آ سراپا جان دُوں
تُرکِ تُرکاں خوش خرامی اپنی دکھلا جان دُوں

پھر تو کہہ :- "دینے میں جاں ایسی تجھے جلدی ہو گیا"
رکھ یہی طرزِ تقاضا، بے تقاضا جان دُوں

کیا کہا؟ دیں گے یہ نوشِ لب بہم درد و دوا"
درد کے قربان ہُوں، بہرِ دوا جان دُوں

عاشقِ مہجور ہوں! مخمور ساقی سے کہیں
ہو خراماں تا کہ پیشِ قدِ رعنا جان دُوں

لگ نہ جائے خوش خرامی کو کہیں دل کی نظر
تلملاتا ہے کہ بس اُس کے تہِ پا جان دُوں

عمر گو رہی رنجِ مژگاں سے ملالت کو مری
ایک نظر دیکھے تو زیرِ چشمِ شہلا جان دُوں

اُس کی خلوت میں گزر حافظ نہیں ہے تو نہ ہو
خوش گزر ہیں اُس کے سب ہل جائے جن جا جان دُوں

ہر آں خجستہ نظر کز پئے سعادت رفت

ہر ایک سعید جو یاں طالبِ سعادت ہو
بس اُس کا میکدہ ہی قبلۂ ارادت ہو

بر طبلِ دُرد کشاں ہی ہو صوفیوں پہ تمام
وہ سِرِ عشق جو در عالمِ شہادت ہو

سنو مِرا سخن معرفتہ کہ روح القُدس
مدد پہ ہو تو نہ کیوں موردِ سعادت ہو

بتیّچے ہی کچھ نہ مرے زائچے میں جز رندی
پڑا شراب میں ہی کوکبِ ولادت ہو

ہے صبح ہی سے ترا طرز کچھ نیا شاید
نہ شب کی پی گیا کچھ بیشتر ز عادت ہو

دکھائے معجزہ بھی کچھ طبیب عیسےٰ دَم
نہ اس علیل کی خالی فقط عیادت ہو

براہِ میکدہ جا نکلا خانقہ حافظ
الٰہی وہ ہوا اب اور گوشۂ عبادت ہو

یارب آں شمع شب افروز ز کاشانہ کیست

شمع روشن ہے خدا کس کے یہ کاشانے کی!
جان کس کی ہے؟ کہو؟ دم پہ بنی جانے کی!

ماہ رخ شاہ منش، زہرہ جبیں، کون ہے یہ؟
دُرج بھی ہے کوئی اس بے بہا دُر دانے کی؟

حاجت اِس شمعِ سعادت کے تقرّب کے لئے
پوچھ دو بہرِ خدا کس کے ہے پروانے کی؟

یہ لبِ لعل کہ بن چکے میں اِن کا ہوں خراب
مے کہاں پیتے ہیں۔ کس کاسۂ پیمانے کی؟

کس کا ہمخواب ہے یہ خانہ بر اندازِ مرا
رونق افزائی یہاں کرتا ہے کس خانے کی؟

سب کے افسوں چلے اُس پر یہ نہ معلوم ہوا
دلِ نازک پہ لگی چوٹ کس افسانے کی؟

آہ دیوانہ ہے حافظ ترا سُن کر یہ ہنسا
کس کا دیوانہ؟ لو اچھی کہی دیوانے کی؟

یارب سببے ساز کہ یارم بہ سلامت

کچھ ایسی ہو یارب کہ وہ باخیر و سلامت
آجائے، اُٹھے مجھ پہ سے یہ بارِ غرامت

اُس یارِ مسافر کی لگا پاؤں کی مٹی
آنکھوں کو جہاں میں کروں بر جائے اقامت

فریاد کہ شش جہت سے کرتے ہیں نظربند
وہ خال و خط و زلف و رخ و عارض و قامت؛

زیبا نہیں فریاد ترے جور پہ ہرگز
بیدادِ لطیفوں کی ہے سب لطف و کرامت

تقریر و بیاں میں جو کرے عشق کا مذکور
بات اُس سے نہ کچھ چاہتے جز: "خیر و سلامت"

درویش! نہ کر نالۂ تیغِ احبا
مُروے پہ پس از مرگ بھی آتے ہیں نہ شامت

خرقہ کو لگا آگ! خمِ ابروے ساقی
ڈھانے کو چلا گوشۂ محرابِ امامت؛

ہوں آج ترے بس میں تو کر مجھ پہ ترحّم
کچھ نفع نہیں دینے کے کل اشکِ ندامت

سر آئے گا کیا بحثِ سرِ زلف سے حافظ
یہ سلسلہ سمٹے گا نہ تا صبحِ قیامت!

دردِ ما را نیست درماں الغیاث

دردِ دل کا ہو نہ درماں الغیاث!
کچھ نہ ہو فرقت کا پایاں الغیاث!

دین و دل لے کر بڑھایا جاں پہ ہاتھ
الغیاث از جورِ خوباں الغیاث

ایک بوسے کے عوض یہ دلستاں
کرتے ہیں یارو! طلب جاں الغیاث

خونِ دل کا فردوں نے پی لیا
مومنو! کچھ اس کا درماں؟ الغیاث

رحم مسکینوں پہ کر اے روزِ وصل
اے شبِ تاریکِ ہجراں الغیاث

ہنت نے غم کا ہیں باعث یہ حریف
تنگ ہیں اِن سے دل و جاں الغیاث

بیخودانہ مثلِ حافظ روز و شب ہم بھی ہیں نالاں و گریاں الغیاث

سزد کہ از ہمہ دلبراں ستانی باج

روا ہے مانگے اگر جملہ دلبروں سے خراج
جہاں میں آج حسینوں کا تو ہی ہے سرتاج

ان آنکھوں سے ہوں خطا و ختن میں شور و فتن
تو ہند و چین و ماچین تک دے زلف کو باج

بیاضِ رخ ہے اگر آفتاب سے روشن
جہانِ زلف ایک اندھیر نگری چوپٹ راج

خضر ہیں لب تو دہن چشمہ آبِ حیواں کا
جو سرو قد، تو کمر بال، سطح گردن عاج

دہانِ تنگ پلائے خضر کو آبِ بقا
لبوں کے قند نے مصری کا کھو دیا ہے رواج

رہے مریض ہی، اب ہو چکی شفا ہم کو
کہ دردِ دل کا نہیں آپ کے بھی پاس علاج

ارے یہ سنگدلی دل سے! جان کے دشمن!
ہے دل تو شیشہ فقط ایک ٹھیس کا محتاج

ہوس میں بندگیِ شہ کی کہتا ہے حافظ
کہ کاش میں بھی غلامانِ در میں ہوتا آج!

اگر بمذہبِ تو خونِ عاشق ست مباح

اگر ہو خوں ترے مذہب میں عاشقوں کا مباح
وہی صلاح ہے میری بھی ہو جو تیری صلاح

صلاح و تقویٰ و توبہ کا ذکر کیا ہم سے
نہ رند و عاشق و مجنوں سے کوئی چاہے صلاح

کسی کی یاد میں ایک دو پیالے ہیں کیا چیز؟
"ونحن نشرب شہراً بلذات الاقداح"

ہوئے وہ موجزن آنکھوں سے بحر اور دریا
کہ ناخن اُن میں ڈوبنے سے ڈرتے ہیں ملّاح

ہے قوتِ روح وہ آبِ حیوٰۃ لب جس سے
وجودِ خالیِ عشاق میں ہے قوت و راح

سیاہی زلف کی تفسیرِ "جاعل الظلمات"
بیاضِ رخ ہے اگر شرحِ "فالق الاصباح"

کمندِ زلف کے پھندے سے مخلصی نہ ملی
نہ تیر غمزہ کہ ابرو کماں سے شکلِ نجاح

بصد فریب بھی بوسہ نہ لعلِ لب نے دیا
نہ نکلی آرزوئے دل کئے ہزار الحاح

دعائے خیر تری ورد ٹھیری حافظ کا
دوام دَور میں جب تک رہیں مسا و صباح

ببیں ہلالِ محرّم بخواہ ساغرِ راح

وہ دیکھ! چاند محرم کا مانگ ساغرِ راح
کہ بادہ امن و اماں ہو تو سالِ صلح و صلاح

زمانِ وصل غنیمت ہے قدرداں کے لئے
کہ ہے مثالِ شبِ قدر و روزِ استفتاح

فضول جنگ ہی دنیائے دوں پہ آپس میں
نکالیں صُلح کے رستے سے کوئی شکلِ فلاح

عمل کو دیکھ کے مفقود ہی لڑتا ہے!
کہ قفل کیسے کھلے گا جو گُم ہوئی مفتاح

میں مست اہل ہوں کس بندگی کا کیا جانوں
کہ صبح ہوتی ہے کس طرح فالقُ الاصباح

منگائیں بادہ کہ دن اُن کا خوب گذرے گا
چراغ جام سے روشن ہوئی ہو جن کی صباح

ہے عہدِ شاہِ شجاع اور دَورِ حکمت و شرع
انند کے تار بجیں رات دن مسا و صباح

اُمیدِ صبح میں جاگے جو تا سحر حافظ
گُلِ مراد بنے صبح شعلۂ مصباح

دل من در ہوائے روئے فرّخ!

لگی دل کو ہوائے روئے فرُّخ
کہ ہے آشفتہ مثلِ مُوئے فرَّخ

نسیمِ مشکِ تاتاری خجل ہو
جو سونگھے مُوئے عنبر بوئے فرُّخ

مثالِ بید لرزے سروِ بُستاں
اگر دیکھے قدِ دلجوئے فرُّخ

پلا ساقی شرابِ ارغوانی
بیادِ نرگسِ جادوئے فرّخ

دو تا جھک کر ہُوا ہے قد ہمارا — کماں پیوستہ جوں ابروئے فرخ
ہر ایک دل ہوتا ہے ایک رُخ پہ مایل — ہمارا دل ہے مایل سوئے فرخ
وہی ایک روسیہ ہے نیک طالع — جو ہے ہمراز وہم پہلوئے فرخ
ہے برخوردار اُس صورت سے یاں کون — بجز ایک گیسوئے ہندوئے فرخ
ہُوں تابع اُس کی مرضی کا بھی حافظ — جو ادنےٰ چاکرِ ہندوئے فرخ

آنرا کہ جام بادۂ صہباش میدہند

جس کو وہ جام بادۂ صہبا عطا کریں — اُس کو ہی اندرونِ حرم جا عطا کریں
صوفی نہ ہو تو منکرِ رنداں قضاؤ قدر — قلاش ہی کو قُلّۂ دشتِ جزا عطا کریں
خوش خوش رہو یہاں کہ حریفانِ دُردنوش — ہنس مکھ کو ہی وہ جام طرب اعطا کریں
ساقی اُٹھا لا بادۂ گلرنگ مشکبو — بڑھے پہ درہ عقل کے داتا عطا کریں
عشاق بینوا کو نوائیں ہیں ساز میں — بینوا نہیں ہے اُسے کیا عطا کریں
کیا آج لطف زندگی! ہر عیش نقد پر — وعدہ ہی کر کے ٹالیں کہ فردا عطا کریں
حافظ نہ نکلے جنتِ فردوس سے کبھی — تیرے حریم وصل میں گر جا عطا کریں۔

آنکس کہ بدست جام دارد

نت ہاتھ میں یاں جو جام رکھے — سلطانیِ جسم مدام رکھے
جس گھونٹ سے زندہ حضرتِ خضر — میخانہ پر اس کے جام رکھے
ہے جم کی زمام جام کے ہاتھ — تب ہی یہ خوش انتظام رکھے

تو ہی تجھے بھائے مجھ کو نشہ ٔ | اب دیکھیں وہ کس سے کام رکھے
یادِ رُخ و زلف ایک کسک ہو | بے چین جو صبح و شام رکھے
ساقی ترے لب کا منتظر ہے | جو بزم میں حلق و کام رکھے
زخمِ دل دردمند میں لب | بھر کر نمکِ طعام رکھے
نرگس نے بھی شیوہ ہائے مستی | اُن آنکھوں سے لے کے وام رکھے
اُس چاہِ ذقن میں اپنا یوسف | حافظ سے بہت غلام رکھے

آنکہ از سنبل او غالیہ تابے دارد

جس کے طرے کی مہک غالیئے کو آب رکھے | اس کے تورے کی کوئی دل شدہ کیا تاب رکھے!
قتل کرتے ہی وہ آ جائے نہ کیوں مثلِ ہوا | تیزی اس عمر کو ٹھیری ہی تو کیوں تاب رکھے
ماہِ خورشید تھا زلفوں سے یوں روشن تھا | ابر جس طرح جھلکتا رُخِ مہتاب رکھے
آبِ حیواں ہیں لبِ یار تو روشن ہے سراب | خضر کو جھوٹی نمایش سے بے سیراب رکھے
ہر طرف ہی مری آنکھوں کا رواں جوئے سرشک | تا سہی سروِ قدِ یار کو شاداب رکھے
قتل میں عین صواب اُس کی خطا نامِ خدا | غمزۂ شوخی میں یہ ایک بھول بھی نایاب رکھے!
چشمِ مخمور کا دل لے کے یکھے یہ ہی دانت | ترکِ میخوار ہر ایک شوق ٹن چاب رکھے
ضعف سے دُم نہیں بیمار میں پرسش کا خود ہی | نوشِ لب دے کے جواب اُس کو شفایاب رکھے

دیکھے خستہ دلِ حافظ کو نہ ان چشموں سے
ورنہ عالم کو خراب اور تہِ آب رکھے

آنکہ رخسارِ ترا رنگِ گل و نسریں داد

رنگ رُخ کو تِرے دیدے جو گُل و نسریں کا — صبر و آرام نہ بخشے گا دلِ مسکیں کا؟
لطف گیسو کو سکھاتا ہے تطاول کرنے — عدل بھی چاہیے بدلا نہ لے تمکیں کا
فاتحہ پڑھ لی تھی فرہاد کی ہم نے تو جبھی — نام جیتے اُس سے جس روز سُنا شیریں کا
گنج دولت نہ ہو، ہے گنجِ قناعت اپنا — شاہ کو وہ دیا، حصہ یہ کیا مسکیں کا
دیکھنے میں ہے بہت خوب عروسِ دنیا — سر ہی ہوتا ہے عوض اس کے کمر کابیں کا
اب یہ ہاتھ وہ دامن ترا اے سُر بلند — خاصہ اِن روزوں کہ آغاز ہے فروردیں کا
مارڈالا غمِ دوراں نے، نہ چھوڑوں حافظ — دامن اب خواجۂ دوراں جلال الدیں کا

آنانکہ خاک را بنظر کیمیا کنند

وہ ایک نظر میں خاک کو جو کیمیا کریں — میری طرف بھی کاش وہ ترچھی نگاہ کریں
پہونچے نہ میرے درد کو یہ نام کے طبیب — اب تو دستِ غیب سے میری دوا کریں
چہرے سے اپنے وہ تو اٹھاتے نہیں نقاب — صورت کا ہم بیان تصور سے کیا کریں
پردے میں بیٹھ کر تو بپا ہیں یہ کچھ ستم — پردہ اٹھا کے کیوں نہ قیامت بپا کریں
بے معرفتہ نہ جائیو بازارِ عشق میں — ساکھ آدمی کو دیکھ کے پہچان کا کریں
حاسد نہ دیکھ پائیں بلائے چھپا کے پاس — چھپ کر سلوک جیسے محبّ خدا کریں
آجائے خانقہ میں تو اہلِ حضور سب — اوقات جملہ تجھ پہ ہی صرف دعا کریں
چھپ کر ہی پی۔ گنہ نظرِ خلق سے نہاں — بہتر نماز سے جو دکھا کر ادا کریں

کچھ نیک و بد پہ جب نہیں موقوف مغفرت — پھر کیوں نہ بیٹھے اُس کے کرم پر رہا کریں
پتھر کے دل سے چیخ نکل جائے کیا عجب — گر اہلِ درد حرفِ محبّت ادا کریں
یوسف کی بُو سے ہائے جو ہو پیرہن بسا — وہ پیرہن برادرِ یوسف قبا کریں؟
حافظ کسی کو وصل میسّر نہیں مدام — کم ہی نظر فقیر پہ سب بادشاہ کریں

آں یار کزو خانۂ ما رشکِ پری بود

وہ یار مکاں جس سے مرا رشکِ پری تھا — سر تا بقدم ایک پری عیبوں سے بری تھا
اِس شہر میں آ اُس کی ہی خوشبو پہ بسے تھے — کیا جانتے تھے یار مسافر سفری تھا
تارا تھا وہ مہ چشمِ خرد کا اُسے حاصل — حُسن و ادب و دیدۂ صاحب نظری تھا
دریا و گُل و سبزہ تھے دلچسپ اُسی سے — افسوس! کہ وہ گنجِ گہر رہگذری تھا
شرمندہ ہو اے دل! کہ تُو درویش تھا اور وہ — ایک حُسن کی پہنے کُلہِ تاجوری تھا
ہاتھ آ کے نکل جائے وہ اے اخترِ بدمہر! — آفت کا تِرا دَور بھی دَورِ قمری تھا
ایک میرے ہی یہاں راز کا پردہ نہ ہوا فاش — جب سے ہی فلک کارِ فلک پردہ دری تھا
دن تھے وہی اُس یار کی صحبت میں جو گزرے — وقت اور تو بے حاصلی و بے ثمری تھا
ہر گنجِ سعادت جو ملا غیب سے حافظ — تاثیرِ نمازِ شب و وردِ سحری تھا

آں کیست کز روئے کرم با من وفاداری کُند

ہے کوئی از راہِ کرم مجھ سے جو کچھ یاری کرے؟ — مجھ جیسے ایک بدکا سے قدرے نکوکاری کرے؟
گائے بجائے چنگ و نے پیغامِ جاناں دل کو دے — پھر پَے بہ پَے پیمانے دے کر ہوا داری کرے

جانسوز ہے، بے سُود ہے، اتبدرہ مقصود ہے
اُمید پر موجود ہے دلبر ہے، دلداری کرے

میں نے کہا اُس طرّہ نے کھولی نہ گرہ دل کی گرہ؟
بولا ہمارا حکم ہے۔ تجھ سے یہ طرّاری کرے

وہ طرّۂ پُرپیچ وخم کم ہے جو کچھ توڑے ستم
کیا ہتھکڑی بیڑی کا غم جب پیشہ عیاری کرے

مجھ سا گدائے بےنشاں ہو اُس کا ہم عیش نہاں؟
سلطاں سے کیونکر دوستی اک رندِ بازاری کرے

پشمینہ پوش ایک تندخو ابجائے گا کیا وہ عشق کو؟
ایک رمزِ مستی کہہ تو دو تا ترکِ ہُشیاری کرے

ہے لشکرِ غم بے عدد اے بختِ طالع کچھ مدد
یا فخرِ دیں عبدالصمد کچھ میری غمخواری کرے

جب آنکھ پُرنیرنگ ہو حافظ نہ دیکھ اور دنگ ہو
وہ طرّۂ شبرنگ بھی ہر چند مکّاری کرے

ابرِ آذاری برآمد بادِ نوروزی وزید

چھائی ساون کی گھٹا، ٹھنڈی ہوا دل کی کلید
بادہ و مطرب بھی آ پہونچیں تو آج ہو جائے عید!

شاہدوں کی گرم بازاری یہ، اور خالی ہو جیب
کب تلک اے چرخ یہ شرمندگی؟ زر نا پدید؟

سخت یہاں قحطِ سخاوت ہے بچائے آبرو
بادہ و گل چاہیئے تو رکھ کے خرقہ لے خرید

عالمِ رندی میں ہو دامن پھٹا تو عیب کیا
نیک نامی کے نہیں جامے کو کیا قطع و برید؟

عدلِ سلطاں ہو نہ گر پُرسانِ مظلومانِ عشق
گوشہ گیروں سے کہو ہوں عافیت سے نا اُمید

لطفِ لعلِ لب کہے میں نے جو وہ کس نے کہے؟
زلف کے بھی یہ تطاول کس سے تھے دید و شنید

کام بننے کو ہے شاید، صبح انفاسِ نسیم
ہر دُعا کی میرے آمیں وار دیتے تھے رسید

تیرِ عاشق کُش دلِ حافظ پہ بس کا جا لگا
شعر سے اُس کے تراوش ہو لہو کی چشم دید!

اگر آں طایر قدسی ز درم باز آید

ابھی ایک دم پری پیکر وہ اگر آجائے
اُلٹے قدموں جو گئی عمر گزر آجائے

اشکباراں سے مجھے اپنے ایک اُمیدسی ہے
کہ یکایک وہ کہیں برق نظر آجائے

خاکِ پا جس کی مرا تاج تفاخر ہے خدا
کاش واپس وہ مرا طرّہ سر آجائے

دوستو اُس کے تعاقب میں نکل جاؤں گا
اُس کو لے کر پھروں یا میری خبر آجائے

غل غلِ چنگ و شکر خوابِ سحر میں حایل
ورنہ سُنتے ہی مری آہ سحر آجائے

تازہ نواب ہوں، در پہ کھاؤں نوبت
تُرک میرا جو کرے ترکِ سفر آجائے

ہو نثارِ قدمِ یارِ گرامی بہتر
خوب ہے گوہرِ جاں کام اگر آجائے

ماہوش، رویتِ شہ کی ہے تمنا حافظؔ
کر کشش تاکہ مع الخیر وہ گھر آجائے

از دیدہ خونِ دل ہمہ بر روئے ما رود

آنکھوں سے خونِ دل کا بہا رُخ تک آ گیا
اور آگے دیکھنا ہے ابھی تک تو کیا گیا

پوشیدہ ہم جو رکھتے ہیں سینے میں ایک ہوس
برباد اس ہوا میں یہ دم دیکھنا گیا

پتھر سہی دل اُس کا یہی سیل آبِ دیدہ بھی
بہہ ہی گیا جو سامنے پتھر بھی آگیا

یہاں اشک سے بھی اپنے لڑائی ہے رات دن
اِس رشک سے کہ بہہ کے وہاں کیوں چلا گیا

ہر صبح جامہ چاک رہا مہرِ خاوری
وہ ماہِ مہربان جو پہنے قبا گیا

آنکھیں بچھائے خود ہی تھے ہم خوب تو ہوا
آنکھوں میں کوندتا ہوا برق آشنا گیا

حافظؔ نے کیا رکھا درِ میخانہ پر قدم
سُننے پہ گویا صوفیِ دار الصفا گیا

از سرِ کوئے تو ہر کو بملالت برود

روٹھ کر جو ترے در سے بملالت جائے
ہو کے ناکام جہاں سے بہ خجالت جائے

راہ پائے جو چلے روشنیِ مشعل میں
وہ پڑا بھٹکے جو از راہِ ضلالت جائے

رہنمائے دلِ گم گشتہ خدارا امداد
بھولے بھٹکے کو بھی کچھ کر دے دلالت جائے

کارواں جس کا سپردار ہو خود لطفِ خدا
با تجمل تھمے۔ بارعب و جلالت جائے

فیصلہ زاہد و میخوار کا اس پہ ٹھیرا
کس طرح گزرے یہ، وہ کونسی حالت جائے

آخرِ عمر تو واقف مے و معشوق سے ہو!
مرتے مرجائے نہ پر تیری بطالت جائے

حافظ ایک چشمۂ حکمت ہے ہی بھر لے ساغر
شاید اس سے ہی ترا نقشِ جہالت جائے

اگر نہ بادہ غمِ دل ز یاد ما ببرد

گھٹا میں غم کی نہ گر رنگ مے اڑا لے جائے
تو سیلِ حادثہ بنیاد تک بہا لے جائے

نہ ہو جو عقل کی کشتی میں لنگرِ مستی
تو کیسے موج سے بیڑے کو ناخدا لے جائے

طبیب عشق بنوں بادہ نسخوں میں لکھوں
جو ہر مریض کو شفا دے جو ہر بلا لے جائے

بہت ہی راہ دھواں دھار جائیے لے خضر
نہ آگ میں کہیں یہ شوق آب کا لے جائے

شفا کا نسخہ ہے تازہ ہوا مریضوں کو
نہ دل کو کھینچ کے کیوں باغ کی ہوا لے جائے

دغا ہی کی فلک کینہ باز نے سب سے
ہر ایک کو دھوکے سے کمبخت دغا دے جائے

خبر نہ کی اُسے یاں تک کہ جل گیا حافظ
ثواب پائے جو واں یہ خبر صبا لے جائے

اگر رَوَم بہ پیش فتنہ ہا برانگیزد

رہوں جو ساتھ تو فتنے اُٹھائے جاتے ہیں
نہ دوں جو ساتھ تو طعنوں سے کھائے جاتے ہیں

جو بن کے خاکِ قدم رہگزر میں پڑتا ہوں
ہوا کی طرح وہ دامن بچائے جاتے ہیں

جو منع کرتا ہوں ہم رنگِ غیر ہونے کو
رُلا کے خون کے آنسو بتائے جاتے ہیں

ہے ایک نظر تری نرگس کو دیکھنے کا جنوں
کہ ہر گلی میں یہ دریا بہائے جاتے ہیں

بلا ہیں دشتِ محبت کے غار اور کہسار
یہاں سے شیر بھی کنّی دبائے جاتے ہیں

جو زندگی ہے تو رکھ صبر، کیا نہ دیکھیں گے
فلک سے روز عجائب دکھائے جاتے ہیں

سرِ آستانہ تسلیم پر جھکا حافظ
اکڑتے ہیں جو، زیادہ جھکائے جاتے ہیں

اگر ز کوئے تو بوئے بمن رساند باد

جو کوئے یار سے خوشبوئے زلف لائے باد
نثار جان و جہاں کرکے دوں میں اُس کی داد

اگرچہ پس کے ہوا ہے غبارِ تن، لیکن ـ
پڑے یہ دامنِ جاناں پہ گرد حیف! امباد!

ہوا ہے جب سے وہ دروازہ میرے واسطے بند
کشادہ ہی نہ ہوا پھر کبھی دلِ ناشاد

نظر نہ آئے وہ، آنکھوں سے پر نہیں اوجھل
کرے نہ یاد، مگر دل کو اُس کی ہر دم یاد

خیالِ رُخ اِدھر آنکھوں کو خوں رُلاتا ہی
ہوائے زلف اُدھر عمر کرتی ہے برباد

بلا سے کھینچے ہے سر پر مرے عدو شمشیر
نہ ہاتھ تجھ سے اُٹھاؤں گا ہر چہ باد اباد

چُرائے جی غمِ اُلفت سے تیرے حافظ بھی
عزیز تر رکھے شیریں سے جانِ گر فرہاد!

اے پستۂ تو خندہ زدہ بر دہانِ قند

ہنستے ہیں تجھ پہ پستہ لب اے دہانِ قند — ننھا ایک خندۂ شیریں! کہ لب ہوں بند
سرگرمِ خندہ ہوں لبِ جاناں نہ جس گھڑی — تو پستہ گون ؟ روک ہنسی! ہونٹ دونوں بند!
چاہے جو نورِ چشم نہ چشمہ لہو کا ہو — نورِ نظر سے غیر کے رکھ اپنی آنکھ بند
آگاہ اپنے حالِ پریشاں سے کیا جسے — پھندے میں اپنے پھانس چکی ہو نہ وہ کمند
طوبے کی بات کیا ہے ترے قد کے سامنے — اس بحثِ مختصر میں نہ آواز ہو بلند
طرّہ نچاتا ہے کبھی تانیں اڑاتا ہے، — بھاتا نہیں ایک آنکھ ہمیں ایسا خود پسند
حافظ نہ ترکِ غمزۂ خوباں کیا تو بس — تو جان بھیجا جائے گا خوارزم یا خجند!

اگر ترا اگرہ رسے بر مقام ما افتد!

نکل اِدھر جو کبھی تو خرام میں آئے — ہمائے اوجِ سعادت ہی دام میں آئے
حباب کی طرح اچھلے کلاہِ عیش و نشاط — جھلک بھی تیری اگر میرے جام میں آئے
طلوعِ ماہِ مرادِ زمانہ ہو جس شب — ضیا غریب کے بھی صحن و بام میں آئے
گزر حضور میں اُس کی صبا تلک کو نہیں — مجالِ بندہ کہ جائے سلام میں آئے
جہاں محال جبیں سائی بادشاہوں کو — گدا اُمیدِ جوابِ سلام میں آئے
شہیدِ لب ہوا آخر اسی تمنا میں — ٹپک کے شہدِ لبِ لعل کام میں آئے
ہے زلفِ یار کو تکرار جان چیز ہے کیا — یہ وہ شکار ہے اکثر جو دام میں آئے
نہ بیٹھ توڑ کے امید اُٹھ کے فال ہی دیکھ — نکل کہیں گڑی دولت ہی نام میں آئے

صفاتِ خاکِ درِ یار ہوں بیاں حافظؔ — مہک کے پھر وہی خوشبو مشام میں آئے!

اگر بباده مشکیں دلم کشد شاید

نہ بوئے خیر جو زہرِ ریا میں کچھ پائے — ضرور بادۂ مشکیں سے دل کھچا چاہے
جہان منع کرے عشق سے مجھے کیا کام — کروں میں وہی جو معشوق میرا فرمائے
اُمید عفو و کرم سے ہے بخش دے گا گنہ — اور عاشقوں نے تو گویا گناہ بخشائے
مقیمِ حلقۂ ذکر اس لئے ہے دل کو — کہ ایک حلقۂ زلف اُس کے ہاتھ بھی آئے
چمن بہشت، ہوا دلکش اور مے بیغش — سوائے طبعِ خوشِ انسان اور کیا چاہے؟
جمیلہ ہے یہ عروسِ جہاں مگر بیکار — نکاح میں ہی کسی شخص کے نہیں آئے
جہاں ہو حسنِ خداداد اور حجلہ بخت — نہیں ہے حاجتِ مشاطہ بولد و جائے
خوشامدیں کیں کہ اے ماہوش ترا کیا ہرج؟ — جو ایک بوسے سے اس دل کو چین آجائے؟
ہنسا کہ واسطے اللہ کے یہ نہ چاہ حافظؔ — کہ داغ بوسوں سے تیرے یہ چاند بھی پائے!

اے پسر دولتِ باقی بہ ادب یافتہ اند

اے پسر! دولتِ باقی ہیں ادب سے پاتے — نہ طلب چھوڑ یہ نعمت ہیں طلب سے پاتے
ابجدِ عشق کو پڑھ! چھوڑ دے مشق اب و جد — مرتبے لوگ جہاں میں ہیں حسب سے پاتے
سالکِ راہِ طلب ہو کے مٹا دے خود کو — یہ مدارج نہیں خویشی و نسب سے پاتے
مستِ غفلت نہ رہ اے دوست کہ اربابِ حضور — نور راتوں کو ہیں تاریکیِ شب سے پاتے
منزلت چاہے گر اس راہ میں تو بھی حافظؔ — تو ادب سیکھ، مدارج ہیں ادب سے پاتے

بہ آبِ روشنِ مے عارفے طہارت کرد

جھلکتے پانی سے عارف نے اُٹھ طہارت کی
علی الصّباح جو میخانے کی زیارت کی

جونہی کہ ساغرِ سیمیں میں آفتاب چھپا
ہلال ابروئے ساقی نے جھٹ اشارت کی

شراب خانے میں تم دیکھو مرتبہ میرا
نہ دیکھو شیخ کی مجھ پر نظر حقارت کی

خوشا نماز و نیاز اُس کے جس نے سوز کے ساتھ
جگر کے خوں سے وضو اشک سے طہارت کی

شرابِ لعل کی قیمت ہے کیا کہ جوہرِ عقل !
بہت ہی نفع ہوا جس نے یہ تجارت کی

ٹھکانا مہر و محبّت کا جانِ عاشق ہے
جگہ تھی قلب بھی پر تیرے غم نے غارت کی

کریں امامِ جماعت جو لوگ حافظ کو
خبر نہیں اُنھیں مے سے مری طہارت کی

بسرِ جامِ جم آنگہہ نظر توانی کرد

طلسمِ جام میں جم کے نظر تو کر لیجے
پہ کحلِ بادہ سے روشن بصر تو کر لیجے

گدائیِ درِ میخانہ طرفہ ہے اکسیر
کہ خاک چاہو کہ ہو جائے زر تو کر لیجے

جما کے مرحلۂ عشق میں قدم رکھیے
ظفر بھی آگے ہے پہلے سفر تو کر لیجے

وصالِ یار بھی ہے فتح روزگار بھی ہو
ذرا سی خدمتِ اہلِ نظر تو کر لیجے

گُلِ مُراد کے رُخ سے کھلے گی کیوں نہ نقاب
خوش اُس کو مثلِ نسیمِ سحر تو کر لیجے

ہمیشہ کنجِ طبیعت میں رہ کے بندِ قفس
محال! تا بہ حقیقت گزر تو کر لیجے

نقاب و پردہ نہیں کچھ نظارے میں حائل
نہ ہو جو دل کی مکدر نظر تو کر لیجے

دل اُس کی لو سے ہو روشن تو شمع سا ہنس کر
کہے، "ضرور ہو گر قطعِ سر تو کر لیجے"

مگر تجھے تو لبِ یار چاہیئے اور مے ! یہ مشغلے ہوں تو شغلِ دگر تو کر لیجے
کٹے نہ بے مے و مطرب جہاں میں اس کے سوا کسی طرح سے غمِ دل بَدَر تو کر لیجے
ہو شاہراہِ حقیقت بھی سَر، عمل حافظؔ مری نصیحتِ شاہانہ پر تو کر لیجے

بیا کہ تُرکِ فلک خوانِ روزہ غارت کرد

فلک نے کشتیِ افطارِ روزہ غارت کی ہلالِ عید نے سوئے قدح اشارت کی
نمازِ روزہ و حج اُس کا جانیئے جس نے حریم میکدۂ عشق کی زیارت کی
مقامِ اصل خرابات ہی ہے فی الواقع جزائے خیر! بِنا جس نے یہ عمارت کی
کمانِ ابرو کی محراب میں نماز پڑھیں جگر کے خون سے حاصل اگر طہارت کی
امامِ شہر مصلّے بدوش نے رنگ کر لہو میں دخترِ رز کے عبا، جسارت کی!
یہ شیخِ شہر کی دیکھو تو طوطا چشمی آج نظر کی دُرد کشوں پر تو کِس حقارت کی
نگاہِ عشق کو حافظؔ کہے گا واعظ کیا قسم اُسی کی تصنّع بھری عبارت کی

بخت از دہانِ یار نشانم نمی دہد

کھوج اُس دہن کا وائے ہی قسمت! نہ پائیں ہم پائیں نشانِ گنج تو دولت نہ پائیں ہم
پایا نہ لب کا بوسہ بہت جان پیش کی دے لے نہ خس پہ، اور وہ نعمت نہ پائیں ہم
مارا اس انتظار نے! کیا پردہ میں نہیں؟ یا ہی؟ یہ پردہ دار سے خصت نہ پائیں ہم؛
مانا کہ صبر سے ملے آخر شکر، دلے بد عہدیِ زمانہ سے مہلت نہ پائیں ہم
پرکار وار پھرتے رہیں گردِ دائرہ اندر قدم نہ رکھیں، یہ اجازت نہ پائیں ہم

شوخی صبا کی زلف سے اے چرخِ سفلہ دیکھ! — پنکھا بھی وا اپنہ جھلنے کی خدمت نہ پائیں ہم؟
چاہیں جو سو کے خواب میں ہی اُسکو دیکھ لیں — حافظ کے آہ و نالہ سے راحت نہ پائیں ہم

بود آیا کہ در میکدہ ہا بکشایند!

قفل میخانوں کے مانگو یہ دُعا کھُل جائیں — ہوں یہ سب عقدۂ دل اپنے بھی وا کھُل جائیں
بند گر بہرِ دلِ زاہدِ خود بین ہوئے — تب تو اُمید ہے از بہرِ خدا کھُل جائیں
بند ہو جائیں درِ میکدہ یا رب، یہ نہ ہو — کہ درِ خانۂ تزویر و ریا کھُل جائیں
مرثیہ نظم کریں دخترِ رز کا احباب — خونِ دل روئیں کہ دیدے بھی ذرا کھُل جائیں
گیسوئے چنگ بھی اس سوگ میں مقراض کریں — مغبچوں کے بھی ہوئے زلفِ دوتا کھُل جائیں
صدقِ رندانِ صبوحی کشِ صادق کی قسم — سینکڑوں عقدوں کی کُنجی ہے دُعا کھُل جائیں
حافظ اس خرقۂ پشمینہ کو گل دیکھے گا — کتنے زنّار جو شانوں سے کھنچا کھُل جائیں

بعد ازیں دستِ من و دامنِ آں سرِ بلند

اب یہ ہاتھ اور وہ دامن ترا اے سرو بلند — کھینچ لے جائے گو جڑ پیڑ سے تو شلِ کمند
پردہ رُخ سے جو اُٹھے، چھوڑ کے سب عطر بہ مے — آتشِ حُسن پہ بیتاب کروں رقصِ سپند
کس کا منہ ہے جو بنے آئینہ چہرۂ بخت — تا نہ پیشانی سے ٹل جائے ترا اُسپِ سمند
غم چھپانے کی ترے، کچھ ہی ہو، اب تاب نہیں — کیا کروں؟ صبر کہاں تک کروں؟ تا کے تا چند؟
اِس قدر زور سے مت آہوئے مشکیں کو جکڑ — دیکھ چشمِ سیہ صیاد نہ کس آتی کمند
ذرۂ خاک نشیں در سے تو اُٹھ سکتا نہیں — کس طرح چھو سکے ہیہات ترا قصرِ بلند

دلِ وارفتہ ہے مائل وہی زلفوں پہ ہنوز
سینکڑوں پھندوں میں پھنس کر بھی ہوئی اسکو پسند

رات دن عاشقِ بیدل کی دُعا ہے یارب
اُس سہی قد کو کچھ اس باغ میں پہونچے نہ گزند

دل نہ اُن گیسوئے مشکیں سے چھٹانا حافظ
پائے دیوانہ رہے حلقۂ زنجیر میں بند

بتے دارم کہ گردِ گُل ز سُنبل سائبان دارد

مرے بُت کے تو گردِ گُل ہے سُنبل سائباں رکھے
بہارِ تازہ رخساروں پہ رنگ ارغواں رکھے

غبارِ خط نہ دیکھے ہر رُخ اُس کا کبھی یارب
بہارِ جاوداں دکھلائے حُسنِ جاوداں رکھے

نگہ سے اُس کی جاں بچنی ہی مشکل جدھر دیکھو
ادُھر ہی گھات میں بیٹھی ہی تیر اندر کماں رکھے

خدارا داد کچھ میری بھی دے اے شحنۂ مجلس؟
پئے مے ساتھ اوروں کے وہ مجھ سے سرگراں رکھے

نہ رکھیو دُور چشمِ زار سے اس قدِ دلجو کو
کہ نزدیک اپنے تازہ سرو کو آبِ رواں رکھے

غبارِ خاطرِ عُشاق کیا! دامن جھٹک دیجے
صبا غمّاز سے کہہ کر کہ بند اپنی زباں رکھے

مجھے بھی روزِ ہجراں سے اماں دے تو بھی گر چاہے
کہ خالق تجھ کو روزِ بد سے دائم در اماں رکھے

اگر فتراک سے باندھے تو پہلے ذبح کر لیجو
فراموشی میں اندیشے ہیں غفلت صد زیاں رکھے

دیا تھا دل تو سمجھا تھا کہ پایا گوہرِ مقصد
خبر کیا تھی کہ کیا طوفاں یہ بحرِ بیکراں رکھے

ہنسے گر تیرے منہ پر گُل تو پھول اس پر نہ لے بُلبُل
کہ گُل کا کیا بھروسہ لاکھ حُسنِ نوجواں رکھے

الٰہی کیا بنی آ کر کہ جس سلطانِ معنی پر
نظر کیجے وہ اُس چوکھٹ پہ سر بر آستاں رکھے

شکایت کیا، یونہی لکھی تھی حافظ کی بصد تلخی
اور اُس عیار کے ہاتھوں جو وہ شیریں دہاں رکھے!

بحسن و خلق و وفا کس بہ یار ما نرسد

نہ کوئی صورت و سیرت میں یار کو پہونچا
نہ حق تمھیں مرے انکارِ کار کو پہونچا

دُکانیں حسن فروشوں نے بھی سجائیں تھیں
پہ کوئی حسن و صفت میں نہ یار کو پہونچا

کسی کے نقد کا بازارِ کائنات میں مول
نہ اپنے سکۂ صاحب عیار کو پہونچا

قسم ہے مدتِ صحبت میں ایک بھی ہمدم
نہ یارِ یک جہت حق شعار کو پہونچا

بنائے نقش تو کیا کیا قلم نے صانع کے
مگر نہ نقش کوئی اُس نگار کو پہونچا

دریغ قافلۂ عمر بالا بالا گیا
غبار بھی نہ ہمارے دیار کو پہونچا

خیال دل میں نہ لا حاسدوں کے طعنہ کا
نہ رنج خاطرِ امیدوار کو پہونچا

غبارِ راہ گزر بن مگر نہ اٹھ کے ملال
کسی پیادہ و اسپ سوار کو پہونچا

ہُوا ہے سوختہ حافظ مگر نہ حال اُس کا
کسی طرح سے شہ کامگار کو پہونچا

بیا کہ رایتِ منصور پادشاہ رسید

وہ آن لشکرِ منصور پادشاہ پہونچا
وہ شورِ فتح و ظفر تا بہ مہر و ماہ پہونچا

نقاب روئے ظفر سے اٹھا دی طالع نے
کمالِ عدل کو ہر ایک داد خواہ پہونچا

طرب میں نُہ طبق آسماں کہ پایا چاند
زمیں بھی رقص میں ہے شاداں کہ بادشاہ پہونچا

رواں ہوں قافلے بےخوف دین و دانش کے
کہ خوف راہ گیا اور نہ خضرِ راہ پہونچا

عزیزِ مصر کے بھائی حسد سے سوختہ ہوں
کہ قعرِ چاہ سے نکلا بہ اوجِ ماہ پہونچا

صبا سے پوچھ غمِ عشق میں جو رنج و ملال
طفیلِ آتشِ ہجراں و برقِ آہ پہونچا

اسیرِ ہجر نے پایا جو تیرے شوق میں سوز | بھڑکتے شعلوں میں اُس کو نہ پر کاہ پہونچا
کہاں ہے صوفیِ دجال کا نا محمد رُو | جلے یہ دیکھ کے مُلحدِ دِین پناہ پہونچا
نہ سو کہ وِردِ شب اور صبحدم تلاوت سے | کہاں یہ حافظِ مقبولِ بارگاہ پہونچا!

بنفشہ دوش بہ گُل گفت و خوش نشانے داد

دیا بنفشہ نے کل گل کو یہ نشان اچھا | مروڑ مُڑے کی دیتا ہے ایک جواں اچھا
دلِ خزینۂ اسرار کی کلید عجب ! | خدا بھی سونپے اُسی کو جو دلستاں اچھا
شکستہ دار ہوں حاضر کہ مومیائے کرم | طبیب سب میں بتاتا ہی تیرے ہاں اچھا
شرک با معالجہ کر! اپنا اے نصیحت گو | شرابِ شاہد و ساقی سے کیا زیاں اچھا!
کہا رقیب سے مجھ جاں بلب کے آکے قریب | لو دم ہی دیتا ہے عاشق تباہی یہ جواں اچھا
الٰہی وہ بھی یہاں تندرست و خوش جس کی | دوا دوش سے کوئی زار و ناتواں اچھا!
خزینۂ دلِ حافظ کا گوہرِ اسرار | دکھائے اس سے کوئی نقد بحر دکاں اچھا؟

برید بادِ صبا دوشم آگہی آورد

برید بادِ صبا شب یہ آگہی لایا | کہ دورِ محنت و غم رُو بہ کوتہی لایا
اُٹھا مصلےٰ دیا مطربِ صبوحی کو | کہ خوش خبر دمِ بادِ سحرگہی لایا
نسیمِ زلف مری خضرِ راہِ عشق رہی | رفیقِ بخت بھی کیا بسرِ ہمرہی لایا!
دل آپ ہی ہے بہشت، اب جائیں رضواں | تری تسلی کو جو حور تھی رہی، لایا
دعائے دل کی، اُڑا تا جب کُلَہِ سرپوش | شکست اِس سے ہمیش افسرِ شہی لایا

گرا ہیں بجلیاں ناگاہ خرگہِ مہ پر — میں دل میں جب وہ رخِ ماہ خرگہی لایا
فلک پہ گاڑ دیا جھنڈا فتح کا حافظ — جب التجا بہ جنابِ شہنشہی لایا

بہ کوئے میکدہ یارب سحر چہ مشغلہ بود

الٰہی میکدے میں رات کون شغلہ تھا — کہ شورِ شاہد و ساقی و شمع و مشعلہ تھا
زبانِ عشق میں بے لفظ حرف بھی فریاد — فغانِ چنگ و دف و نے سے ایک غلغلہ تھا
وہ بحثیں منطقی بزمِ جنوں میں تھیں برپا — نہ مدرسہ میں بھی وہ قیل و قال و مسئلہ تھا
چڑھائی پر تھا ہمارا بھی اخترِ طالع — کہ اُس کے ماہِ رخ و مہ میں شب مقابلہ تھا
خیانتوں سے تھا ساقی کی چُور چُور دلِ کُل — گلہ تھا بخت سے کوئی تو بس یہ ایک گلہ تھا
کہ بوسہ مانگا لبِ یار کا تو ہنس کے کہا — ہمارے آپ کے باہم یہ کب معاملہ تھا؟
دیے ہوئے نہ تھی دنبالہ چشمِ جادو مست — ہزار سامریِ فن ساحروں کا قافلہ تھا
دہانِ یار کہ درمانِ درد حافظ ہے — غضب کا وقتِ مروت پہ تنگ حوصلہ تھا!

بوئے خوشِ تو ہر کہ ز بادِ صبا شنید

پیکِ صبا سے جب کوئی خوش کن ہوا سنی — یارِ آشنا سے خوش خبرِ آشنا سنی
اے شاہِ حسن آنکھ سے دکھلا فقیر کو — سننے کو تو حکایتِ شاہ و گدا سنی
مرہونِ میکدہ ہوں ایک دلق پوش سے — بوئے ریا وہ سونگھی تھی کمبخت نا سنی
جو بات جی میں عارفِ کامل چھپائے تھا — حیرت ہے میفروش کہاں تو نے جا سنی!
یارب عطا ہو محرمِ راز ایک جس سے دل — کھل کر بیان کر سکے کیا دیکھی کیا سنی

ہرگز نہ تھی سزا وہ دلِ حق گزار کے
اپنے ہی غمگسار سے جو نا سزا سنی

لا سا تیا کہ گنبدِ گردوں میں گونج ہے
جس نے یہاں سنائی وہی برملا سنی

پتیا نہیں ہوں آج سے خرقہ کی آڑ میں
پیرِ مغاں نے تو یہ بہت بارہا سنی

کچھ آج سے نہیں ہوں میں نوشانِ بانگ چنگ
کب دورِ چرخ میں نہ یہ شور و صدا سنی

دانا کی بات نیں ہے صواب اور محضِ خیر
وہ خوش نصیب جس نے بسمعِ رضا سنی

حافظ دعا ہے کام ترا اور کچھ نہیں
اس سے غرض نہیں کہ سنی اس نے یا سنی

بوئے مشک ختن از بادِ صبا می آید

بانٹتی مشکِ ختن سے جو صبا آتی ہے
بو تری اس میں الگ سب سے جدا آتی ہے

نہیں خوشبوئیں، بھرے قافلہ مشکِ ختن
خود نسیمِ سحر از ملکِ خطا آتی ہے

بکچو پھر سینہ سپر، پہلے الٹ آنکھ تو دیکھ
تیر تو سے ہوئے سر پر سے قضا آتی ہے

سہم ابرو سے بھی پیوستہ مرا جاتا ہوں
شاد بانو ہے کہ بر تختِ سبا آتی ہے

کیونکہ یہ اشک کی دلدل میں پھسلنا میرا
مردمِ چشم نہ دیکھیں کہ حیا آتی ہے

مے سے پرہیز کی اب ٹھیرے نہ حافظ کہ بہار
پھر وہی عیش کے سامان سجا آتی ہے

برسرِ بازارِ جاں بازاں منادی می شنوید

یہ سرِ بازارِ جاں بازاں منادی تو سنو
سنو اے ساکنانِ کوئی شادی تو سنو

چند دن سے ہو گئی ہے دخترِ رز یاروں سے گم
بہہ گئی رستے سے، آ کر جلد حاضر ہو سنو

لال جوڑا بر میں، سر پر بلبلوں کا نیم تاج
عقل و دانش کی ہے چور، امین اس سے بچو سنو

کھائے حلوا وہ جسے پائے وہ کڑوی ایلوا　　منہ لگا یا جس نے وہ جائے جہنم کو سنو!
دخترِ شب گرد تیز و تلخ انگارہ سی ہے　　ہاتھ آجائے تو حافظ کے حوالے دو سنو

بازم مہ رخسار کسے در نظر آمد

پھر آج وہی چاند سا مکھڑا نظر آیا　　پھر چشمہ مرا اپنا وہی جوش کر آیا
پھر ہو گیا سودا زدہ دل اپنا ہوا کی　　ہر کارے ہر بار سے پر جھاڑ کر آیا
یہ طرفہ کہ آج اس کا جو دیکھا مہ رخسار　　کل سے بھی نگاہوں میں بسا خوب تر آیا
ایک بار ہی دیکھا تھا خمِ ابروے دلکش　　صد تیرِ بلا کرتے ہی بس ایک نظر آیا
حافظ طلبِ وصل میں جیتا رہا مدت　　بیچارہ غمِ ہجر سے آخر نہ سر آیا

بلبلے خونِ جگر کرد و گلے حاصل کرد

خونِ دل کر کے جو بلبل کو گل ایک حاصل تھا　　کیا ہی آلام کی یورش سے پریشاں دل تھا
چہچہا کرتا تھا کیا ذوقِ شکر میں طوطی　　لطمہ ایک آکے لگا۔ چہچہا سب باطل تھا
قرۃ العین مرے میوۂ دل، یاد رہے　　تم چھٹے مجھ پہ پڑا بار جو صد مشکل تھا
سارباں دُرجِ گراں گر پڑا ناقے کو تھما　　تیری خوش خوئی پہ ہم نے یہ کیا محمل تھا
حیف اے مہرِ ومہ تم دونوں کی چشمک کے سبب　　چاند کی آج مرے کنجِ لحد منزل تھا!
منہ پہ خاک اور مژہ پُر نم نہ ہوں کیوں مدت سے　　قصرِ فیروزۂ افلاک بلا گہگل تھا

شاہ رخ چل کے نہ دی مات کیا کیا حافظ؟
کس قدر بازیِ ایام سے تو غافل تھا!

پیرانہ سرم عشق جوانے بسر افتاد

پیری میں دل ایک تازہ جواں یار پر آیا / پھر دل کا وُہی داغ پُرانا اُبھر آیا
دل دیکھتے ہی دیکھتے آنکھوں کے ہوا تھا / بتلائیں وہ کس دام میں؟ کس نام پر آیا؟
اُس آہوئے مسکینِ سیہ چشم کے ہاتھوں / بہہ بہہ کے بہت دل کا لہو تا جگر آیا
بار اُس کے غمِ عشق کا جب دل پہ کیا پیش / کانوں پہ رکھے ہاتھ۔ وہ بوجھ اپنے سر آیا!
ایک مشتِ غبارِ کوئے جاناں سے کہیے / جو نافہ ترے ہاتھ نسیمِ سحر آیا
کس گھر تجھی پلی دخترِ رز؟ پیرِ مغاں خود / بُو پا کے بہشتی جو لُڑھا غش ہی کر آیا
مژگاں نے جہاں تیغ جہانگیر سنبھالی / پشتے ہی لگے کشتوں کے ایک ایک پر آیا
خوں اپنا کرے سنگ یہ یعل نہ ہوگا / بدلا نہ کبھی اصل سے جو بدگہر آیا
اس دارِ مکافات میں اکثر یہی دیکھا / اُلجھا جو بلا نوش سے مانگوں میں سر آیا
ڈنڑ پر رہے حافظ کے پریزاد ہی لیکن / ہاتھ اب کے جو آیا تو غضب طرفہ تر آیا

پیش ازینت بیش ازیں غمخواریِ عشاق بود

پیش ازیں کچھ بیش ازیں غمخواریِ عشاق تھی / دوستی ہم سے تمہاری شہرۂ آفاق تھی
یاد ہیں وہ صحبتیں راتوں کی۔ اُن دنوں سے جب / چھیڑ چھاڑ اُلفت کی شغلِ حلقۂ عشاق تھی؟
حُسنِ مہر دیانِ مجلس تھا عدوئے دین و دل / وجہِ اُلفت لطفِ طبع و خوبیِ اخلاق تھی
از دمِ صبحِ ازل تا آخرِ شامِ ابد / ہر میں تم میں دوستی کا عہد اور میثاق تھی
سقفِ سبز و طاقِ مینا تھے کہاں جب آنکھ یہ / غرفۂ درشن تھی اور ابروئے جاناں طاق تھی

پرتوِ معشوق عاشق پر پڑا تو کیا ہوا — ہم ندیدے تھے تو اُس کی بھی نظر مشتاق تھی
ہو گئی تسبیح ٹھنڈی مجھے زاہد کر معاف — ہاتھ میرے ساعدِ ساقیِ سیمیں ساق تھی
دعوتِ نشہ میں مزے کی کہہ گیا کل بے نوا — خوانِ ہر یک پر کریمی خدا رزاق تھی
بیتِ حافظ عہدِ آدم میں بھی اندر خلد کے — رونقِ نسرین و گل تھی زینتِ اوراق تھی

تا ز میخانہ و مے نام و نشاں خواہد بود

مے و میخانہ کا جب تک کہ نشاں باقی ہے — سر میں سودائے درِ پیرِ مغاں باقی ہے
حلقۂ پیرِ مغاں کان میں ڈالے ازل — تا ابد اپنی یہی صورت و نشاں باقی ہے
سر بہ بالینِ لحد رکھے یہ چشمِ پُر شوق — تا دمِ صبحِ قیامت نگراں باقی ہے
میری تربت پہ کبھی آن کے منت مانو — ایک زیارت گہِ رندانِ جہاں باقی ہے
بد نہ کہہ رندوں کو۔ اے دوستِ جہاں بیں جب تک — شاید انجام ہو اچھا یہ گماں باقی ہے
جا بھی اے زاہدِ خود بیں کہ ان آنکھوں سے ہنوز — راز جیسا تھا بدستور نہاں باقی ہے
بن گئی سجدہ گہہ اہلِ نظر قرنوں کو — جس زمیں پر ترے تلوے کا نشاں باقی ہے
پھر مرا اشکِ جفا پیشہ چلا باہر مست — خونِ دل اور کوئی ہونا رواں باقی ہے
بختِ حافظ کی ہے کوتاہی میں کچھ طول ہنوز — زلفِ معشوق بدستِ دگراں باقی ہے

ترسم کہ اشک در غمِ ما پردہ در شود

ڈرتا ہوں اشکِ غم کا کہیں پردہ در نہ ہو — اِس رازِ سر بمہر کی گھر گھر خبر نہ ہو
پتھر بھی لعل ہوتا ہے کہتے ہیں صبر سے — ہوتا ہے پر یہ خون نہ ہو جب تک جگر نہ ہو

چلئے یہاں سے میکدے گریاں واد خواہ — غم سے فراغ دل کو کسی اور گھر نہ ہو
دل صبر کر سکتا نہ ہو۔ آخر شِ کبھی — یہ شام کیا نہ صبح ہو، یہ شب سحر نہ ہو
غم تجھ کو ہو کسی دن اگر اتفاق سے — جا شکر کر کہ بد سے مبادا۔ بتر نہ ہو
اے مردمانِ دیدہ نہ رونا تم آج سے — پائے خیالِ یار کا آئندہ تر نہ ہو
دل عرضِ مدعا مرا کر دیجیو یار سے — پر یوں کہ کانوں کان کسی کو خبر نہ ہو
یہ سرکشی بھلا ترے سرو بلند میں ! — یوں ہی تو دستِ کوتہ رسا تا کمر نہ ہو
عشق اُس کا دل میں بیٹھا ہی سُوا داغ میں — گھُٹی میں ہو جو تا دمِ آخر بدر نہ ہو
حیرت زدہ ہوں دیکھ کے نخوت رقیب کی — یا رب کوئی کمینہ گدا معتبر نہ ہو
جز حسن اور وصف نہیں کچھ۔ تو آدمی — مقبولِ طبع مردمِ صاحب نظر نہ ہو
جس قہرِ سلطنت کے تو ماتھے کا چاند ہے — ہے کس کا سر وہاں جو کھاک بسر نہ ہو
ہر سمت میں نے چھوڑے ہیں تیرِ نالۂ دل — حیرت اگر ایک بھی نہ لگے، کارگر نہ ہو
دل کیمیائے عشق نے کندن بنا دیا — وہ مہر کی نظر ہو تو کیوں خاک زر نہ ہو
حافظ تو سر نکالے گا پابوس کے لیے — پر کیا کرے جو قبر پہ تیرا گذر نہ ہو

ترکِ من چوں جعد مشکیں گرد کاکل بشکند

ترکِ مہوش جعد مشکیں گردِ کاکل توڑ دے — لالہ کا دل خوں کرے بازارِ سنبل توڑ دے
سروِ گلنار آن نکلے گر خراماں باغ میں — سرو کو نیچا دکھا دے خاطرِ گل توڑ دے
ابروے جاناں ہو گر اوجھل تو دیدہ بار بار — رات دن برسا کرے رونے ہی کا پل توڑ دے
چاک ہونا پردۂ گل کا نسیمِ صبح سے — خارِ حسرت دردِ دلِ مجروح بلبل توڑ دے

بتبر وحدت ہاتھ سے جائے نہ پائے حافظاؔ　　زعم تلتوے کو ترا اُس پہ توکل توڑے

تُرکِ مہ پیکرِ من بیں کہ چساں می گردد

تُرکِ مہوش مرا چھپ چھپ کے کہاں جاتا ہے　　وہ تو خورشید پسِ ابر نہاں جاتا ہے
یار جاتا ہے بلا شک و گماں رشکِ رقیب　　نام لینے نہیں دیتا کہ فلاں جاتا ہے
اس کماں خانۂ ابرو سے جو و ترکشِ چشم　　سر کرے تیر تو چھن جوشنِ جاں جاتا ہے
جو بھی آتا ہے مرے پاس مجھے دیکھتا ہے　　پاس سے اُٹھ کے مرے اشک فشاں جاتا ہے
قہرِ حافظؔ پہ کبھی گو رہے جو وہ یار قدیم　　چیخ نکلے کہ ٹھہر یار کہاں جاتا ہے؟

جاں بے جمالِ جاناں میلِ جہاں ندارد

جاں کو بغیرِ جاناں میلِ جہاں نہیں ہے　　جاناں نہیں ہے جس کا جانو کہ جاں نہیں ہے
اُس دلستاں کو جتنا ڈھونڈھا نشاں نہ پایا　　ہم بے خبر ہیں یا کچھ اُس کا نشاں نہیں ہے
جس رہ میں ہم ہیں شبنم صد موج آتشیں ہے　　ہے یہ بھی ایک معما جس کا بیاں نہیں ہے
منزل ہے بس قناعت ہو جا یہیں فروکش　　اِس رہ کا حد و پایاں اے ساربان نہیں ہے
چنگِ خمیدہ قامت کی پند عیش و عشرت　　سُن تو جو قولِ پیراں چنداں زیاں نہیں ہے
ہو شمعِ انجمن بھی دشمن تو راز رکھنا　　شوخِ بُریدہ سر کے بندِ زباں نہیں ہے
کچھ لطف ہاں نہیں ہے بے دوست زندگی میں　　بے دوست زندگی میں کچھ لطف ہاں نہیں ہے
اُستاد جس کو مانا دیکھا تو فی الحقیقت　　صنعت گری ہے لیکن طبع رواں نہیں ہے
اے دل طریقِ رندی تو سیکھ محتسب سے　　پیتا ہے وہ بھی لیکن اس پر گماں نہیں ہے

حافظ سا کوئی بندہ ہوگا نہ اِس جہاں میں — آقا بھی کوئی تجھ سا شاہا یہاں نہیں ہے

جہاں برابروے عید از ہلال وسمہ کشید

ہے وسمہ ابروئے عالم پہ ایک ہلالِ عید — ہیں اُس سے بڑھ کے دو ابروئے یار قابلِ دید
ہلال وار خمیدہ ہُوا ہیں دیکھتے ہی — کمانِ ابروئے جاناں کی زیرِ وسمہ کشید
اِدھر تو آ۔ میں کہوں تجھ سے اپنا قصۂ غم — ترے علاوہ نہیں ہے کسی سے گفت و شنید
کہاں ہیں چنگ و رباب و نبیذ و گل، ناحق — نبیذ و گل میں لتھڑ کر ہے مفت مٹّی پلید
گزر ہُوا تری نکہت کا کیا چمن میں جو کی — گلوں نے چاکِ گریبانِ صبح کی تقلید
وہ چہرہ چاند سا زلفوں میں جب نظر آیا — اندھیری رات بنی میری رشکِ صبحِ سپید
بھرا جو آیا تھا زلفوں پہ ابر۔ اب دیکھو — ہے صرفِ قہقہہ کیا کیا کہ برقِ رُخ ہی پدید
بہائے وصل ہو جاں بھی تو گر کے لے لیجے — پسند آتے ہی لیتا ہے قدر دانِ خرید
رکھ اُس کی آبرو! یہ تنک تجھ سے دُر، بہت — پھرا ہے لوٹتا گلیوں میں زیرِ کربِ شدید
لبوں پہ آیا ہے دم، کام پر نہیں بنتا — طلب وہی ہے اگرچہ رہی صفرِ اُمید
اِسی ادا سے ہنسا کی زمیں پہ صبح۔ تو چرخ — ہے انقلابِ جہاں کی فضول سعیِ مزید
نظر سے بچ کے نہ خط آرسی کے لے مُنہ کھول — وَاِن یکاد کی آیت ہے رُخ پہ خط کی رسید
لکھے ہیں شعر یہ حافظ نے لعلِ لب کے لئے — یہ اور ڈال لے کانوں میں چند مروارید

جمالت آفتاب ہر نظر باد!

یہ چہرہ سب کا خورشیدِ نظر ہو! — تُو ہر خوبی میں سب سے خوب تر ہو!

ہمارے شہپرِ شاہیں کے دایم — سرِ شاہانِ عالم زیرِ پَر ہو
ہو تیر انداز جب وہ گوشۂ چشم — دلِ مجروح ہی بڑھ کر سپر ہو
جو دل بستہ نہ ہو اُن گیسوؤں سے — جگر کے خوں میں یارب تر بتر ہو
ملے وہ بوسہ لبِ شکّریں کا — کہ جس سے کامِ جاں تک پُرشکر ہو
مجھے ہر دم نئی تجھ سے لگن ہے — مُدام ایک تجھ میں بھی حُسنِ دگر ہو
بجاں مشتاق ہے یہ تیرا حافظ — تجھے بھی اپنے شایق پر نظر ہو!

چو رویت مہر و مہ تاباں نہ باشد

جبیں سے مہر و مہ تاباں نہ نکلے — تو قد سے سرو در بستاں نہ نکلے
لبِ لعل اور دُرِ دنداں سے روشن — دُرِ دریا و لعلِ کاں نہ نکلے
میانِ خطِ سبز و لعلِ نوشیں — عجب گر چشمۂ حیواں نہ نکلے
وہ کافر زلف دورِ مصحفِ رُخ — کہ گر دل چھیڑئے ایماں نہ نکلے
کسی تن کو نہیں اُس تن سے نسبت — کُجا تن بلکہ اُس سی جاں نہ نکلے
تھے شیریں شعر حافظ پھر بھی شیریں — ز لعلِ خسرو و خوباں نہ نکلے

چو باد عزمِ سرِ کوئے یار خواہم کرد

ہوا ہی بن کے گزر تا بہ یار کریں گے — شمیمِ دوست سے دم مشکبار کریں گے
جو علم و دین کے اعزاز و تمغے حاصل ہیں — نثارِ نقشِ قدومِ نگار کریں گے
صبا کہاں ہی کہ ہم خوں گرفتہ گل کی طرح — یہ جاں فدائے بوئے زلفِ یار کریں گے

خراب ہوں گے کسی یادِ چشم میں پھر کے — بنائے عہدِ قدیم استوار کرلیں گے
فضول ہے مے و معشوق عمر جاتی ہے — نکمّے رہ چکے اب کوئی کار کرلیں گے
بہ مہرِ یار ہُوا صبحِ شمع سے روشن — کہ عمر طے تو یہی کار و بار کرلیں گے
نفاق و مکر سے حافظ صفائے دل معلوم — طریقِ رندی و عشق اختیار کرلیں گے

چہ مستی ست ندانم کہ رو بما آورد

عجب نشہ ہے یا رب کہ ایک بلا لایا — یہ ساقی کون تھا؟ مے ہے کہ کیا اٹھا لایا؟
علاجِ ضعف تھا تیرا کرشمۂ ساقی — دل آنکھ کھول! طبیب آیا اور دوا لایا
مریدِ پیرِ مغاں ہوں۔ برا نہ مانیو شیخ! — کہ تُو نے وعدہ کیا اور وہ بجا لایا
بغل میں تُو بھی صراحی دبا کے صحرا چل — ترانہ خُوب ہے مُرغِ غزل سرا لایا
جہاں کو آمدِ نسرین و گُل مبارک ہو! — بنفشہ مژدہ، شگون نیک موتیا لایا
صبا نہیں ہے یہ ایک ہدہدِ سلیماں ہے — پیام شوق ہے من جانبِ سبا لایا
یہ کیا الاپ دیا مطربِ مقام شناس؟ — غزل کے بیچ میں کیا قولِ آشنا لایا!
عجب ہے تُرک سپہدار تیرے حوصلے پر! — یہ فوج مجھ سے پھٹے حال پر چڑھا لایا!
فلک کرے گا غلامی تری بدل حافظ — اگر تو اُس درِ دولت پہ التجا لایا

چو دست بر سرِ زلفش زنم بتاب رود

بڑھاؤں زلف پہ گر ہاتھ پیچ و تاب کرے — منانا چاہوں تو برہم ہو اور عتاب کرے
ہلالِ نو کی طرح خیرہ کردے نظروں کو — جھلک دکھائے کبھی رُخ لبِ نقاب کرے

نہ سوئے رات کو پی کر نہ سونے دے دن کو
سناؤں اپنی کہانی تو قصدِ خواب کرے

پکارا "عہد شکن" کہہ کے مجھ کو ڈر اس سے
خدا نہ حشر میں تجھ سے یہی خطاب کرے

یہ راہِ عشق پُر آشوب فتنہ ہے اے دل
ضرور اُڑ گئی کھائے جو کچھ شتاب کرے

سرِ حباب میں بادِ غرور بھرتے ہی
کُلاہ سر پہ پھٹے لقمہ موجِ آب کرے

گدائیِ درِ جاناں نہ تخت و تاج کو دے
نہ چھاؤں چھوڑ کے سر زیرِ آفتاب کرے

ہُوا ضعیف تو دے نازو نازکی کو جواب
بجا ہے گر کوئی نخرے یہ تا شباب کرے

سفید پڑ کے سیاہ بال پھر نہیں ہوں گے
ہزار موچنے سے نوچے یا خضاب کرے

تو آپ پردہ ہے خود بیچ میں سے اُٹھ حافظ
خوشا نصیب بستر تُوں جو بے حجاب کرے

حسبِ حالے نوشتیم و شدّ ایامے چند

خط بھی ہم نے نہ لکھا اُس کو اِن ایام کوئی
نامہ بر بھی نہ جُڑا بھیجتے پیغام کوئی

مجھ کو تا مقصدِ عالی ہے پہنچنا دشوار
لطفِ عام آپ کا ہی بڑھ کے رکھے گام کوئی

مے گئی خم سے سبوچوں میں کھلی گُل کی نقاب
ہے یہی وقت چڑھا لے جو دو ایک جام کوئی

ہاں گدایانِ خرابات! خدا منعم ہے
وہی دیگا، یہ نہیں دینے کے انعام کوئی

زہد اکوچۂ رنداں سے گزر خیر کے ساتھ
دے ضرر تجھ کو نہ یہ صحبتِ بدنام کوئی

پیرِ میخانہ کی تلقین ہے بلا نوشوں کو
نہ سُنے دردِ دلِ سوختہ کو خام کوئی

اپنے دل کا نہیں معجونِ گل و قند علاج
یاں تو حل بوسوں میں ہو گر ملے دشنام کوئی

ہوں ہنر بھی تو بیاں عیبِ مے سب کر کے عیاں
مانے گر سچ سے بُرا مانے دلِ عام کوئی

پھونک حافظ کو گئی تابِ رُخِ مہر فروز
کامگارا! نظر ایک! مرتا ہے ناکام کوئی!

حسنِ تو ہمیشہ در فزوں باد!

حُسن اور بڑھے سدا فزوں ہو! / رُخ بادہ پینے لالہ گوں ہو!
یارب یہ ہوائے عشق سَر میں / ہر روز زیادہ ہو فزوں ہو
قد سے قدِ دلبرانِ عالم / دایم ترے آگے سرنگوں ہو
جو سرو چمن میں سر اُٹھائے / قد تیرا الف وہ شکلِ نوں ہو
جو آنکھ نہ ہو خراب تیری / ہر قطرۂ اشک اُس کا خوں ہو
جس دل میں نہیں ہو تیرا سودا / بے صبر و قرار و بے سکوں ہو
جو تیرے فراق میں نہ بیتاب / عُشّاق کے زمرے سے بروں ہو
وہ لعلِ لب آہ جانِ حافظ / دُور اُن سے ہر اک خسیس دُوں ہو!

خسروا گوئے فلک در خمِ چوگانِ تو باد

خسروا! گیند فلک کی ترے چوگاں میں رہے / وسعتِ کون و مکاں عرصۂ میداں میں رہے
فتح اطراف کیا، قبضے میں آفاق کیا / شہرہ اوصاف کا تا حشر زادَ دراں میں رہے
زلفِ خاتونِ ظفر شیفتہ پرچم کی مدام / چشمِ فتحِ ابد، عاشق ہو کہ جولاں میں رہے
دایم انشائے عطارد تری توصیف میں صرف / عقلِ کل لکھنے پہ دفتر ترے دیواں میں رہے
ہو خجل جلوۂ طوبیٰ ترے قد کے آگے / خلد رشک و حسدِ زینتِ ایواں میں رہے

حافظِ خستہ ثناخواں ہے خلوصِ دل سے
لطفِ عام اپنے ثناخواں کے بھی رہاں میں رہے

خوش است خلوت اگر یارِ من باشد

مزا ہے جلنے کا گر دوست جان و تن بن جائے — نہ یہ کہ ہم جلیں دہ شمعِ انجمن بن جائے
ہُما کو کیسے ہے لایق کہ سایہ افگن ہو — جہاں کہ طوطی پہ فائق ہر ایک زغن بن جائے
ہم اُس نگینِ سلیماں کو مُفت بھی تو نہ لیں — کبھی جو حلقۂ انگشت اہرمن بن جائے
حریمِ عشق میں گر دیکھ پاؤں میں کہ حریف — ہی محرموں میں، میں محروم مجھ پہ بن بن جائے
ہے یادِ کوچۂ جاناں کی دل کو جیسے غریب — وطن میں دل ہو گو آوارۂ زمن بن جائے
بیانِ شوق کی حاجت نہیں کہ آتشِ دل — الگ شناخت ہو پُرسوز جب سخن بن جائے
جو ذرّہ زباں بھی ہو حافظ بسانِ سوسنِ باغ — کھلے نہ آگے ترے، پھر بروہمن بن جائے

خوش آمد گل! وزاں خوشتہ نہ باشد

خوشا گل! اس سے کچھ خوشتر نہیں ہے — کہ ہاتھوں میں بجز ساغر نہیں ہے
زمانہ عیش کا مت چھوڑ! مت چھوڑ! — کہ دایم در صدف گوہر نہیں ہے
غنیمت جان! مے پی گلستاں میں — کہ گل تا ہفتۂ دیگر نہیں ہے
جو آئے شیخ خمخانے ہمارے — پئے وہ مے کہ در کوثر نہیں ہے
کتابیں پھونک! ہو ہمدرس میرا — کہ علمِ عشق در دفتر نہیں ہے
مرے ہمراہ پی! امر اُس حسیں پر — جسے کچھ حاجتِ زیور نہیں ہے
شرابِ بے خمار ایک پاؤں یارب — وہ جس میں کوئی دردِ سر نہیں ہے
عجب دستورِ مُلکِ عشق دیکھا — وہ سرافسر ہے جس کے سر نہیں ہے

کلاہ عالم آرائے شہی بھی
کچھ اس افسر سے زیبا تر نہیں ہے

وہ سیمیں تن مرا نامِ خدا بُت
کہ در بُت خانۂ آذر نہیں ہے

بدل جیوں بندۂ سلطاں اویس اور
اُسے یہ یاد بھی چاکر نہیں ہے

خطا وہ نظمِ حافظ میں بتائے
لطافت جس میں ذرہ بھر نہیں ہے

خفتگاں را چو طلب باشد و قوّت نبود

آہ ناداروں کی چاہت جنھیں قوّت ہی نہیں
اِن غریبوں پہ جفا شرطِ مروّت ہی نہیں

ہم نے جانا، نہ کبھی تجھ کو ہُوا جور پسند
جور تو مسلکِ اربابِ فتوّت ہی نہیں

جادوئے چشم نہ چلتے رہیں جب تک یہ ستم
نور دے سکتی کوئی شمعِ مُوَدّت ہی نہیں

پھوٹے وہ آنکھ نہ جو عشق میں، ورد کے سپید
بھٹ پڑے دل بھی وہ جس دل میں محبّت ہی نہیں

آئینہ دل نہیں تازہ نگہ ہوس سے دُھل کر
آنکھ سے رونقِ رخسارۂ حکمت ہی نہیں

گر نہیں غسل و وضو کعبۂ بُت خانہ میں ایک
خیر کیا پائیگی جس گھر میں کہ عصمت ہی نہیں

المدد پیرِ مغاں! شیخ علیہ الرّحمہ
کہہ گئے خانقہ والوں میں تو ہمّت ہی نہیں

سایۂ بالِ ہُما سے طلبِ عیش بجا
شہپرِ زاغ و زغن میں یہ سعادت ہی نہیں

بے خبر ہونے کو ہوں اب تو خبر لے میری
تا کجا عذر "خبر گیری کی فرصت ہی نہیں"

سیکھ حافظ ادب و علم بڑے لوگوں میں
مردِ بے علم و ادب، قابلِ صحبت ہی نہیں

خوشا کسے کہ مدام از پئے نظر نرود

وہ خوش رہے کہ جدھر اُٹھ گئی نظر گئے
کہیں گئے بھی تو بے علم و بے خبر گئے

کنارا ہی لب شیریں سے یار والی ہو
مگس کی طرح جہاں دیکھ لی شکر نہ گئے

سیاہی آنکھ کی دھو ڈال گریۂ شب و روز
وہ نقشِ خیال کبھی چھوڑ کر نظر نہ گئے

یہ قہر کی نظر ایک مجھ سے مست پر واعظ!
دو ایک بوند میں جھڑ شرع کے گھر نہ گئے

نہیں ہی مجھ بسا یہ قلب، اس ملال ہیں کب
بسانِ شمع دھوئیں دل کے تا بہ سر نہ گئے

ہنوز دل ہے وہی ہرزہ گو و ہرجائی
یہ دن تو دیکھ لیا کر کے سب ہنر نہ گئے

گدا کو دیکھو! اور اُس صنمِ ناز کو جس کی
کمر کو ہاتھ بجز ایک کمندِ زر نہ گئے

ہزار لطف و کرم کار رہا ہو کچھ عالم
وفائے عہد کے تجھ سے خیال پر نہ گئے

پلا دے پہلے تو حافظ کو ہی اگر جانے
کھلی جو بزم میں بہکے اِدھر اُدھر نہ گئے

دلبر برفت و دلشدگاں را خبر نہ کرد

دل لے چلا تو دلشدگاں کو خبر نہ کی
یادِ حریفِ شہر و رفیقِ سفر نہ کی

طالع نے مجھ کو راہِ محبت بھلا دی یا
اُس نے بتا ہی راہِ حقیقت گزر نہ کی

ایک شمعِ منتظر تھا میں جاں تجھ پہ وارنے
تو نے ہی یہاں خرامِ نسیمِ سحر نہ کی

نرم اور کیسے کیجیے؟ بارانِ گریہ نے
تاثیر سنگ دل میں ترے بوند بھر نہ کی

جس نے وہ شکل دیکھی مری آنکھ چوم لی
میں نے جو انتخاب کی کچھ بے نظر نہ کی

کس نے رقیب کو ترا ہمدم بنا دیا
کوڑھی کبھی کسی نے قرینِ گہر نہ کی

کلکِ زباں بریدہ حافظ نے بزم میں
افشائے رازِ دوست تو تا قطعِ سر نہ کی!

دل از من برد و رو از من نہاں کرد

مرا دل لے مجھی سے رُخ نہاں کر!
نہ للہ یہ ستم تو میری جاں کر!
ہُوا دل خوں برنگ لالہ نرگس
نہ آنکھیں پھیر کر یوں سرگراں کر
چلی جاں ہجر میں وقت مدد ہے
صبا کچھ چارہ رکھتی ہو تو ہاں کر
یہ دل بریاں ہے شمع بزم سوزاں
صراحی تو بھی رو۔ بربط فغاں کر
ہیں اُس کے خیال کے بھی لطف بیحد
شب تنہائی کر تو، قصدِ جاں۔ کر
بھلا کس منہ سے کہیے دوستوں سے
کہا گیا اور گیا کیا جانِ جاں کر
نہ کی ہوگی وہ حافظ سے عدو نے
گیا جو چال یار ابرو کماں کر!

دلا بسوز کہ سوزِ تو کارہا بکند

رہے جو سوز میں دل! سوز دل نہ کیا کر دے
دعائے صبح بھی ایک، دفع صد بلا کر دے
نقاب یار کھسوٹے جو والہانہ تو وہ
بہ یک کرشمہ تلافیِ صد جفا کر دے
فلک سے تا بہ ملک بے حجاب سیر کرے
جو دل سے خدمتِ جام جہاں نما کر دے
طبیب گرچہ ہو عیسےٰ نفس شفیق وسے
نہ دیکھے درد ہی تجھ میں تو کیا دوا کر دے
خدا پہ چھوڑ کے کاموں کو شاد رہ بندے
نہ مہرباں ہو دشمن۔ کرم خدا گر دے
علیل خفتہ نصیبی سے ہوں، کوئی بیدار
اُٹھا کے ہاتھ پہر پچھلے۔ کچھ دعا کر دے

ہوا ہوں خستہ حافظ کہاں ہے نکہتِ یار
ذرا ادھر کو بھی رُخ اُس کا اے صبا کر دے!

دست در حلقۂ آں زلفِ دوتا نتواں کرد

چھو سکے ہاتھ خمِ زلفِ دوتا کیونکر ہو؟ — تیری قسموں پہ یقیں بادِ صبا کیونکر ہو؟
حقِ کوشش تو بجا لائے طلب میں تیری — پہ مگر کہیے کہ تغییرِ قضا کیونکر ہو
دامنِ دوست لگا ہاتھ بصد خونِ جگر — غیر کی چرب زبانی سے رہا کیونکر ہو
ماہِ تاباں رخِ جاناں سا مثالاً بھی نہیں — دوست کی شکل ہر اک بے سر و پا کیونکر ہو
عقل و حکمت کے نہیں حوصلے کی مشکلِ عشق — تجھ سے حل نکتہ یہ اے فکرِ خطا کیونکر ہو
رخِ جاناں نظرِ پاک سے ہی دیکھ سکیں — سیرِ آئینۂ تر جب تک ہو صفا کیونکر ہو
سروِ بالائے بلند اپنا ہو جب گرمِ سماع — رہ سکے جامۂ تن جاں پہ قبا کیونکر ہو
تو ہو محبوبِ جہاں ! گڑ گئے غیرت سے ہمیں ؛ — جھگڑا دن رات کا با خلقِ خدا کیونکر ہو
چپ ہوں مطلب سے ، تری طبع لطیف و نازک — ہے جو اس درجہ ۔ تو چپ سے بھی ادا کیونکر ہو
بجز ابرو نہیں محرابِ نماز اے حافظ — طاعتِ غیر مرے دیں میں روا کیونکر ہو؟

دیدی اے دل کہ غمِ یار دگر بارچہ کرد

دیکھا اے دل کہ غمِ یار نے پھر دار کیا ؛ — دل بری کر کے یہ کیا حالِ وفادار کیا ؟
ہائے اس نرگسِ جادو نے بھی کیا چال چلی ! — وائے کیا مست نے با مردمِ ہشیار کیا ؟
شفقی رنگ ہیں آنسو تری بے مہری سے — طالعِ بے شفقت نے بھی عجب کار کیا
صبح ایک محملِ لیلےٰ سے گری کوند کے برق — سوختہ خرمنِ مجنونِ دل افگار کیا
ساقیا ساغرِ مے دے نہیں معلوم رقم — قلمِ غیب نے کیا کیا پسِ دیوار کیا

جس کی تحریر ہے یہ دائرۂ مینائی — کیا طلسم اُس نے دمِ گردشِ پرکار کیا!
برقِ غم آتشِ دل پھونک گئے حافظ کو — یارِ دیرینہ نے کیا یار سے اے یار کیا!

دانی کہ عود و چنگ چہ تقریر می کنند

سمجھے بھی عود و چنگ جو تقریر کرتے ہیں؟ — بادہ چھپا کے پیچھے تکفیر کرتے ہیں
بدنام عشق کرتے ہیں عشاق کو ذلیل — بدگوئی جواں ہتکِ پیر کرتے ہیں
جز قلبِ تیرہ کچھ نہیں حاصل مگر یہ زعم — تیار کوئی دم میں بس اکسیر کرتے ہیں
سنئے نہ رمزِ عشق نہ منہ سے نکالئے — آئے نہ جو سمجھ میں وہ تقریر کرتے ہیں
بڈھے ضعیف پیرِ مغاں کو ستاتے ہیں — مردِ خدا تو پیر کی توقیر کرتے ہیں
ہر دن درِ تعلیاں کرتے ہیں سینکڑوں — کیا ہوگی وہ جو پردے میں تقریر کرتے ہیں
صد ملکِ دل کا مول ہو آدھی نگاہ ایک — معشوق اس میں آپ ہی تقصیر کرتے ہیں
کوشش پہ بعض کہتے ہیں موقوف وصلِ دوست — کچھ ہیں کہ وہ حوالۂ تقدیر کرتے ہیں
فی الجملہ اعتبارِ ثباتِ جہاں نہیں — دن رات کارخانے میں تغیر کرتے ہیں
مے پی کہ شیخ و حافظ و مفتی و محتسب — سب غور کرکے دیکھئے تزویر کرتے ہیں

در نظر بازی ما دیدہ وراں حیرانند

دیدہ بازی پہ مری مور کھو کیا حیرانی؟ — مَیں ہوں جو شکل مری، اور؟ جو تم نے جانی
عقلمند عقل سے ہوں نقطۂ پرکارِ وجود — عشق کی آنکھ سے تو ہے انہیں سرگردانی
حسنِ رخسارۂ خورشید کہے کیا خفاش — پائیں آئینہ میں جب اہلِ نظر حیرانی

جلوے کی منتظر آنکھیں ہی نہیں ہیں تنہا
مہر و مہ بھی ہیں گئے آرسیاں رخشانی

چاہیئے سیکھ لیں اُس چشم سیہ سے اُس کی
کس نے ہشیاری و مستی یہ بہم کر جانی

گوہرِ ہستی نے نزہت گہِ ارواح میں یار
عقل و جاں کی تری نکہت پہ نچھاور مانی!

دعوےِ عشق و گلہ یار کا، یہ بھی کیا خوب!
عشق باز ایسے خدا ہجر کے ہوں زندانی

مفلسی یہ، مے و مطرب کی تمنا یہ کچھ،
دے کوئی خرقۂ پشمیں کو نہ کوڑی کانی!

میرے اندیشوں سے واقف ہو نہیں سکتے اب
مغبچے خرقۂ صوفی کو یہ ایں آسانی

رندی حافظ کی عجب کیا ہے نہ سمجھے زاہد
پاس شیطاں کو پھٹکنے نہ دے قرآں خوانی

دوش وقتِ سحر از غصہ نجاتم دادند

مل گئی غم سے سحر دل کو نجات آخرکار
ظلمتِ شب میں ملا آبِ حیات آخرکار

غش ہوا ذات کے پرتو کی چمک سے چوندِ دل
بھر گئے جامِ تجلی سے صفات آخرکار

کیا مبارک تھی سحر! کیا ہی ہمایوں شبِ قدر!
دی گئی مجھ کو یہ جب تازہ برات آخرکار

کامیابی و خوشی پہ مری حیرت کیا ہے
مستحق تھا یہ ملی مجھ کو زکوٰۃ آخرکار

آج سے دل ہے یہ اور آئینۂ حسن نگار
منکشف جس میں ہوا جلوۂ ذات آخرکار

دل کو ہاتف نے اسی روز یہ دیدی تھی نوید
غم میں دکھلا دیا جب ہیں نے ثبات آخرکار

ریزشِ قند و شکر سب یہ سخن میں ہے صلہ
صبر کرنے کا مجھے شاخ نبات آخرکار

کیا ہی اکسیر ہوئی بندگیِ پیرِ مغاں
اُس کے قدموں سے ملے یہ درجات آخرکار

میں نے جس روز یہ حاصل کی حیاتِ ابدی
حسنِ فانی کے بھی کی غم نے ثبات آخرکار

پھنس کے زلفوں میں یہی بولتا کیا ہی یہ دل
پائی قیدِ غمِ ہجراں سے نجات آخرکار

شکر شکر بہ شکرانہ لٹا اے حافظ
مل گیا وہ بتِ شیریں حرکات آخر کار

دوش دیدم کہ ملایک در میخانہ زدند

دستکیں شب کو ملک دیں درِ میخانہ ہو بند
سان میں طینتِ آدم ڈھلیں پیمانۂ چند

ساکنانِ حرم پردہ سرائے ملکوت
مجھ سے خاکی کا کریں ساغرِ رندانہ پسند

آسماں سے نہ چلا بارِ امانت تو پڑی
مجھی دیوانہ پہ آئی تری فرزانہ کمند

ہم بصد خرمنِ پندار نہ ہوں کیوں گمراہ
اِس قدر حضرتِ آدم کو تھے ایک دانہ گزند

کیوں نہ آپس ہی لڑیں بن کے بہتر فرقے
کیوں نہ دیکھیں جو حقیقت تو ہوں افسانہ پسند

شکر صد شکر مرے اُس کے بہم صلح ہوئی
رقص حوروں نے کیے عیش میں مستانہ انند

نکتۂ عشق دل گوشہ نشیناں کے لئے
تِل ہے بر آتشِ رخسارۂ جانانہ سپند

شمع شعلوں میں یہ ہنستے جس کے وہ کچھ آگ نہیں
آگ وہ ہے جو ہو از خرمنِ پروانہ بلند

کس نے یوں کھولی تھی حافظ رخِ معنی کی نقاب
جب سے ہے زلفِ عروسانِ سخن شانہ پسند!

دوش آگہی ز یار سفر کردہ داد باد

دے کر چلی جو یارِ مسافر کی رات یاد
دل کو ہوا میں چھوڑ دیا ہر چہ باد باد

ہاتھوں ہی سے چلا تھا وجودِ نحیف یہ
لے آئی بوئے وصل نسیمِ سحر کو داد!

جی باغ باغ ہوتا تھا یاد آکے وہ دہن
گلشن میں کوئی غنچہ اگر کھولتی تھی باد

نرگس کے سر پہ تاج رکھا جاتا گر کہیں
آجاتی تھی کسی کی کلاہِ شہانہ یاد

تاریخِ عیشِ دوست کے دیدار کی تھی شب
عہدِ شباب و صحبتِ احباب پر بھی صاد

بے دید دل وہ جب سے گیا چین لف میں
بھولی وطن کی یاد ہی ایسی ملی مراد؟

قدر آج میں نے جانی بزرگوں کی پند کی
یارب مدام روح مرے ناصحوں کی شاد!

اب مقتضائے وقت یہ ہی میرے ساتھ ہوں
ہر شام برقِ لامع و ہر بامداد باد

حافظ نہادِ نیک نے تیرے بنائے کام
قربان اُس کے نیک یہاں جس کی ہو نہاد

در آں ہوا کہ جز برق اندر طلب نباشد

بجلی ہے جستجو میں کچھ اور جب نہیں ہے
جل جائے کوئی خرمن تو کچھ عجب نہیں ہے

جس بزم میں کہ خورشید ایک ذرہ سے بھی کمتر
خود کو بڑا سمجھنا شرطِ ادب نہیں ہے

سو یا کرے جو طایر گردن دیے پروں میں
ٹہنی میں اُس کی جا تو برگِ طرب نہیں ہے

یہاں کفر بھی ہے لازم دوزخ کسے جلائے
روز اُس کو گر میسر ایک تو لہب نہیں ہے؟

سیکھو جو جانفروشی علم و ہنر کو رکھو
یاں ہیچ ہے نسب بھی کچھ شے حسب نہیں ہے

پی مے۔ ہے بہشتی عمرِ ابد دلائے
بے موت زندگی کا کچھ اور ڈھب نہیں ہے

حافظ وصالِ جاناں تجھ بیدرم کو ہوگا
اُس دن کہ جس کے آگے پھر کوئی شب نہیں ہے

دلم جز مہر مہرویاں طریقے بر نمی گیرد

جز عشقِ ماہرویاں دل کسی شے پر نہیں لگتا
نصیحت تیر کیا مارے یہ ہے پتھر نہیں لگتا

خدارا اے نصیحت گو بیانِ مطرب و مے ہو
کوئی مذکور اس مذکور سے بہتر نہیں لگتا

نصیحت چھوڑ، فریاد دف و نے سن مرے حق میں
کہ ہرگز نقش برعکس اس جواہر پر نہیں لگتا

وہ چہرا دیکھ آنکھیں کیوں نہ دیکھوں تیرے کہنے سے؟
یہ دل کو و خطِ بے معنی نصیحت گر نہیں لگتا

ارے حکیمِ خدا سے جنگ تجھ کو ناصحِ ناداں؟ — بہت ہی تنگدل ہے! کس لئے مے پر نہیں لگتا؟
صراحی ہے بغل میں لوگ جانیں علم کا دفتر — گرہی بجلی تو یہ بجتا ہوا دفتر نہیں لگتا
کرامت ہائے مردانہ کرے یوں پیرِ میخانہ — گمر دلقِ ریا پردے کوئی ساغر نہیں لگتا
ہنسی مجھ کو بھی آجاتی ہے روتے روتے محفل میں — زباں بھی شعلہ ہے تاہم شرر اُڑ کر نہیں لگتا
خدارا رحم کر منعم ترے در کا بھکاری ہے — کسی گھر سے نہیں واقف کسی کے سر نہیں لگتا
کیا کیا جلد صیدِ دل ارے شاباش مست آنکھو! — ہرن یہ کو تشوں سے بھی تو ہاتھ اکثر نہیں لگتا
عجب ہے دے نہ فرمانِ تولِ دیں سے نہیں حافظ کو — تجھے شیریں شہا کیا اُس کا شعرِ تر نہیں لگتا؟

دیدم بخوابِ خوش کہ بدستم پیالہ بود

اِک خوابِ خوش میں ہاتھ میں دیکھا پیالہ ہے — تعبیر لی کہ ہونے کو دولت حوالہ ہے
چالیس سال رنج میں کھو کر کھلا یہ حال — حل اپنے مدعا کا شرابِ دو سالہ ہے
وہ مُہرۂ مراد! مرے من کی آرزو — زلفوں میں مائے بت شہ ریہ مطرے والہ ہے
لے ہی اُڑا تھا مجھ کو جہاں سے خمارِ عشق — سیدھے تھے بخت خالی نہ اوندھا پیالہ ہے
پی لیں لہو کے گھونٹ گلہ شکوہ کیا کریں — خوانِ کرم سے یہ ہی مقرر نوالہ ہے
گلشن میں بھی گزر جو کبھی صبحدم ہوا — دیکھا کہ شغلِ مرغِ چمن آہ و نالہ ہے
بویا نہ جس نے تخمِ محبت چُنا نہ پھول — ایک راہ بادمیں وہ نگہبانِ لالہ ہے
مرغِ چمن کے دل میں نسیم آگ پھونک دی — آتش ہے سر بسر کہ یہ داغِ لالہ ہے؟
وہ شاہِ تند حملہ کہ خورشید شیر گیر — ق — اُس کے مقابلہ میں نہ بیش از غزالہ ہے
دیکھا کہ اُس کی مدح میں حافظ کا ایک شعر — بلکہ ہر ایک مصرع بہ از صد رسالہ ہے!

دمے باغم بسر بردن جہاں یکسر نمی ارزد

اگر غم سے ہو جی بوجھل جہاں یکسر مصیبت ہے
ہو خرقہ نذرِ مے بک کر لباسِ بہتر مصیبت ہے

خریدیں مے فروش اس کو نہ چھوٹے جام کے بدلے
رہی سجادہ و تقویٰ کی اب یہ در مصیبت ہے

مٹائے نقشِ دل تنگی چل آ بازارِ یک رنگی
کہ ہر رنگِ جہاں جز بادۂ احمر مصیبت ہے

مرصّع تاجِ سلطانی میں ہیں صد بیم جاں مضمر
کُلہ دلکش ہے لیکن بیمِ ترکِ سر مصیبت ہے

کسی گوشے میں چھپ کر بیٹھ مشتاقوں سے پردوں میں
جو با وصفِ جہاں داری غمِ لشکر مصیبت ہے

رقیبوں کی ہیں پیہم گھُرکیاں "اُٹھ سر اُٹھا یاں سے"
نہیں سر لائقِ در بھی پڑیں پتھر مصیبت ہے

دیار و یار انساں کو مقیّد کر کے رکھتے ہیں
مگر ہے فارس مستغنیٔ وطن ہو کر مصیبت ہے

اُمیدِ نفع پر آساں سفر دریا کا سمجھا تھا
نہ یُوں اب بے جو ایک ایک موج صد گوہر مصیبت ہے

کہیں کنجِ قناعت ڈھونڈ کر آرام سے بیٹھیں
کہ ایک دم تنگ دل رہنا بہ بحر و بر مصیبت ہے

قناعت چاہیئے حافظ سلام اس حرصِ دُنیا کو
ہو جو بھر منّتِ دُوناں تو سو من زر مصیبت ہے

دست از طلب نہ دارم تا کام من برآید

چھوڑوں نہ ہاتھ جب تک من کی نہ من سے نکلے
یا جان پائے جاناں یا جان تن سے نکلے

کھولیں لحد کو میری بعد از وفات دیکھیں
ایک آتشِ دروں کے بھپکے کفن سے نکلے

دکھلاوے رخ کہ خلقت والہ ہو اور شیدا
ہل جائیں لب کہ فریاد ایک مرد و زن سے نکلے

ہونٹوں پہ جان، دل میں حسرت ترے لبوں سے
نکلے نہ کام کوئی اور جان تن سے نکلے

تنگی سے اُس دہن کی جاں سے بہ تنگ آیا
کیا کام تنگ دستاں ایسے دہن سے نکلے

دل کو جو کی نصیحت ’’چھوڑ اُس صنم کو،‘‘ بولا — یہ وہ کرے جو خود سے اور خویشتن سے نکلے
زلفوں کے ہر شکن میں سو سو نہاں ہیں پھندے — بچ کر دلِ تنگ تہ کس کس شکن سے نکلے
کیا بوالہوس کی مانند روز ایک یار چاہیں — ہم اور وہ آستانہ تا جان تن سے نکلے
اُٹھ کر دکھا دے تو بھی مجرے میاں وہ قامت — سرو اور نارون تو بن کر چمن سے نکلے
اس جستجو میں شاید ایک پھول تجھ سا پائے — جب جب نسیم آئے دھول ایک چمن سے نکلے
زمرے میں عاشقوں کے یادش بخیر رکھیں — نکلے تو نامِ حافظ اُس انجمن سے نکلے

دوستاں دخترِ رز توبہ ز مستوری کرد

بنتِ انگور نے پھر پردہ رخ دور کیا — محتسب پاس گئی کام بدستور کیا
نکلی شہر آئی ہوئی۔ پونچھیں عرق پاک کریں — کچھ نہ پوچھیں کہ بتا کس لئے مہجور کیا
عقد کی ٹھیرے، بہت بیٹھ چکی پردے میں — تا کجا خُم نے بھی ایک عمر تو مستور کیا
مطربِ عشق کو بھی چاہیے ملنا انعام — راگِ مستانہ سے پھر چارہ مخمور کیا
غنچہ عیش کھلا اپنا تری نکہت سے — مرغِ گلشن کو گلِ سور نے مسرور کیا
سات پانی سے دھلے کیا کہ نہ سو گنج سے جائے — خرقہ زہد پہ کیا رنگِ مے انگور کیا
تجھ سے افتادگی حافظ نہ چھٹے تا دشمن کو — اُس کے مال اور دل و دیں نے ہی مغرور کیا

درختِ دوستی بنشاں کہ کامِ دل بہ بار آرد

درختِ دوستی بونا کہ کامِ دل میں بار آئے — نہ بیخِ دشمنی رکھنا کہ آفت بیشمار آئے
ہے مہمانِ خراب آباد تو رندوں میں رہ چل کر — وگرنہ سر ہی پھوڑے گا اگر ظالم خمار آئے

غنیمت ہے یہ شب یاراں، نہ ہونگے ہم تو کل تک یاں
یہ گردوں ہو یونہی گرداں یہ ہی لیل و نہار آئے

بہارِ زندگی کیا چاہیں اس گلشن میں ہر موسم
کھلے گل سے اگر صد ہا تو بلبل سے ہزار آئے

عماری دارِ لیلیٰ! حکمرانِ مہر و مہ یا رب!
یہ کچھ ایسی کر کہ مجنوں تک بھی وہ ناقہ سوار آئے

دلِ وحشی کی تو زلفوں سے ہے دلبستگی پوری
ہلا دے لعلِ نوشیں کو کہ جاں کو بھی قرار آئے

پڑے کیوں سست دل یہ سینکڑوں من بارِ غم ہو کر
چلے ایک جرعہ مے پی کر یہ سستی سب اتار آئے

دعا حافظ کی پیری میں بھی ہے یا رب کہ بیٹھا ہو
لبِ جو ایک چمن میں سرو سیمیں بر کنار آئے!

دوش از جنابِ آصف پیکِ بشارت آمد

دربارِ آصفی سے پیکِ بشارت آیا
عشرت کی بزمِ شہ سے لے کر اشارت آیا

خوباں تمام اپنی اپنی جگہ پہ ہوں گے
وہ ماہِ مجلس آرا بہرِ صدارت آیا

خاکِ وجودِ یاراں گِل ہو گی آبِ مے سے
ویراں سرائے دل کا وقتِ عمارت آیا

کر عیب پوشی للہ! اے خرقۂ مے آلود
اس جیسا پاک دامن بہرِ زیارت آیا

اس شوخ چشم سے دل ایمان کو بچانا
جادوگرِ کماں کش کرنے کو غارت آیا

یہ شرح بے نہایت جو حسنِ یار کی ہے
ایک حرف لاکھ میں سے ہی در عبارت آیا

تاجِ فلک ہے تختِ جمشید۔ دیکھو ہمت
چڑھ اس پہ چیونٹا بھی با ایں حقارت آیا

دربارِ بادشاہ کا ایک بحرِ منفعت ہے
دوڑ اے زیاں رسیدہ، وقتِ تجارت آیا

آلودہ ہے تو حافظ کر کسبِ فیض شہ سے
گنگا نہا لے بحرِ ذخارِ ہمت آیا

در نمازم خمِ ابروئے تو گر یاد آمد

خمِ ابرو ترا مسجد میں اگر یاد آئے — ایسی رقت ہو کہ محراب سے فریاد آئے
ہم سے اب صبر و دل و ہوش کی اُمید نہ ہو — صبر جتنا تھا وہ سب لُٹ کے ہیں برباد آئے
نہ ستم توڑ زلیخا پہ بس اے یوسفِ مصر — کیوں ترا عشق ہو کیوں اُس پہ یہ اُفتاد آئے
بار بردار شجر بارِ تعلّق سے بنے — سرو اچھے رہے اِن جھگڑوں سے آزاد آئے
مَے بھی سب چمن چکی، مرغانِ چمن مست ہوئے — فصلِ گُل رکھنے کو پھر عشق کی بنیاد آئے
بُوئے بہبود زمانے کی ہوا میں ہے بھری — پھول پھولے نہ سمائیں تو صبا شاد آئے
دل فریبانِ نباتات لدے زیور میں — دلبر اپنا بھی مع حُسنِ خدا داد آئے
اے عروسِ ہنر اب شکوہ زمانہ کا نہ کر — حجلۂ حُسن سجا جلد کہ داماد آئے
مطرب ایک زور غزل لطف سے گا حافظ کی — پھر وہی عہدِ طرب اپنا مجھے یاد آئے

دلے کہ غیب نماست جام جم دارد

رکھے جو غیب نُما دل وہ جام جم رکھے — گئے جو مُہرِ سلیماں بھی کچھ نہ غم رکھے
نہ بخش دولتِ دل ہر فقیر صورت کو — دے ایسے شاہ منش کو جو مُحترم رکھے
نہ لائے تاب جفائے خزاں ہر ایک شجر — سزا ہیں سرو کو وہ ٹھونک کر قدم رکھے
نہیں کسی کو خبر سِرِ غیب کی خاموش! — کہاں وہ محرمِ دل رہ جو در حرم رکھے
گئے وہ لاف تجرد کے، اب تو سینکڑوں شغل — شمیمِ زلف سے دل روز صبحدم رکھے
پھر آئی فصل وہ جس میں مثالِ نرگسِ مست — نثارِ جام کرے ۲ و بھی جو درم رکھے

جو گُل کی طرح رکھے زرِ عزیز ساغر سے　　تو عقلِ کُل بھی بصد عیب متّہم رکھے
اُمیدِ خرقۂ حافظ سے منقطع کیجے　　صنم کو جیب میں ڈھونڈیں تو وہ صنم رکھے

در ازل ہر کہ بفیضِ دولت ارزانی بود

حُسنِ طالع یہاں ازل میں جب کو ارزانی رہا　　عیش و عشرت سے ابد تک ہمدمِ جانی رہا
قصدِ توبہ جب کیا تھا تب ہی گزرا تھا خیال　　توبہ کا انجام دیکھو گے پشیمانی رہا
گو رہا سوسن صفت کاندھے پہ ڈالے جانماز　　رنگِ مے خرقہ پہ ننگِ صد مسلمانی رہا
کُنجِ خلوت بھی فروزاں رنگِ مے سے چاہیے　　اندرونِ اہلِ دل جس طرح نورانی رہا
لطف کیا پائینگے صوفی اُن کی خلوت میں اگر　　بادہ ریحانی نہ ساقی مستِ روحانی رہا
بے فروغِ جام کیا خلوت نشینوں کی بہار　　وقتِ گُل یاروں کا جُبّہ مُجلِّ نادانی رہا
بزمِ عیش و نو بہار اور ردِ جام از دستِ یار!　　عمر بھر اے دوستو وجہ گراں جانی رہا
طبعِ عالی ہو، نہ ہو جامِ مرصع، رنگِ مے　　چشمِ میکش میں بہ از یاقُوتِ رمّانی رہا
بے سر و ساماں اگرچہ کچھ نہ پُچھتا ہو مگر　　ہر گدائے شہریاں محسودِ سُلطانی رہا
شہرت اچھی چاہیے تو صحبتِ بد چھوڑ دے　　خود پسندی میں بھی ایک اظہارِ نادانی رہا
بولے ایک صاحب کہ حافظ پیتا ہے پنہاں شراب"　　ہے بہت بہتر گُنہ صاحب جو پنہانی رہا!

دلم بے جمالت صفائے ندارد

وہ بے رُخ تو دل میں صفا ہی نہیں ہے　　یہ بیگانہ دل آشنا ہی نہیں ہے
دلِ پاکِ عشّاق مسکیں کی در کیا　　حسینوں میں اُس کی بہا ہی نہیں ہے

چلے جام ساقیِ گل رُو، جہاں کو — گلوں کی طرح سے بقا ہی نہیں ہے
گیا دل تو اندیشہ کیا ہو کہ اُس کی — خمِ زلف ہے اور جا ہی نہیں ہے
ڈریں سینۂ تنگ سے تیر اُس کا — اگر جا لگے تو دَوا ہی نہیں ہے
دلآرام کے پاس ہے اور سب کچھ — نہیں ہے تو مجھ سے وفا ہی نہیں ہے
دلِ پاک حافظؔ میں، کا البدر رَوشن — بلا مہرِ جاناں ضیا ہی نہیں ہے

دل شوقِ لبت مدام دارد

دلِ حسرتِ لب مُدام رکھے — کیا جانے وہ لب سے کام رکھے
جاں شربتِ مہر و بادۂ عشق — سینے میں بھرے مدام رکھے
آشفتۂ زلفِ یار دایم — خطروں سے گھرا مقام رکھے
ہو یار کا ہم نشین کیسے — جو خطرۂ خاص و عام رکھے
کیا پوچھ یہ سکتے ہیں کہ دلبر — اپنا جو ہے کیا وہ نام رکھے؟
خوش تو ہے وہی کہ یار کے ساتھ — صحبت جو علی الدوام رکھے
دل تیرا بھی پھانس لے بنفشہ — جو گل کو ہو زیرِ دام رکھے
اِک پل کا تو لطفِ بزم، حافظؔ — کُل جشن کے اہتمام رکھے

دوش در حلقۂ ما قصۂ گیسوے تو بود

چھڑ گیا رات یہاں قصۂ گیسو تیرا — پہونچا تا آخرِ شب سلسلۂ مُو تیرا
دل ترے ناوکِ مژگاں سے نہایا خوں میں — نہ چُھٹا پھر بھی کماں خانۂ ابرو تیرا

آفریں اُس کو، صبا ہی کچھ اُڑا لاتی ہو — کون ہے ورنہ شناسائے سرِ کُو تیرا
شور و شرِ عشق کے کچھ دہر میں محسوس تھے — فتنہ انگیز ہوا غمزۂ جادُو تیرا
کھول دے بندِ قبا، دل بھی ہوا کھائے ذرا — دلکشا اپنا ہے ہر گوشۂ پہلو تیرا
شاملِ اہلِ سلامت یہ پریشان بھی تھا — راہزن جب وہ ہوا طرۂ ہندو تیرا
قبرِ حافظ پہ گذر، تجھ کو وفا کی ہی قسم! — مرتے مرتے تھا اُسے شوقِ رُخِ دلجو تیرا

دوش می آمد و رخسارہ برافروختہ بود

رات آیا جو وہ رخسار برافروختہ تھا — تا کجا جل کے دلِ غمزدہ پھر سوختہ تھا
راہزنِ دین تھی وہ زلف اور وہ سنگین باطن — رہنما شعلِ رخسار برافروختہ تھا
رسمِ عاشق کشی اور شیوۂ شہر آشوبی — تھا وہ تن زیب کہ تن پر ہی ترے دوختہ تھا
ٹکڑے ہی کرنے کو کہتا تھا بظاہر لیکن — باطن ایک لطفِ نہاں بھی سوئے دل دوختہ تھا
یار دنیا کو نہ دے کوئی۔ کہ کئے روز چلا — وہ جو یوسف کے فروشندوں کا اندوختہ تھا
خونِ دل جمع کرے دیدہ بہائے ہیہات! — یوں لٹے آہ جو ایک عمر کا اندوختہ تھا!
دیکھتے ہی یہ کہا، خرقہ جلا، جا۔ حافظ! — ہائے یہ آنکھ پرکھ! کس کا وہ آموختہ تھا؟

دل من بدور رویت ز چمن فراغ دارد

ترے روبرو چمن سے یونہی دل فراغ دیکھا — کہ مثالِ سرو پابند و چوں لالہ داغ دیکھا
نہ ہوس تا و کیوں بنفشہ یہ جو زلف سے ہو ہمسر — کسی گھانس پھونس کا بھی کہیں یہ دماغ دیکھا؟
نہ کیوں مرغِ صبح او ہیں کریں اپنا خون دیدہ — طرب آشیانِ بلبل میں بسا ہے زاغ دیکھا

نہ بسانِ ابرِ بہمن رہیں زار اِس چمن میں — کہ اُسے تو مر گئے ہم، پہ وہی فراغ دیکھا
تُو خرام کر چمن میں، اُگا تختِ گل میں لالہ — بنا ایک مصاحب شہ لئے ایک ایاغ دیکھا
نہیں ہو گی زلف کی سر شبِ تار پیچ در پیچ — جو نہ شمعِ رُخ کا روشن سرِ رہ چراغ دیکھا
رہی روشنیِ رُخ میں بھی تو زلف رہزنِ دیں — یہی چور ایک دلاور کہ لئے چراغ، دیکھا
نہ جھکا سکیگی گردن یہ کوئی کمان ابرو — کہ جہانِ گوشہ گیری میں عجب فراغ دیکھا
سرِ وردِ مند حافظ تو ہے صرفِ درسِ اُلفت — کبھی مائلِ تماشا ہے نہ ذوقِ باغ دیکھا

دادگرا فلک ترا جُرعہ کش پیالہ باد

دادگرا! فلک ترا جُرعہ کشِ پیالہ ہو — دشمنِ دل سیہ رنگا خوں میں برنگِ لالہ ہو
تیرے محل کا یہ کلس، اس قدر اونچا ہو کہ بس — وہم کی بھی پہونچ کو ایک راہِ ہزار سالہ ہو
دُودِ چراغِ دہر ہی زلفِ سیہ بھریرے کی — جھومے نسیمِ بخت سے لہر میں جیسے کالا ہو
قمری و زہرہ تانیں لیں قدِ بلند پر ترے — نال پہ اُن کی مدّعی ہمدمِ آہ و نالہ ہو
عدل کے آسماں کا چاند، آدمیوں میں گل ہے تو — بادۂ ناب سے سدا تیرا بھرا پیالہ ہو
نُہ طبقِ فلک لئے پھرتے ہیں دُو جو قرصِ نال — خوانِ نعیم شاہ سے بذل کو ایک نوالہ ہو
دخترِ فکرِ بکر یہ ہو چکی شہ سے ہم کنار — مہر بھی اس عروس کے باپ کے اب حوالہ ہو
حافظِ شہ نے لکھ غزل دی بہ ثبوتِ بندگی — مہر کرم کرے۔ گواہ لطفِ حضور والا ہو!

دیر لیست کہ دلدار پیامے نفرستاد

مدت ہوئی خط بھی مرے نام ایک نہ بھیجا — خط کا تو ہے کیا ذکر۔ سلام ایک نہ بھیجا

صد ہا ہی خط اے شاہسواراں تجھے لکھے
تُو نے تو زبانی بھی پیام ایک نہ بھیجا

معلوم تھا اُڑنے کو ہیں طوطے دل و جاں کے
صد دامِ خمِ طُرّہ سے دام ایک نہ بھیجا

مجھ وحشی کی جانب کہ ہُوں ایک عقل رمیدہ
آہُو صفت و کبک خرام ایک نہ بھیجا

افسوس کہ اے ساقیِ شکر لب و سرمست
معلوم تھا مخمور ہوں جام ایک نہ بھیجا

دل ہیچ ترے لافِ مقامات، خط اُس نے
صد ہا ہی کئے کو ہیچ و مقام ایک نہ بھیجا

حافظ نہ گزر حدِ ادب سے کہ گلہ کیا
آقا نے جو خط بندے کے نام ایک نہ بھیجا

دی پیرِ میفروش کہ یادش بخیر باد

کل پیرِ مے فروش نے یادش بخیر باد
فرمایا پی شراب بھلا دل سے غم کی یاد

برباد دیدوں؟ میں نے کہا ننگ و نام کو؟
بولا کہ چل تو کہنے پہ تُو ہر چہ باد باد

سود و زیاں رہیگا نہ سرمایہ آخرش
پس غم کیے سے فائدہ رکھ اپنے دل کو شاد

بے خار گل نہیں ہے نہ بے نیش نوش ہے
کیا کیجئے جہاں کی بِنا ہی میں ہے فساد

بادہ سے بھر کے جامِ لبالب بگوشِ ہوش
سُن بیٹھ کر حکایتِ جمشید و کیقباد

جُز مت محل اُمیدوں کے جائیگا ہاتھ جھاڑ
لیجائے یاں تو تختِ سلیماں اُڑا کے باد

چاہے اگر کہ جان کو راحت نصیب ہو
رکھ دی ہی دل کی تہ میں غمِ عشق کی نہاد

حافظ اگر ہو پندِ حکیمانہ سے ملول
چھوڑ ہی یہ گفتگو ہی بس عمرت دراز باد

رو بر رہش نہادم و بر من گزر نکرد

سر رہ میں رکھ دیا ہے تو جا بے سپر نہ کر
ہر آنکھ سو اُمید ہے وا ایک نظر نہ کر

مرنا مثالِ شمع ہے قدموں میں آرزو
ہم تک گزر رہی رشکِ نسیمِ سحر نہ کر

ماہی و مُرغ میری فغاں سے نہ سو سکے
تُو شوخ دیدہ! تکیے سے اونچا بھی سر نہ کر

سیلِ سرشک کینہ نہ اُس دل سے دھو سکّو
خارا پہ صرف قطرۂ باراں اثر نہ کر

ہاں اور شوخ مُرغِ دلِ بال و پر کباب
سودائے خامِ عاشقی سر سے بدر نہ کر

اللہ اُس جوانِ دلاور کا ہو حفیظ
رُخ تیرِ آہ گوشہ نشیناں اُدھر نہ کر

تُو ہو جو کوئی سنگ دلِ بے ملاحظہ
جاں اُس کے زخمِ تیغ کے آگے سپر نہ کر

دلکش ہے قصّہ عشق کا حافظؔ کے کس قدر
وہ بھولتا نہیں تُو اُسے یاد کر نہ کر

رائے بزن کہ آہے بر سازِ آں توانکرد

وہ ئے ہو جس کی دُھن پر آہیں بھی ناتواں لیں
وہ شے ہو جس کو سُن کر پی ساغرِ گراں لیں

گر آستانِ جاناں پہ سر جھکا سکیں ہم
گلبانگِ سر بلندی اُٹھ اُٹھ کے آسماں لیں

کیا ذوقِ عشق و مستی حاصل ہو خانقہ میں
دیرِ مغاں میں ہوں تو پی بھی مئے مغاں لیں

ہائیں رہزنِ سلامت زلفیں تو کیا غضب ہے
رستے میں لُوٹ بد وہی نکلے کے کارواں لیں

قدِ خمیدہ اپنا بیکار ہی سہی پر
تیر آنکھ میں عدو کی ماریں تو یہ کماں لیں

نہرِ رواں ہیں آنکھیں! نکلے جلوسِ جاناں!
چھڑکاؤ کو دیں پانی میرے جو ئے رواں لیں

اہلِ نظر دو عالم دیں ہار ایک نظر پر
ہی عشق اس میں رکھو اوّل ہی نقدِ جاں لیں

ہم شرم سے کہیں کیا۔ ساقی تُو خود کرم کر!
ہو جائے نیم اشارہ ایک بوسۂ دہاں لیں

لائق نہیں گدا کے قصر و سرائے سلطاں
ہم اور ہمارا چھپر دیں آگ یا دُھواں لیں

عشق و شباب رندی سب جمع آرزو ہیں
لا ساقیا ہے مہلت ایک جامِ ارغواں لیں

دولتِ وصال کی گر ہوتی نصیب دیکھیں
مارے خوشی کے دُھن کر ہر پھول تنعاں ہیں

ہیں عقل و فہم و دانش دادِ سخن کو لازم
یکجا ہوں یہہ معانی تب اُد خوش بیاں ہیں

حافظ قسم قرآں کی چھوڑے جو ما دمن کو
کیا کیا نہ عیش تجھ کو گھیر آ کے درمیاں ہیں

روزِ وصل دوستداراں یاد باد

عہدِ صحبت ہائے یاراں یاد رکھ
وہ شب و روزِ بہاراں یاد رکھ

اب کسی میں بھی وفاداری نہیں
وہ وفاداریِ یاراں یاد رکھ

تلخیِ غم سے ہو جب تا حلق زہر
بانگِ نوشِ بادہ خواراں یاد رکھ

کیا میں بیچارہ علاجِ غم کروں
تو ہی رنجِ غم گساراں یاد رکھ

ایک بھی تیری نہ ہو یاروں کو یاد
دل تو یاروں کی ہزاراں یاد رکھ

پھنس گئے دامِ بلا میں دیکھیے
حق سہیِ حق گزاراں یاد رکھ

راز حافظ آج سے ناگفتہ بہ
وہ وفائے رازداراں یاد رکھ

رسید مژدہ کہ ایام غم نخواہد ماند

سنا ہے مژدہ کہ ایامِ غم ہیں کم باقی
رہا وہ عیش نہ رہ جائیں گا یہ غم باقی

مرصع طاقِ فلک پر ہو آبِ زر سے رقم
یہاں رہے گی فقط شہرتِ کرم باقی

نگاہِ یار میں ہم گرچہ خاکسار ہوئے
نہیں رہے گا عدو کا بھی یہ بھرم باقی

کسی بھی حال میں ہو شکر کر شکایت کیا
ہمیشہ کون رہا ہے بقیدِ غم باقی

سمجھ یہ شمع غنیمت وصالِ پروانہ
نہ ہو گی دیکھ یہ صحبت بھی صبحدم باقی

دیا ہے تجھ کو خدا نے کہ تو فقیر کو دے | نہیں رہیں گے یہ گنجِ زر و درم باقی
ترانہ مجلسِ جمشید کا تھا سنتے ہیں | تھے نہ جام، چلے عمرِ جم ہے کم باقی
مجھے تو ہاتفِ غیبی نے یہ بشارت دی | رہے گا کوئی نہ محرومِ از کرم باقی
وہ مہربان ہے حافظ تو بدگمان نہ کر | اثر جفا کا رہے گا نہ نقشِ غم باقی

رسید مژدہ کہ آمد بہار و سبزہ دمید

بہار آئی ہے جنگل ہرے ہیں۔ پائی نوید | وظیفہ ہو نہ بچے تو مصرف ایں دو ہی گل و نبید
بطِ شراب کہاں ہے پکارے مرغِ چمن | نقابِ گل میں پڑے شورِ عندلیب سے چھید
عذارِ ساقی مہوش سے آج چمن نے پھول | بنفشہ گردِ چمن کی کرے گی کل تجدید
بھرم کرشمۂ ساقی نے دل کا کھو ہی دیا | رہا نہ منہ جو کرے اب کسی سے گفت و شنید
جلا دوں، پھونک دوں، گلرنگ گیروا کپڑے | جو ایک گھونٹ کو بھی دے نہ میفروش خرید!
بغیر رہنما رکھنا نہ دشتِ عشق میں پاؤں | گیا نہ لے کے جو رہبر ملی نہ اُس کی رسید
وہ خاک سمجھے گا لذاتِ میوہ ہائے بہشت | نہ لطفِ سیبِ زنخداں یہاں ہوں جس کے چشید
نہ مشکلوں سے ہو دل تنگ رہ طریقِ ادب | کہ زحمتیں ہی اٹھا کر ہے راحتوں کی امید
عجائبِ رہِ عشق ؟ اے رفیق سینکڑوں ہیں | یہاں کے ہرنوں سے پڑتے ہیں شیرِ سرخ سپید!
اے خضرِ راہِ حرم ! رہنما ہو بہرِ خدا | نہیں ہے حدِ بیابانِ عشق کوئی پدید
نہ پایا دل نے کوئی باغ آرزو سے ثمر | نہ چلنے کی تھی نسیم کرم کو کیا تاکید ؟
شراب نوش و عطا جامِ زر ہو حافظ کو | معاف شہ نے کئے صوفیوں کے جرم شدید
چلی بہار گرم گستر اخیر تک لیجے! | تمام فصل نہ حافظ نے دیکھی شکل نبید

روزِ ہجران و شبِ فرقتِ یار آخر شد

روزِ ہجران و شبِ فرقتِ یار آخر ہے
فال کہتی ہے کہ ہر مشکل کار آخر ہے

وہ ہر ایک ناز و نخرہ جو خزاں کرتی تھی
سب طفیلِ قدمِ بادِ بہار آخر ہے

ہو گئے دل کے ہمارے بھی منور آفاق
نور میں آئے نکل گرد و غبار آخر ہے

وہ پریشانیِ شبہائے دراز و غمِ ہجر
سب تہِ سایۂ گیسوئے نگار آخر ہے

ساقیا عمر دراز! اور چھلکتا رہے جام
تیرے صدقہ وہ سب اندوہ خمار آخر ہے

شکر صد شکر! باقبالِ کلاہِ شہ گل
نخوتِ بادِ خزاں شورشِ خار آخر ہے

شک ہی بر عہدیِ ایام سے اب تک دل کو
کیا وہ سب قصۂ غم حالتِ زار آخر ہے؟

صبحِ امید جو پنہاں تھی پسِ پردۂ غیب
کہدو آ جائے کہ طولِ شبِ تار آخر ہے

وہ جو زلفوں نے مرے کام سب الجھائے تھے
ان کو سلجھا رہی ابروئے نگار آخر ہے

خیر حافظ کا نہیں تھا تو نہ ہو کوئی شمار
وہ تو سب کلفتِ بیحد و شمار آخر ہے

زاہدِ خلوت نشین دوش بمیخانہ شد

زاہدِ خلوت نشیں شب گیا میخانہ کو
جٹ گئے پیمان سب چکھ گیا پیمانہ کو

شاہدِ عہدِ شباب پا گیا شاید بخواب
دیکھنا اس عمر میں کیا ہوا دیوانہ کو

مغبچہ جاتا تھا ایک راہزنِ عقل و دیں
چھوڑ کے سب آشنا کر لیا بیگانہ کو

صوفیِ مجلس جو تھا جام و قدح توڑتا
کر دیا عاقلِ کل ایک جرعہ میں دیوانہ کو

نرگسِ ساقی نے کیا پڑھ کے یہ دم کر دیا
دردِ مراد دیدیا گردشِ پیمانہ کو

آتشِ رُخسارِ گُل خرمنِ بُلبُل جلا | چہرۂ خندانِ شمع آلیا پروانہ کو
رونا سحر شام کا شکر ہے حاصل نہ تھا | اشک نے پیدا کیا گوہرِ یکدانہ کو
منزلِ حافظ رہی بارگہِ کبریا | دل رہا دلدار پاس جاں گئی جانانہ کو

سالہا دل طلب جام جم از ما می کرد

جامِ جم کب سے طلب دل یہ کیا کرتا تھا | تھا بغل ہی میں جو تجھ مجھ سے تکا کرتا تھا
صدفِ کون و مکاں میں جو نہ تھا دُرِ طلب | ہر غریقِ لبِ دریا سے کیا کرتا تھا
مُشکل اپنی بھی یہ لے پیرِ مغاں پاس گیا | ایک نگہ میں جو ہر ایک عقدہ کو وا کرتا تھا
بیدل ایک۔ در ہمہ احوال نگہبانِ خدا | دیکھ کر دُور سے "از بہرِ خدا"، کرتا تھا
خوش و خنداں مجھے پایا و لیے ہاتھ میں جام | سیر اُس آئینہ میں جہانے کیا کرتا تھا
پوچھا اُستاد سے کب ہاتھ لگا تجھ کو یہ جام | بولا جب گنبدِ مینا کی بنا کرتا تھا
پوچھا وہ یار سر دار ہوا جس سے بلند؟ | راز کہتا تھا، کہا "بس یہ خطا کرتا تھا"
پوچھا یہ عقل کے نیرنگ؟ کہا سحر جو سب | سامری با یدِ بیضا و عصا کرتا تھا"
فیض روح القدس آمادۂ امداد ہو گر | ہم بھی دکھلا دیں مسیحا جو کیا کرتا تھا"
راز غنچے کی طرح دل میں نہاں رکھ کے نگار | شرح یک نکتہ میں سو صفحے رنگا کرتا تھا
پوچھا کیا لئے ہو بھلا سلسلۂ زلفِ بتاں؟ | بولا حافظ شبِ یلدا کا گلا کرتا تھا

سالہا دفتر ما در گرو صہبا بود

دفتر اپنا گرو قیمتِ صہبا ہی رہا | رونقِ میکدہ یہ درس و تعلّی ہی رہا

کاش سیکھے یہ کوئی پیرِ مغاں کے اخلاق
بدسے بدمست کا ہر فعل گوارا ہی رہا

پیرِ گلرنگ نے مُنہ کیل دیا یاروں کا
نیلے پوشوں کا ہر اک قصّہ گفتہ ہی رہا

جب تلک سایۂ فگن سر پہ سہی بالا تھا
پھُول سا میں لبِ جُو شاد تھا پھُولا ہی رہا

آبِ مے سے سندِ علم سراسر دھو ڈال
چرخ کو دیکھ لیا دشمنِ دانا ہی رہا

تیر مارا یہ غم آلودہ غزل میں مطرب!
کہ جو دانا تھا یہاں خون سے روتا ہی رہا

پیرِ پرکار کی مانند پھرا دل بھٹکا
پائے پرکار بنا نقطہ پہ برجا ہی رہا

قلبِ حافظ نہ قبول اُس نے کیا ناڑ گیا
کھوٹ تہ تک کا میں ہر چند چھپاتا ہی رہا

ساقی! حدیثِ سروؔ و گُلؔ و لالہ میرود

اب تک جو نامِ سرو و گُل لالہ جائے گا
ساقی نہ پیے ثلاثۂ غسّالہ جائے گا

مے دے کہ ہے عروسِ چمن حدِ حُسن پر
اب کام بن بکوششِ دلّالہ جائے گا

بادِ بہار آتی ہے گلشن سے شاہ کے
ژالہ سے پھر یہ بھر قدحِ لالہ جائے گا

غرقِ عرق وہ آئے گا تو عارضِ چمن
غیرت سے ڈوب در عرقِ ژالہ جائے گا

اُس چشمِ جادوانہ عابد فریب کے
ایک کاروانِ سحر بدنبالہ جائے گا

زر کھو کے اپنا سامری احمق بنے گا گو
موسیٰ کو چھوڑ در پئے گوسالہ جائے گا؟

شکر شکن نہیں گے سبھی طوطیانِ ہند
یہ قندِ پارسی ہر بنگالہ جائے گا

طےِ مکاں تو دیکھے کوئی در طریقِ شعر
یہ طفل یک شبہ رہِ یکسالہ جائے گا!

حافظ ہی شوقِ مجلسِ سلطان غیاثِ دیں
تو چپ نہ رہ کبھی تو پہنچ نالہ جائے گا

سروِ چمانِ من چرا میلِ چمن نمیکند

سروِ چماں ہمارا کیوں سیرِ چمن نہیں کرے؟ ہمدمِ گُل نہیں ہو کیوں، یادِ سمن نہیں کرے؟
نخلہ بیز ہے صبا۔ دامنِ پاک تیرا کیوں خاکِ بنفشہ زار کو رشکِ ختن نہیں کرے
تیغ کھنچے کمان ابرو کی۔ گرچہ ہزار منتیں گوشہ کشیدہ ہی رہے گوشِ سخن نہیں کرے
دستِ نسیم سے ہو جب زلفِ بنفشہ پُر شکن دل نہ کیوں یاد وعدہ عہد شکن نہیں کرے
گزرے وہ عطرِ پیرہن پھر بھی صبا سے ہی عجب خاک کو اُس گلی کی کیوں مشکِ ختن نہیں کرے
ساقیٔ سیم ساق وہ زہر بھی دے تو کون ہے جو کہ پیالہ کی طرح باز دہن نہیں کرے
طُرّہ کا اپنے جب گلہ مجھ سے سنا تو کیا کہا آہ یہ پیچ و تابِ دیسیاہ! گوشِ سخن نہیں کرے
ہو کے اُڑان دِل ہوا، چمن سے چینِ لعت میں اب سفرِ دراز سے عزمِ وطن نہیں کرے
آبرو مفت مت بہانیاں ان آنسوؤں کو خیر دُرجِ صدف میں پرورشِ دُرِّ عدن نہیں کرے
حافظا اگر تو مانتا تیغِ ادا نہ کھاتا یوں تیغ بسر ہو وہ اثر جس میں سخن نہیں کرے

سمن بویان غبارِ دل چو بنشینند بنشانند

سمن بویاں غبارِ دل جو بیٹھیں گے بٹھا دیں گے پری رُویاں قرارِ دل جب اُٹھیں گے اُٹھا دیں گے
اگر فتراک باندھیں گے تو جانیں ساتھ کس لیں گے نچوڑیں عنبریں زلفیں تو صد ہا دل گرا دیں گے
بہیں گے لعل رمانی بھی آنکھوں سے تو ہنس دینگے نہفتہ رازِ پیشانی سے سب پڑھ کر بتا دیں گے
قریب یکدم گر آ بیٹھیں گے فوراً اُٹھ کھڑے ہونگے اُکھاڑ کر تازہ نخلِ آرزو دل میں جما دیں گے
چڑھیں منصور وش بر دار برخوردار بھی ہوں گے دوا سے دردِ گر چاہیں گے دردِ بے دوا دیں گے

اگر پوچھیں گے درویشوں کے آنسو دُر ہی پائیں گے | سحر خیزوں سے گردن گر نہ پھیری دن پھرا دیں گے
جو با نیاز آئیں گے در پر وہی در ناز آئیں گے | اگر اس در سے راندیں گے بھی حافظ کو تو راہ دیں گے

سحرم دولت بیدار بہ بالیں آمد

سحر ایک دولتِ بیدار نے میرے بالیں | دی ندا آ کے کہ اُٹھ آتا ہے خسرو شیریں
پی کے ایک جام مگن ہو کے تماشے کو نکل | دیکھ آنے کے تو معشوق کے اپنے آئیں
بانٹ انعام گرہ کھول دے نافے کی ذرا | خود ختن سے ترے پاس آنے کو ہے آہوئے چیں
آبِ زاری سے رُخِ سوختہ جاناں پہ ہی پھر | نالہ ہے دادرسِ عاشقِ زار و مسکیں
مرغِ دل پھر ہے ہوادار کمانِ ابرو کا | ہیں کہیں صید گہ جس کے تن و جان و دل و دیں
کب تلک گرہیں لگائے گا ہوا ہیں آخر | ہاں خبردار کبوتر کہ وہ آیا شاہیں
ساقیا دے بھی مے اور چھوڑ غمِ دشمن و دوست | آئے یہ عین خوشی ہو جائے وہ جم جم آمیں!
آمدِ یار پری چہرہ کی شادی میں پلا | دل ہے غمگین و مئے لعل دوائے غمگیں
رسمِ بد عہدیِ ایام پہ آج ابرِ بہار | رو دیا دیکھ کے رنگِ گل و حالِ نسریں
شعرِ حافظ کے جو بلبل سے سُنے لپکی نسیم | سیرِ گل کرنے کو پھرتی دمِ عنبر آگیں

ستارۂ بدرخشید و ماہِ مجلس شد

بنا چمک کے ستارہ جو ماہِ مجلس تھا | دلِ رمیدہ کا اپنے انیس و مونس تھا
لکھا کبھی نہ پڑھا وہ نگار مکتب میں | مگر جو غمزہ تھا اُستادِ صد مدرس تھا
اُسی کی بُو پہ دلِ عاشقاں بدنبالِ صبا | فدائے عارضِ نسرین و چشمِ نرگس تھا

طرب سرائے محبت کی ہو گی اب تعمیر
کہ طاق ابروئے جاناں سا کب مُہندس تھا

بلا گئی مے وہی کرشموں نے عاشقوں کو پلا
خبر نہ علم کو کچھ تھی نہ عقل کو حس تھا

بنائے یار ہمیں میکدے میں صدر نشین
گدائے شہر جہاں دیکھا میر مجلس تھا

لبوں سے قطرۂ مے پونچھ! اُن کے دیکھتے ہی
ہزار شکلِ گُنہ سے یہ دل مُونس تھا

بندھی تھی آبِ خضر اور جامِ جم کی ہوا
نہ آشنائے مے جبتک کہ بو الفوارس تھا

گئے جو میکدے کو دوستو! پلٹ آؤ
گیا تھا حافظ اسی راہ، آیا مفلس تھا

ساقی ار بادہ ازیں دست بجام اندازد

ساقی! اِن ہاتھوں سے پُر بادہ اگر جام ہوئے
بادہ کش دیکھنا سب صوفیِ عظام ہوئے

دامِ گیسو میں اگر دیکھ لیا دانۂ خال
دیکھنا مرغِ خرد جتنے ہیں سب رام ہوئے

زاہد اس چاند پہ ٹوپی سرِ خورشید کی ہو
وہ مہِ تام سے طالع ہیں اگر جام ہوئے

سر پڑا پائے نگاریں ہیں کہ اڑ کر دستار
اے خوشا! ایسے جو بدمست مے آشام ہوئے

زاہدِ خام طمع بر سرِ انکار ہے پھر
پختہ کیا ہو کہ نہ دیدارِ مے خام ہوئے

دن کو گر کسبِ ہنر بادہ گُستی سے دن کی
دل کے آئینے بہت گھٹ کے سیہ فام ہوئے

گردِ آفاق کے شب چھوڑتی ہے پردۂ شام
پی ہے صبح فروغ اس لئے تو شام ہوئے

پی نہ با محتسبِ شہر و گر نہ حافظ
بادہ سب صاف، تو سنگسار ترے جام ہوئے

سحر چوں خسروِ خاور علم بر کوہساران زد

اُڑے جھنڈا شہِ مشرق کا جس دم کوہساروں پر
پھرے دستک زناں رحمت تری اُمیدواروں پر

ہوئی جب صبح پر روشن حقیقت مہرِ گردوں کی — نکل آئی لگایا قہقہہ ایک کامگاروں پر
جہاں لی اس نے پھر کی رقص میں زلفیں بھی کھل کھیلیں — بپا ہا پے ضربِ دل محفل میں برسی دل فگاروں پر
صلاح و تقویٰ سے ہم نے اُسی دن ہاتھ دھوئے تھے — کہ چشمِ بادہ پیما کی صلا تھی ہوشیاروں پر
کس آہن دل نے سکھلائے تھے یہ آئینِ عیاری — کیا چھٹتے ہی پہلا وار تو شب زندہ داروں پر؟
اُمنڈ آیا خیالِ شہسوارانِ قلبِ مسکیں پر — خدا ناصر! پڑا ہے قلب میں جا کر سواروں پر
میں با ایں خرقہ پشمیں پھنساؤں دام میں کیونکر — زِرَہ موجیں کے مژگاں برق زن خنجر گذاروں پر
شہنشاہِ مظفر فرِ پناہِ مُلک و دیں منصور! — ہنسے جس کی سخاوت ابر جیسے قطرہ باروں پر
ہُوا ہے جب سے جامِ مے مشرف اس کے ہاتھوں سے — زمانہ شاد و ساغر گیر گردش ہے میگساروں پر
اُسی دن فتح روشن اس کی تیغِ زر فشاں سے تھی — گرا خورشید انجم سوز بن کر جب ہزاروں پر
تعالیٰ اللہ! گہر پائے تراہیر نگِ ہستی جب — صفا سے اپنی چشمک زن ہو گُل پہ ہنر گاروں پر
دوامِ مُلک و عمرِ شہ کا طالب حق سے ہو حافظ — ازل سے سکۂ دولت ہے موزوں شہسواروں پر

سحر بلبل حکایت با صبا کرد

صبا سے صبح بلبل نے بکا کی — کہ عشقِ گُل نے حالت دیکھ کیا کی
قدم اُس نازنیں کے چوم تو لیجے — کہ نیکی جس نے بے رُو و ریا کی
نسیمِ صبحگاہی شاد رہیو! — کہ دردِ شب نشیناں کی دوا کی
نہیں بیگانوں کی ہرگز شکایت — عنایت سب یہ ہے ایک آشنا کی
نقابِ گُل کھلی جب زلفِ سنبل — کھچی گرہِ قبائے غنچہ وا کی
چبھا وہ رنگِ رُخ دل میں ہمیشہ — ہماری سیج کانٹوں سے سجا کی

فغاں تھی بلبلِ بیدل کی ہر سو — اُدھر اٹھکیلیاں بادِ صبا کی
طمع سلطان سے کرنی خطا تھی — وفا دلبر سے گر چاہی جفا کی
کمالِ دین و دولت بوالوفا نے — سرانِ شہر میں مجھ سے وفا کی
بشارت مے فروشوں کو ہو حافظ — قسم ہی کھا گیا زہد ریا کی

سرِ سودائے تو اندر سرِ ما می گردد

سر مرا عشق کے سودا میں بھرا پھرتا ہے — تو نہ دیکھ اس سرِ شوریدہ میں کیا پھرتا ہے
جس کا دل عشق کی چوگان میں اٹکا جا کر — گیند کی طرح پڑا بے سر و پا پھرتا ہے
ظلم و بیداد و جفا کیا نہیں ہوتا پھر بھی — دل ہمارا وہی در کوئے وفا پھرتا ہے
یہ نحیفی و نزاری و قدِ خم میرا — ماہِ نو کی طرح انگشت نما پھرتا ہے
ہجرِ گلزارِ رخِ یار میں یہ بلبلِ طبع — مدتوں سے یونہیں بے برگ و نوا پھرتا ہے
تیری یا دوری میں اے سرو قدِ لالہ عذار — مجھ سا آشفتہ و سرگشتہ صبا پھرتا ہے
جورِ افلاک سے اور غصۂ دوراں میں یہ دل — پیرہن صبر کا صد چاک پڑا پھرتا ہے
دلِ حافظ ہے ترے کوچہ میں دائم گرداں — چھانتا درد کی بیمار دوا پھرتا ہے

ساقی اندر قدحم باز مے گلگوں کرد

ساقی پیالے میں مرے پھر مے گلگوں دیدی؟ — پھر مے کہنہ و دیرینہ میں افیوں دیدی؟
غیر کو دی مے کہنہ تو نہ بیش از معتاد — میری نوبت پہ دگن بلکہ کچھ افزوں دیدی
یہ قدح نے اڑا یکبارگی سب ہوش و حواس — اس قدر دی کہ مرے ضبط سے بیروں دیدی

نہ سمجھنا کہ مرے کاسۂ و پیمانے ہیں
یہ بلا آج ہی کرنے کو جگر خوں دیدی

جس کو دل کہتے ہو اور خونِ جگر روزِ ازل
شورِ عشق اِن میں ملا کر مجھے مجنوں دیدی

ابتدا ہی سے بٹھا کر کسی اُستاد کے پاس
غیر کو عقل مجھے وحشتِ مجنوں دیدی

دل حافظ کو بتوں نے تو اِدھر بہلایا
اور اُدھر تُو نے دغا چشم پُر افسوں دیدی!

سپیدہ دم کہ صبا بوے بوستاں گیرد

نماز دم کہ جہاں رنگِ بوستاں لیلے
چمن میں لطف ہوا نکہتِ جناں لیلے

نوائے چنگ میں دلکش ہو وہ صلائے صبوح
کہ پیرِ خانقہ راہِ کوئے مغاں لیلے

شہِ سپہر پہ زرّیں سپر اُٹھائے ہوئے
بہ تیغِ صبح و عمودِ اُفق جہاں لیلے

بر غمِ زاغ سیاہ، شاہبازِ سدرہ نشیں
تہِ مقرنسِ زنگار آشیاں لیلے

عجیب جائے تماشا ہو بزم گاہِ چمن
کہ لالہ جام دے، نسرینِ ارغواں لیلے

غضب کی آتشِ گل صبحدم بھڑک اُٹھے
عجیب سوز دمِ مرغِ صبح خواں لیلے

عجیب پرتوہ نورِ چراغِ صبح دکھائے
عجیب شعلۂ دل شمع آسماں لیلے

خیالِ شاہی نہیں گر دماغِ حافظ میں
کیوں اُس کی تیغِ سخن عرصہ جہاں لیلے؟

شاہداں گر دلبری زینساں کنند

دلبری اے شاہدو اس شان میں
چھید زاہد کے پڑے ایمان میں

شاخِ نرگس وہ جہاں پھولے، اُگیں
گلعذار آنکھوں کے نرگس دان میں

یار اپنا جب کہ ہو گرمِ سماع
عرش پر قدسی بھی ہوں وجدان میں

ہو طلوعِ مہر طلعت صبح وار — آئینہ دل کا تو ہو رخشان میں
مردمِ چشم اپنے غرقِ خوں ہوئے — ہائے! انساں پر یہ ظلم انسان میں
گردنِ عشاق اُن کے بس نہیں — جو کہے تو! ہیں ترے فرمان میں
اپنی آنکھوں میں تو ایک قطرہ نہیں — کیا دھرا تھا نوح کے طوفان میں
ایک نگاہِ ناز کر تیری نظر — موت کو آساں کرے ایک آن میں
عیدِ دیدار آپ کی ہو تو سہی — ہم تو دیدیں جان بھی قربان میں
کھیل لے چوگان جوانِ سرو قد — خم نہیں جب تک ترے چوگان میں
غم میں خوش دل رہ کے اہلِ دل تمام — شاد ہیں فرقت کے آتشدان میں
مشقِ آہِ نیم شب حافظ نہ چھوڑ — منجھ کے دل تا صبح ہو رخشان میں

شراب بیغش و ساقی خوش دو دام رہند

شراب و ساقیِ مہوش وہ دامِ بے پنہ ہیں — کہ زیرکانِ جہاں اِن کی چاہ میں تبہ ہیں
ہُوا کروں جو میں ہوں رند مست و نامہ سیاہ — ہزار شکر کہ یارانِ شہر بے گنہ ہیں
نہ کر حقیر گدایانِ شہر کو، یہ لوگ — شہانِ بے کمر و خسروانِ بے کلہ ہیں
نہیں ہے فقر میں ظلم و ستم روا ہرگز — پلاؤ بادہ! یہ سالک برعکس مردِ رہ ہیں
غضب سے کوکبۂ دلبری نہ پائے گزند — قرار چاکر و لرزاں غلامِ بارگہ ہیں
مرید کرتے ہیں دُردی کشانِ واحد رنگ — نہ وہ کہ گیروا اُن کی عبائیں دل سیہ ہیں
قدم نہ رکھیئے خرابات میں مگر بہ ادب — یہاں جو رہتے ہیں سب محرمانِ دشہ ہیں
نہ بھولیو! کہ ہو جب اوج موج پر رحمت — ہزار خرمن طاعت کو لیتے ایک جَوہ ہیں

جنابِ عشق ہے حافظ بلند ہمت کر
وہ ٹھوکروں کو پھسلنے کی دیتے کب جگہ ہیں

شاہد آں نیست کہ موئے ومیانے دارد

وہ حسیں کیا جو فقط مُو و میاں رکھتا ہے
دل اُسے دے جو کوئی حُسن میں آں رکھتا ہے

صورتِ حور و پری غیرتِ لطیف، اُس سے بھی خوب
وہ لطافت کہ جو اک دستِ فلاں رکھتا ہے

چشمۂ چشم کو بھی تو گلِ خنداں دیکھے
دیکھے کیا اُس کے لئے آبِ رواں رکھتا ہے

نغمہ زن بلبلِ سنجیدہ تو ہو گی نہ وہاں
جو چمن ساتھ لگا خوفِ خزاں رکھتا ہے

قدر اندازوں میں سیری ہو کمانِ ابرو
دے اُسے نذر کماں یاں جو کماں رکھتا ہے

تجھ سے کون آگے نکل سکتا ہے خود مہر فلک
پار کابوں میں نہ ہاتھوں میں عناں رکھتا ہے

بالیقیں کوئی نہیں محرمِ رازِ رہِ عشق
حسبِ فہم اپنے ہر اک وہم و گماں رکھتا ہے

نہ خرابات نشینوں میں کرامات بکھار
ہر سخن موقعہ و ہر نکتہ مکاں رکھتا ہے

تجھ کو بھایا تو مرا شعر ہے دلدوز ضرور
تیر ہے حرفِ محبت بھی نشاں رکھتا ہے

مدعی جائے کہو اُن جھے نہ حافظ سے کبھی
ورنہ اُس کا بھی قلم نوکِ زباں رکھتا ہے

شراب وعیش نہانیست کارِ بے بنیاد

شراب و عیشِ نہاں نیست لغو و بے بُنیاد
یہ آ پڑے صفِ رنداں پہ اب تو باد اباد

شگفتہ باش و نہ کچھ گنبدِ سپہر کی پوچھ
کہ ہوش گم ہے یہاں ہر مہندس و اُستاد

نہ انقلابِ جہاں پر بھی کوئی حیرت ہو
بکھنڈ ایسے ہزاروں ہیں آسمان کو یاد

ذرا ادب قدح تھام اُس کی طینت میں
سرشتہ ہے سرِ جمشید و خاکِ کے و قباد

بتائے کون جم وکے کہاں گئے نہ خبر — کسی کو اس کی کہ کیوں تختِ جم گیا برباد
بحسرتِ لبِ شیریں ہی جانئے اِس کو — ہنوز لالہ کھلاتی ہے تربتِ فرہاد
مگر ہے لاے کو کچھ علم بے وفائیٔ دہر — کہ جام اُٹھا کے رہا جیتے جی نہ رکھنا یاد
رکھا نہ ہاتھ سے گر جام کیا قباحت ہے — حریفِ پاک ترا اس سے نہیں ہے ملنا یاد
دف اور چنگ کے ناوں پہ میکشی کی رہے — بندھا ہے سازِ طرب کے ہی تار سے دلِ شاد
اِدھر تو آؤ کوئی دم خراب بھی رہ لیں — خزانہ بھی تو دلا دیتا ہے خراب آباد؟
جو گور رہی گزری ترے عشق میں وہ حافظ پہ — الٰہی پائیں شکست عاشقانِ دست. مباد!

صوفی نہاد دام و در حلقہ باز کرد

صوفی بچھاکے دام و در حلقہ باز کر — خود چرخِ حیلہ ساز سے بیٹھا ہے ساز کر
نیچا ہی آسمان دکھائے گا ٹھیر جا — کچھ اور مکر و شعبدہ با اہلِ راز کر!
آ ساقیا کہ شاہدِ رعنائے صوفیاں — پھر جلوہ گر ہوا وہی انداز و ناز کر
مطرب یہ کیا کہ ٹھاٹھ بدل کر عراق کے؟ — آہنگِ بازگشت میں ہے اب حجاز کر؟
ہم در امان و حفظِ خدا۔ تُو جو کر سکے — اے آستینِ کوتہ و دستِ دراز، کر
بن امت ریا سے جس نے محبت میں فن کئے — عشق اُس سے چلد یاد رِ لعنت فراز کر
اے کبکِ خوش خرام! چلی ناز سے تو ہو — بلی کا اعتبار نہ تو بہ نماز کر
ہونا ہے پیش گاہِ حقیقت میں کل ہی پیش — شرمندہ واں نہ ہو تو نظر بر مجاز کر

حافظ نہ کر ملامتِ رنداں ازل کے دن
زہدِ ریا سے تجھ کو دیا بے نیاز کر!

صوفی ار بادہ بر انداز خورد نوشش باد

صوفی انداز سے پی بادہ تجھے نوش رہے
بادہ نوشی ہی تجھے ورنہ فراموش رہے

ایک چلو بھی جو یہاں ہاتھ سے دینا جانے
دائما شاہدِ مقصود در آغوش رہے

آنکھ گر آئینہ دارانِ خط و خال سے ہو
لب بھی از بوسہ ربایانِ لبِ نوش رہے

اِس گدا سے نہ کرے کبر سے گو بات کوئی
جاں فدائے شکریں پستۂ خاموش رہے

نرگسِ مست، نوازش بھری، مردم صورت
خون عاشق کے بھرے جام پئے نوش رہے

کون یہ شاہسوارِ خوش و خرم ہے خدا
دو جہاں اس کا فدائے علم و دوش رہے!

شاہِ ترکانِ سخن مدعیاں سنتا ہے
حیف! یاد اس کو نہ گر خونِ سیاوش رہے

قلمِ صنع میں دیکھے نہ خطا اپنا پیر
روشن اس کی نظرِ چشم خطا پوش رہے

بندگی میں تری حافظ ہوا مشہورِ جہاں
حلقۂ زلف ترا اس کا درِ گوش رہے

صبا وقت سحر بوئے ز زلف یار می آورد

صبا وقتِ سحر خوشبوئے زلفِ یار لاتی تھی
دل بیکار کو پھر کے بنا باکار لاتی تھی

بر شکِ تارِ زلفِ یار دُرِ صبح پر مارے
صبا جو چیدۂ مشکیں نافۂ تاتار لاتی تھی

ضیائے ماہ دیکھی اس کے بامِ قصر سے روشن
خجل خورشید کو کرتی پسِ دیوار لاتی تھی

سراسر بخشش جاناں تو اضع لطف و احساں تھی
کہیں تسبیح دیتی تھی کہیں زنار لاتی تھی

تماشا ہوتا تھا زلفِ گرہ گیر اسکی جب دُھن سب
اُڑا لاتی دل کہ دشمن کی زباں اقرار لاتی تھی

بقولِ مطرب و ساقی گیا بیرہ بھی کیا کیا
کہ قاصد کو وہ چکر میں رہِ دشوار لاتی تھی

اکھیڑا جڑ سے، پھینکا سینے سے شاخِ صنوبر کو — کلی جو غم کی کھلتی تھی مصیبت بار لاتی تھی
بھگایا خوں گرفتہ دل کو جس کے خوفِ غارت نے — وہی آنکھ اُس کا خون کرتی بحالِ زار لاتی تھی
عجب تھا دستِ حافظ دستِ نختِ زمینِ شب لیکن — نہ ٹوکا ہم نے محفل میں کہ صوفی وار لاتی تھی

صبا بہ تہنیتِ پیرِ میفروش آمد

صبا بہ تہنیتِ پیرِ مے فروش آئے — کہ موسمِ طرب ایّام نا و نوش آئے
ہوا مسیح نفس ہے نسیم نافہ کشا — درخت سبز ہیں بلبل بھی در خروش آئے
کنول ہیں لالے کے بادِ بہار سے روشن — پسینے غنچہ کو گرمی سے گل کو جوش آئے
بگوشِ دل سنو! مانو! مدام عیش کرو! — یہ صبح اُٹھتے ہی آواز میرے گوش آئے
وہ ایسی مُرغِ سحر کیا پڑھا دے سوسن کو — کہ بارہ ہاتھ کی لے کر زباں خموش آئے؟
یہ مجلس اُنس ہے نامحرموں کا یہاں کیا کام — پیالہ ڈھانک لو یارو جو خرقہ پوش آئے
ترے بھلے کی ہے آ تو بھی بادہ نوشی کر — یہاں تو بن گئے زاہد جو بادہ نوش آئے
چلا جو میکدے کو خانقہ سے جا حافظ — بھلے کو اب بھی جو زہدِ ریا سے ہوش آئے

طایرِ دولت اگر باز گزارے بکُند

طایرِ بخت جو مُنہ رُخ پہ ہمارے کر لے — یار پھر آئے اور اقرار بھی سارے کر لے
دُر و گوہر کا نہیں آنکھ میں اب نام تو کیا — خون کے جمع نچھاور کو شرارے کر لے
شہر عشاق سے خالی ہے مگر ممکن ہے — غیب سے آکے کوئی کام سنوارے کر لے
میرے حالات کہے اور تو کس کی یہ مجال — گوش زد اُس کے صبا چاہے تو سارے کر لے

باز چھوڑا تو ہے سُرخاب پہ لیکن اے بخت
پھر کے آ جائے وہ کچھ صید بھی بارے کر لے

ہے سخی کوئی کہ دے بزمِ طرب سے ایک گھونٹ؟
غمزدہ دفعِ خمار اس کے سہارے کر لے؟

یا وفات اپنی، خبر وصل کی، یا مرگِ رقیب
چرخ ایک کام تو کہنے سے ہمارے کر لے

لب سے پوچھا تو ہے۔ اُمیدِ شفا کی کر لوں؟
ہاتفِ غیب یہ سنتے ہی پکارے "کر لے"

در سے حافظ نہ اُٹھا اُس کے تو آخر ناچار
لانگ کر جائے وہ یا خود کو کنارے کر لے

عکسِ روئے تو کہ در آئینۂ جام افتاد

رُخِ روشن سے جھلک آئینۂ جام پڑا
پرتوِ مے پہ ایک صوفی ناکام پڑا

وہ تری جلوہ گری روزِ ازل زیرِ نقاب
عکس چھن چھن کے گرا بر رُخِ افہام پڑا

عکسِ مے اور نہ شیشے کی چمک چوند یہ سب
ایک فروغِ رُخِ ساقی سے جھلک جام پڑا

غیرتِ عشق سے ہیں گنگ زبانِ جملہ خواص
راز پھر کیسے کھلا در دہنِ عام پڑا؟

مجھ ہی دل سوختہ پر آپ نے کیا کیا ہیں کرم
ایک گدا میں ہی نظر لائقِ انعام پڑا؟

پاک ہیں، پاک نظر، فائزِ مقصود ہوئے
وہ جو کج ہیں تھا رہا در ہوسِ خام پڑا

زیرِ شمشیرِ الم رقص کناں جاؤں گا
اُس کے کشتوں کا نظر نیک ہی انجام پڑا

چھوٹ کر چاہِ زنخداں سے پھنسا زلف میں دل
چاہ سے آہ نہ نکلا تھا گلے دام پڑا

اب کہاں خانقہ میں یار ہمیں پائیں گے
کام تم سے لبِ ساقی و مے و جام پڑا

کیا میں مسجد سے خرابات کو خود جا پہنچا؟
یہ تو قرعہ تھا ازل ہی میں مرے نام پڑا

کیا کرے پھرتا ہے پرکار سا آگے پیچھے
تیرے چکر میں جو اے گردشِ ایام پڑا

کون صوفی ہے جو میخوار و نظر باز نہیں
ایک بے چارہ حافظ کا نکل نام پڑا

عشقت نہ سرسریست کہ از سر بدر شود

کیا عشق سرسری ہے کہ بے سر کے جائے گا؟ ‏ ‏ شوقِ عارضی کہ گردِ کسی در کے جائے گا؛
پھر اس کی سن میں عشق دل و جان و تن میں ہو ‏ ‏ گھٹّی میں تھا یہ گور میں اب مر کے جائے گا
وہ درد دردِ عشق ہے جس کے علاج میں ‏ ‏ کو نشاں جو ہشیار ہو تبر کر کے جائے گا
یہ زندہ رود لاگ پہ ہو جس کی اشک ریز ‏ ‏ کشتِ عراق پانی سے سب بھر کے جائے گا
ہالہ تھی زلف رات کو گردِ رخِ نگار ‏ ‏ دیکھے گا مہ تو ابر میں چھپ کر کے جائے گا
پوچھا جو ابتدا کروں بوسے سے؟ بولا ٹھیر ‏ ‏ عقرب سے اب یہ ماہ بدر کر کے جائے گا؛
پی یادِ لعلِ لب میں دھڑا دھڑ نہ اس طرح ‏ ‏ خُل اس کا گھر میں دشمنِ کافر کے جائے گا
حافظ تو سر نکالے گا پابوس کے لئے ‏ ‏ تُو بھی لحد پہ اُس کی قدم دھر کے جائے گا؛

غلام نرگس مست تو تاجدار انند

غلامِ نرگسِ مست اُس کے تاجداروں میں ‏ ‏ خرابِ بادۂ لعل اُس کے، ہوشیاروں میں
حیا اِدھر تو اُدھر آبِ دیدہ ہے غمّاز ‏ ‏ ہیں ورنہ عاشق و معشوق رازداروں میں
کبھی تو زلف کی چلمن سے جھانک لے چپ چاپ است ‏ ‏ کہ کیسے کیسے دو طرفہ ہیں بیقراروں میں
بنفشہ زار کی آ کر ہوا کو دیکھتا جا ‏ ‏ کہ طولِ زلف کے کیا کیا ہیں سوگواروں میں
نہیں ہوں اس گلِ عارض پہ میں ہی نغمہ سرا ‏ ‏ ہیں عندلیب ترے ہر طرف ہزاروں میں
بس اے رقیب زیادہ نہ خودستائی کر ‏ ‏ ہیں ساکنانِ درِ دوست خاکساروں میں
بہشت حق ہی ہمارا تو بے گناہ ہے جا ‏ ‏ کہ مستحقِ کرم ہیں گنہگاروں میں

تو دستگیر ہوا ے خضرِ پے خجستہ مرے
پیادہ پا ہوں یہاں میں ہی اک سواروں میں

چل آ کے میکدے میں چہرہ ارغوانی کر
نہ خانقاہ کے رل تو سیاہ کاروں میں

کمندِ زلف سے حافظ نہ ہو نجات تجھے
ہیں بستگانِ کمند اُس کے رستگاروں میں

قتل ایں خستہ بہ شمشیر تو تقدیر نہ بود

موت میری تری شمشیر سے تقدیر نہ تھی
دلِ بیرحم کی تیرے کوئی تقصیر نہ تھی

جوہر اُس آئینۂ حُسن کے کیا ہیں یارب
سینکڑوں آہوں کو اک بھاپ کی تاثیر نہ تھی؟

پائے میخانوں میں حیراں ہو شناسا تیرے
خانقاہوں میں تو وہ صورتِ یک پیر نہ تھی

دل سا دیوانہ ہوا اور چھوٹے وہ خانۂ زلف
زلف تھی اُس کے لئے لوہے کی زنجیر نہ تھی

نازنیں تر چمنِ حُسن میں اُس قد سے نہ تھا
خوشتر اُس شکل سے در عالمِ تصویر نہ تھی

ہو سکیں ہم بھی صبا زلف تلک اُس کی رسا
یہ بھی حاصل غرض از نالۂ شبگیر نہ تھی

وہ جلا آتشِ ہجراں ترے ہاتھوں آخر
شمع ساں خودکشی کروں کوئی تدبیر نہ تھی

ہجر حافظ کو تھا اک آیتِ تکلیف و عذاب
اِس قدر صاف کہ کچھ حاجتِ تفسیر نہ تھی

قطرۂ اشکے کہ میریزم ز چشم تر سفید

قطرہ آنسو کا ڈھلکتا ہے جو پلکوں پر سپید
ہجر کی شب میں رہی ہوتا ہی ایک اختر سپید

کب ہمائے وصل نے میری طرف کا رُخ کیا
کر چکی گو ہڈیاں بھی فرقتِ دلبر سپید

تیر تیرا جب کوئی پہلو میں آ کر چبھ گیا
لگ گیا بازو میں ایک مثلِ کبوتر پر سپید

ساقیا منہ سے لگائے تو اگر جامِ شراب
سُرخ ہو تیرے لبوں کے عکس سے ساغر سپید

ماہِ نوکب ہے اگر سے یہ تو ظالم چرخ نے | خونِ عاشق کے لئے باندھا ہے ایک خنجر سپید
اُن لبِ ونداں کو حافظ گفتگو کے وقت دیکھ | لعل کی ڈبیا میں گویا بھر دیئے گوہر سپید

کلک مسکین تو روزے کہ زما یاد کند

گر مجھے وہ قلمِ مشک رقم یاد کرے | پائے ایک اجرِ دو صد بندہ کہ آزاد کرے
قاصدِ حضرتِ سلمیٰ کو زوال آئے نہ کچھ | یہاں بھی ایک لائے سلام آن کے دل شاد کرے
ڈال دے خسروِ شیریں کے خدایا دل میں | پئے سپر آکے کبھی تربتِ فرہاد کرے
مدحِ مداح کی محتاج نہیں آبِ گُہر | وصفِ مشاطہ کا کیا حُسنِ خداداد کرے
عشوۂ عشق سے فی الحال کھُدی نیو تلک | آگے کیا فکرِ حکیمانہ وہ بنیاد کرے
آزما تو سہی ہاتھ آئے ہیں کیا گنجِ مُراد | اس خرابی سے اگر پھر مجھے آباد کرے
شاہ کو طاعتِ صد سالۂ زاہد سے سوا | اجر اُس لمحے کا جس میں وہ کوئی داد کرے
راہِ مقصود نہ شیراز میں پائی حافظ | کون دن ہوگا کہ رحلت سوئے بغداد کرے

کسے کہ حُسنِ رُخِ دوست در نظر دارد

جمی جو حُسنِ رُخِ دوست پر نظر رکھے | وہی تو اہلِ نظر حاملِ بصر رکھے
اُسی کو ہوگا میسر وہ بوسۂ دامن | پڑا ہی رہتا ہو جو آستاں پہ سر رکھے
یہاں تو وصل کا پائے وہ شمع پروانہ | برائے قطع جو تیار سر پہ پسر رکھے
قلم کی طرح ہو سجدے میں خطِ فرماں پہ | اُٹھائے تا نہ وہ خود سر کو تیغ پر رکھے
جو راہِ تقویٰ سے بھٹکا ہو بال بھر بھی | بعزمِ میکدہ تولے وہ آج پر رکھے

ہو زہدِ خشک سے جی بدمزہ تو دیں مَے ناب — کہ اُس کی بو بھی تو دل خوش دماغ تر رکھے
زیادہ گر نہیں، اس سے بھی کم نہ ہو کہ ذرا — بُھلا دے وسوسۂ عقل بے خبر رکھے
رقیب دیکھ کے ایک دن لگا ہی بیٹھا تیر — تمہارے واسطے تھا سینہ میں سپر رکھے
دل شکستۂ حافظ بھی ہوگا طعمۂ خاک — برنگِ لالہ یہ سب داغ بر جگر رکھے

کے شعرِ تر انگیزد خاطر کہ حزیں باشد

کیا شعرِ تر آئے گا دل سے جو حزیں ہوگا — عاقل کو اشارہ یہ ناکافی نہیں ہوگا
گر نقشِ اماں پائے مُہرِ لبِ لعلیں سے — بندہ یہ سلیمانِ کُل روئے زمیں ہوگا
حاسد کی شماتت سے غمگیں نہ ہو گر سوچے — کچھ نفع ہی نقصاں میں پوشیدہ کہیں ہوگا
پہونچے نہ قلم کے جو خیالات و عجائب کو — رکھیں گے بُتوں میں گو صورت گرِ چیں ہوگا
ایک ساغرِ مے پائے ایک خونِ جگر کھائے — اقلیمِ مقدر میں دستور یُونہیں ہوگا
درحقِ گلاب و گُل تھا حکمِ ازل یونہی — ایک شاہدِ بازاری ایک پردہ نشیں ہوگا
زندہی کبھی حافظ سے چھوٹے۔ یہ نہیں ممکن — یہ قطعِ تعلّق تو بس روزِ پسیں ہوگا

گُل بے رُخِ یار خوش نہ باشد

گُل بے رُخِ یار کیسے بھائے؟ — بے بادہ بہار کیسے بھائے؟
سیرِ چمن و ہوائے گلشن — بے لالہ عذار کیسے بھائے
لہرانا گلوں کا سرو کا رقص — بے صوتِ ہزار کیسے بھائے
باغ و گُل و مُل ہی خوب لیکن — بے صورتِ یار کیسے بھائے!

شیریں لبِ یار، گُل بدن بھی   بے بوس و کنار کیسے بھائے
ہر نقش و نگارِ دستِ صنعت   بے دستِ نگار کیسے بھائے
یہ ڈیڑھ ٹکے کی جان حافظ   تو دے جو نثار کیسے بھائے؟

کنوں کہ در چمن آمد گُل از عدم بوجود

چمن میں آگیا اب تو عدم سے گُل بوجود   بنفشہ قدموں میں لیٹی پڑی ہے سر بسجود
چڑھائے جام صبوحی بہ غلغلِ دف و چنگ   اُڑائے بوسۂ ساقی بیا ہے رقص و سرود
یہ چمن میں تازہ کرآئینِ دینِ زرتشتی   بہارِ لالہ نے روشن کی آتشِ نمرود
پلائے ساقیِ سیمیں عذار عیسیٰ دم   شراب مانگ، پرے رکھ یہ ذکرِ عاد و ثمود
گُلوں کی کثرت و رونق سے آسمان ہے زمیں   طفیلِ اخترِ میمون و طالعِ مسعود!
گُلاب شاخِ ہوا دار میں سلیماں وار   طیورِ صبح سُناتے ہیں نغمۂ داوُد
جہاں ہو خلد کی صورت، ہو دورِ سوسن و گُل   ولے چہ سُود؟ نہیں جب اُسے دوامِ خلود
شرابِ و مطرب و ساقی نہ کچھ بچے باقی   کہ ایک ہفتے میں ہو جائیں گے یہ سب نابود
پلائیے جام لبالب بہ یادِ آصفِ عہد   وزیرِ مُلکِ سلیماں عمادِ دیں محمود
بعید اُس کی نوازش سے کیا کہ حافظ کو   جو ٹھاٹھ چاہئیں جلسے کو سب کریں موجود

کارم ز دورِ چرخ بہ ساماں نمی رسد

دورِ فلک سے عیش کے ساماں نہ پائے گا   دل خون ہو گا درد کا درماں نہ پائے گا
ہڈی سے گوشت کر نہ سکے گا کبھی جدا   جب تک بہت سے زخم بھی دنداں نہ پائے گا

حد ہی کہ ہو کے جان سے عاجز بھی اہلِ فضل
کرنے دراز دست سوئے جاںؔ پائے گا

سیر اپنی جان سے ہوں جو سچ پوچھئے اُفے
کیا کر سکے گا بندہ جو فرماں نہ پائے گا

جاہل کی دھوم ہو گی پرے آسمان کے
عالِم کا نالہ آنسوئے کیواں نہ پائے گا

جب تک زمیں سے خار نہ پیدا ہوں بیشمار
گل بُن سے بارِ گل بہ گلستاں نہ پائے گا

یعقوب کے ہوں دیدے سفید انتظار میں
جانے وہ شہرہ مصر کا کنعاں نہ پائے گا

صوفی چھٹے گا دل کا ترے زنگ بادہ سے
خرقے کی شست و شو سے تو غفراںؔ پائے گا

حافظؔ یہ راہِ عشق ہے یہاں صبر چاہیئے
جو اس میں جاں نہ دے گا وہ جاناںؔ پائے گا

گر میفروش حاجت رنداں روا کند

گر میفروش حاجت رنداں روا کرے
مالک گناہ بخش دے دفعِ بلا کرے

جس کارخانہ میں نہیں کچھ دخلِ علم و عقل
وہم فضول رائے ضعیف اُس میں کیا کرے

مطرب یہی الاپ کہ بن ٹھنے کون جائے
کچھ اور راگ گائے تو بیشک خطا کرے

رنج آئے پیش یا تجھے راحت سُن اے حکیم
غیر از خدا نہ جان. سمجھ لے خدا کرے

اِس دردِ عشق اور بلائے خمار کی
یا وصلِ دوست یا مےِ صافی دوا کرے

واللہ پائے جیتے جی یہاں مژدہ اماں
سالک اگر بعہدِ امانت وفا کرے

ساقی پلائے عدل کے کانٹے میں تول کے
نیچے فقیر کیوں. کہ جہاں پر بلا کرے

جاں مے کے واسطے گئی حافظؔ ستم ہُوا
عیسیٰ بھی اب نہیں جو دوبارا عطا کرے!

گرچہ بر واعظِ شہر ایں سخن آساں نشود

واعظِ شہر کہیں سن کے پریشان نہ ہو
تا کوئی رنگِ ریا میں ہو مسلمان نہ ہو

اسمِ اعظم بھی ہے مصروفِ عمل دل خوش رہ
مکر و تلبیس سے ابلیس سلیمان نہ ہو

گوہرِ پاک بلا شبہ کرے کسبِ فیوض
کنکری دُر نہ بنے، ٹھیکری مرجان نہ ہو

بزدلی سے جو لرز جائے بتوں کے آگے
بھینٹ البتہ وہ شائستۂ قربان نہ ہو

حُسنِ اخلاق بھی اس حُسن کو دے بارِ خدا
بندہ اس وجہ سے آئندہ پریشان نہ ہو

سیکھ رندوں سے، کرم پیشہ ہو، کچھ فخر نہ جان
مے نہ پینے سے کوئی جانور انسان نہ ہو

درد اپنا جو طبیبوں سے چھپائے رکھے
ایسا بیمار کبھی قابلِ درمان نہ ہو

عشق سیکھا ہے اس امید میں یہ فنِ شریف
اور پیشوں کی طرح موجبِ حرمان نہ ہو

کل کا وعدہ تھا کیا اس نے مگر رات کے وقت
شب کی نیت سے الٰہی وہ پشیمان نہ ہو

ہو نہ ذرے میں اگر ہمتِ عالی حافظ
رُو کشِ چشمۂ خورشیدِ درخشان نہ ہو

گر من از باغ تو یک میوہ بہ چینم چہ شود

گر ترے باغ سے ایک میوہ اٹھاؤں کیا ہے؟
روشنی میں تری کچھ دیکھ لوں بھاؤں کیا ہے؟

چھانو میں بیٹھ کے اس سروِ سہی کی یارب
مَیں بھی دل سوختہ راحت کوئی پاؤں کیا ہے

گر ترا خاتمِ جمشیدِ سلیماں آثار
نقش ایک دل کے نگینے پہ اٹھاؤں کیا ہے

تجھ کو اخلاص فقہ و شحنہ سے اے زاہدِ شہر
مَیں بھی دل گر کسی مَہوش سے لگاؤں کیا ہے

مے و معشوق میں ہی صرف ہوئی عمرِ عزیز
اب جو دیں اس سے بھی بہتر ہو یہ کیاؤں کیا ہے؟

یاں بھی ہے کوئے بتاں مسکن و ماوائے میرا
واں بھی گر خلدِ بریں میں ہی میں جاؤں کیا ہے

گھر سے بے گھر ہیں صنم، مے یہی باقی ہے تو حشر
خانۂ دین کا بھی قیاس لگاؤں کیا ہے

خواجہ تو جان کے عاشق نہ مجھے خاموش رہا
حافظ ایسا ہی جو میں آپ کو خیالوں کیا ہے

گداخت جاں کہ شود کارِ دل تمام، نہ شد

پگھل کے رانگ ہوا دل کا کام۔ پر نہ ہوا
جلا بھی پختہ یہ سودائے خام، پر نہ ہوا

ہوا نہ آہ میسر وہ گوہرِ مقصود
پھرا خراب جہاں میں تمام، پر نہ ہوا

بنا گدا بھی حصولِ حضور کو میں دریغ
بہت سے پائے بزرگ و کرام، پر نہ ہوا

بریں امید کہ ہو صدرِ انجمن میرا
رہا میں بن کے ایک ادنیٰ غلام، پر نہ ہوا

اس آرزو میں کہ نشہ میں لعلِ لب نصیب
لنڈھائے دل نے بہت خوں کے جام، پر نہ ہوا

پھڑک کے، تول کے پر رہ گیا کبوترِ دل
ہوا و رہ کے خم و پیچ و دام پر نہ ہوا

کریں نہ قصدِ طے کوئے عشق بے رہبر
کہ میں گیا تھا بصد اہتمام پر نہ ہوا

ہزار حیلے محبت میں کر چکا حافظ
کسی طرح سے وہ کافر ہو رام، پر نہ ہوا

گفتم کیم دہان و لبت کامراں کنند

کب دیکھیے، یہ لب، یہ دہن کامراں کریں
بولا کہے جو آنکھوں سے لب اور دہاں کریں

لب تو طلب یہ کرتے ہیں کُل مصر کا خراج؟
بولا جو یہ معاملہ ہو کیوں زیاں کریں؟

اُس نقطۂ دہاں کا کہیں کچھ سُراغ ہے؟
بولا کہ یہ سوال فقط نکتہ داں کریں

باز آ صنم پرستی سے ہو جا صمد پرست
بولا کہ کیوں یہ فرقِ خدا و بتاں کریں

بے غمزدودِ غمزدہ مے خانے کی ہوا
بولا وہ خوش نصیب جو واں شادیاں کریں

خرقہ بھی اور شراب بھی کس دین میں ہیں روا؟
بولا روا بہ مذہبِ پیرِ مغاں کریں

کچھ نوشِ لعلِ لب سے کسی پیر کو ہے سود؟
بولا کہ دے کے ایک شکر لب جواں کریں

خواجہ ہمارا جاتا ہے کب خواب گاہ میں؟
بولا کہ ماہ و مشتری جب دم قِراں کریں

حافظ دعائے دولتِ خواجہ میں ہے مدام
بولا یہ سب ملائکِ ہفت آسماں کریں

گفتم غمِ تو دارم۔ گفت غمت سر آید

کہیے کہ غم ہی تیرا۔ بولے کہ غم سر آئے
تو چاند بن ہمارا بولے اگر بر آئے

کہیے جو مہر ورزوں سے سبق وفا کا
بولے کہ مہرؤوں سے یہ کام کمتر آئے

کہیے ہے نکہتِ زلف گمرہِ کُن دو عالم
بولے کہ بندگی سے گمرہ بھی رہ پر آئے

کہیے کہ بند کر دی آنکھوں سے خیال کی رہ
بولے یہ چور بادی از راہِ دیگر آئے

کہیے کہ روح پرور ہو گی ہوائے جنت
بولے ہوا تو اچھی از کوئے دلبر آئے

کہیے کہ لعلِ لب کی مارا ہے آرزو نے
بولے کہ بندگی کر تا بندہ پرور آئے

کہیے زمانِ عشرت کیا جلد ہائے گزرا
بولے خموش حافظ یہ رنج بھی سر آئے

گوہرِ مخزنِ اسرار ہمانست کہ بود

وہی اخفائے درِ گنجِ نہاں ہے کہ جو تھی
دُرجِ مہر اور وہی مہر و نشاں ہے کہ جو تھی

شام سے صبح تلک دوست خدا شاہد ہے
بوئے کاکل ہی تری مونسِ جاں ہے کہ جو تھی

طالبِ لعل و گہر ہی نہیں ورنہ اب بھی
آفتاب اور وہی تابشِ کاں ہے کہ جو تھی

کیوں نہ ہو، ہوتے ہیں ارباب دیانت عاشق — لاجرم آنکھ وہی لعل فشاں ہے کہ جو تھی
کشتۂ غمزہ کی ایک بار تو آ فاتحہ کو — وہی کھوئے ہوئے چشم نگراں ہے کہ جو تھی
اب کہیں اور نہ رہزن ہوں، جو زلفوں سے کہا — قرن گزرے کہ وہی سیرت و شاں ہو کہ جو تھی
رنگ خوں میرا چھپایا تو بہت خط نے مگر — وہی سرخی لب لعلیں سے عیاں ہے کہ جو تھی
حافظ اب کوئی نیا چھوڑے، خوننابۂ چشم — یہ تو ندی وہی مدت سے رواں ہے کہ جو تھی

گفتم کہ خطا کردی و تدبیر نہ ایں بود

کہیے کہ خطا تھی تری، تدبیر نہیں تھی — کہتا ہے کہ کیا کیجئے تقدیر یونہیں تھی
کہیے کہ ترے وصل کی بر آئے تمنا — کہتا ہے تمنا مری بس وصل نہیں تھی
کہیے نہ قرین بد تھے کہ بد روز یہ دیکھا — کہتا ہے یہی قسمت بد میری قریں تھی
کہیے نہ کہ تھا ماہ تو بے مہر بنا کیوں — کہتا ہے میں بے مہر نہ تھا چرخ کو کیں تھی
کہیے نہ بہت جام و قدح تو نے پیے تھے — کہتا ہے شفا در قدح باز پسیں تھی
کہیے نہ کہ اے عمر بہت تیز تو گزری — کہتا ہے کہ عمر اس سے زیادہ ہی نہیں تھی
کہیے نہ ظلم تجھ پہ چلے جور و جفا کے — کہتا ہے کہ پیش آئی جو لکھی بجبیں تھی
کہیے نہ کہ جانے کا ابھی وقت نہیں تھا — کہتا ہے مگر مصلحت وقت یونہیں تھی
کہیے نہ کہ حافظ کو گیا چھوڑ کے تو کیوں — کہتا ہے کہ کوشش مری کس دہتن نہیں تھی

گر زلف پریشانت در دست صبا افتد

جب زلف پریشاں وہ ہاتھوں پہ صبا کے ہو — پہلو میں نہ دل پائے پھندوں میں ہوا کے ہو

طوفاں ہی میں دیں چھوڑ اب کشتیٔ تحمل کو / تختہ ہی کوئی ساحل شاید کہیں جا کے ہو
اُس کا ہی سویرے سب مُنہ دیکھ کے اُٹھتے ہیں / کون اِن میں اُسے دولہا پہلو میں سُلا کے ہو
کیا خرچ ہوا اے لوگو سلطانِ ممالک کا / اک لمحہ جو صرف ایک دن پرسش میں گدا کے ہو!
افسوس وہی صہبا دے غم سے جو آزادی / پُر خونِ جگر ساغر پاس اپنے وہ آ کے ہو
اُس زلف کو بھولے سے گر مشکِ خطا کہہ دوں / پکڑے نہ زباں میری در پے نہ خطا کے ہو
حالِ دلِ حافظ کو جانے وہی سرگرداں / حافظ سا ہی ہو شیدا خاکِ ہجر کی پھانکے ہو

مرا نشۂ مے دگر بارہ بُرد

کیا نشۂ مے نے پھر خورد بُرد / دوبارہ ہوئی مجھ پہ وہ دستبُرد
ہزار آفریں اس مےِ لعل کو / جو دے رُخ کی زردی کو سُرخی سے بُرد
خوشا ہاتھ توڑیں جو انگور کو / زہے پا کچل کر جو کر دیں فشرد
سُرک یاں سے زاہد نہ ہو خوردہ گیر / کہ کارِ خدائی نہیں کارِ خورد
ازل ہی سے جب عشق ہی سرنوشت / مٹے گا نہ لکھا نہ ہوگا سُترد
نہ اترائے حکمت پہ کوئی حکیم / ارسطو بھی دے جان دو بیچارہ گرد
نہ کر رنج بیہودہ بشاش رہ / قناعت سے اطلس ہی بن جائے بُرد
جئے گر جہاں میں تو اس طرح جی / مرے پر نہ صادق ہو تجھ پر کہ مُرد

وہ ہو مستِ وحدت بجامِ الست
جو حافظ سی پی جائے بے میل و دُرد

مرا مہرِ سیہ چشماں ز دل بیروں نخواہد شد

یہ چشموں کی اُلفت دل سے اب بیروں نہیں ہوگی — قضائے آسماں یوں ہو کے دیگر گوں نہیں ہوگی
بجز رندی مجھے روزِ ازل خدمت نہ دی کوئی — جو اُس دن ہو چکی قسمت کم و افزوں نہیں ہوگی
جو دل ہی دل میں اُس کو چاہ لوں یہ بھی غنیمت ہے — کنار و بوس کی نوبت کہوں کیا کیوں نہیں ہوگی
شرابِ لعل و جائے امن و یارِ مہرباں ساقی — تو بہتر اور کب ہوگی جو حالت یوں نہیں ہوگی
چلو گاتے بجاتے نے پیو رندوں میں مل کر کے — بجز ایں ساز و ساماں شرع بے قانوں نہیں ہوگی
کہا مجنوں نے لیلیٰ سے کہ اے لیلائے لاثانی — ترے بھی عاشقوں میں صورتِ مجنوں نہیں ہوگی
وہ ادائیں عدو نے دیں نہ چھوڑا چارہ کچھ باقی — یہ آہِ صبح خیزاں عازمِ گردوں نہیں ہوگی
مئے صافی میں رازِ دہر آ میں تجھ کو دکھلا دوں — یہ مشکل عشق کی ہے حل بغیر افسوں نہیں ہوگی
نہ لوحِ سینۂ حافظ سے دیدو نقشِ غم دھونا — کہ زخمِ تیغِ جاناں کی کم آبِ خوں نہیں ہوگی

مرا از وصل تو گر زانکہ دسترس باشد

کسی کے وصل پہ حاصل جو دسترس ہو جائے — اس اپنے دل کا ہر ایک پورا ملتمس ہو جائے
بس صرف ایک نفس ہو یہاں جو یار کے ساتھ — تو حاصلِ دو جہاں وہ ہی ایک نفس ہو جائے
عجب کیا ہے ہجوم عاشقوں کا چوکھٹ پر — جہاں شکر ہو وہیں مجمعِ مگس ہو جائے
نہیں اُمید نجات اُس غریق کی جس کو — بلائے عشق بھی ایک لطمہ پیش و پس ہو جائے
ہمارے قتل پہ ناحق اُٹھاتے ہو شمشیر — کہ نیم جاں سے ہمیں ایک کرشمہ بس ہو جائے
ہو دستِ بخت ہی کوتہ تو کیونکہ ہاتھ لگے — وہ قد ہے سرو بھلا کیسے دسترس ہو جائے

وہ لطفِ بادۂ رنگیں وہ صحبتِ جاناں! گلے کا ہار ہی حافظ نہ یہ ہوس ہو جائے!

می‌زنم ہر نفس از دستِ فراقت فریاد

ایک دم ہجر میں تھمتی نہیں دل کی فریاد
حیف گر تجھ کو یہ نالے نہیں پہونچاتی باد

کیا کریں کیا نہ کریں۔ نالہ و فریاد بھی اب
حالِ فرقت میں وہ پہونچا کہ ہو دشمن کا۔مباد!

روز و شب غصۂ و غم کھاتے ہیں کس طرح نہ کھائیں
دُور رہ کر ترے دیدار سے رہ سکتے ہیں شاد؟

جب سے تو آنکھ سے مجھ سوختہ کی ہے اوجھل
دل نے کیا کیا نہ کئے چشمۂ خونیں ایجاد

ہر پلک سے یہاں سَو بلکہ سو اقطرے ہیں
خوں ہُوا جاتا ہے دل ہجر کے ہاتھوں۔فریاد

روز و شب حافظِ بے دل ہے تری یاد میں غرق
تُو ہے اُس بندۂ دل خستہ سے کُلّا آزاد

مژدہ اے دل کہ دگر بادِ صبا باز آمد

مژدہ اے دل کہ چلی بادِ صبا پھر آئی
ہُدہُدِ خوش خبر از سمتِ صبا پھر آئی

لحنِ داؤد میں ہے مرغِ چمن نغمہ سرا
تو! سلیمانِ گل آیا ہے۔ندا پھر آئی

لالے کی ناک میں بُوئے مےِ نوشیں سے نسیم
اپنے سودائی کو پلوانے دوا پھر آئی

کون دانا ہے کہ سمجھے وہ زبانِ سوسن
کیا سمجھ کر تھی گئی سوچکے کیا پھر آئی

واہ کیا بختِ خداداد کے ہیں مجھ پہ کرم
یاد بھولے سے اُسے راہِ وفا پھر آئی!

کس قدر روتی تھیں آنکھیں مری اُس قافلے کو
اے خوشا دل میں وہ آوازِ درا پھر آئی

ہم نے پیمان شکنی کی تھی۔گنہ حافظ نے
صدقے رحمت کے۔وہ سب بُھول بُھلا پھر آئی!

مژدہ اے دل کہ مسیحا نفسے می آید

مژدہ اے دل کہ مسیحا نفس اک آتا ہے — جس کے ہر دم میں دمِ عطر بس اک آتا ہے

درد و غم سے نہ کر اب نالہ و فریاد کہ شب — خواب دیکھا ہے کہ فریاد رس اک آتا ہے

مَیں ہی اس وادیِ ایمن میں نہیں، موسیٰ بھی — نُور کرنے کو یہاں مقتبس اک آتا ہے

کون ہے جس کو ترے کوچے میں کچھ کام نہیں — ایک جاتا لیے دل میں ہوس اک آتا ہے

ہے کہاں منزلِ مقصود، یہ معلوم نہیں — گرچہ نزدیک سے شورِ جرس اک آتا ہے

حال اس باغ کی بلبل کا نہ پوچھو ہر دم — نالہ توڑے ہوئے تارِ قفس اک آتا ہے

ہم بھی ہیں طالبِ یک جرعہ اے میخانۂ دل — جو ہے یہاں اپنا لئے ملتمس اک آتا ہے

دوست گر پُرسشِ بیمار کو آنا چاہے — لے ہی آنا اُسے اب تک نفس اک آتا ہے

دوست کو شوقِ شکارِ دلِ حافظ واللہ! — مارنے کے لیے شاہینِ مگس اک آتا ہے!

مرا بہ رندی و عشق آں فضول عیب کند

وہ عشق و رندی کے میرے فضول عیب کرے — جو اس جہان میں دعوائے علمِ غیب کرے

کسی کا صدق و محبّت نظر میں رکھ نہ عیوب — تلاش اوروں کے خود بے ہنر ہی عیب کرے

ہوا وہ رہزنِ اسلام غمزۂ ساقی — کہ اجتناب تو صہبا سے اب صہیبؓ کرے

کلیدِ گنجِ سعادت ہے اہلِ دل کا قبول — خدا کرے نہ کوئی اِس میں شکّ و ریب کرے

نہ سُونگھنے کو بھی پائے گی حور گر نہ یہاں — ہمارے میکدے میں لالہ رنگ جیب کرے

گذر یا وادیِ ایمن کا کامیاب نہ ہو — کئی برس نہ اگر خدمتِ شعیبؑ کرے

لہو رلاتی ہے حافظ کی آپ بیتی بس — شباب کا نہ بیاں اب بوقتِ شیب کرے؛

مسلماناں مرا وقتے دلے بود

مسلمانو کبھی اپنے بھی دل تھا — وہ جس سے مشورہ مشکل میں ملتا
بڑا ہمدرد، دانا، مصلحت بیں — کہ پشتیبانِ جملہ اہلِ دل تھا
جو گھرتا مَیں کبھی غم کے بھنور میں — کنارا پھر بدولت اُس کی ملتا
ہُوا مجھ سے وہ گم اُس کے مکاں میں — وہ منزل جب میں دامنِ دل کا کھلتا
پریشاں ہے جواب مجموعہ دل — کبھی اک کارداں اس سے خجل تھا
مجھے خود عشق نے تعلیم دی تھی — مرے فقروں پہ سرِ محفل کا ہلتا
ہنر بے عیب حرماں مان لیتے — گدا محروم تر گر مجھ سے ملتا
گہر بھی آنکھ سے برسائے لیکن — عوض حاصل کے، ہر گوہر بگِل تھا
نہ کہنا اب سے حافظ نکتہ داں ہے — جو کہتے سخت جاہل تب تو کھلتا!

مطرب عشق عجب ساز و نوائے دارد

مطربِ عشق عجب ساز و نوا رکھتا ہے — جو سنو قول و غزل دل میں ہی جا رکھتا ہے
ہو نہ اِس نغمۂ عشاق سے دُنیا خالی — کیا خوش آہنگ روان بخش صدا رکھتا ہے!
زور زر پیرِ بلانوش کے کچھ پاس نہیں — ایک عطا بخش خطا پوش خدا رکھتا ہے
عدل سے دُور، نہ ہو پوچھ لے گر حال کبھی — شاہ ہمسایہ خود ایک گدا رکھتا ہے
دل کی خاطر ہے ضرر دہی یہ مگس قند پرست — سب ہوا خواہوں میں ایک فرِ ہما رکھتا ہے

اشک خونیں جو طبیبوں کو دکھایا۔ بولے
مرضِ سخت ہے جانسوز دوا رکھتا ہے

چھوڑ دے مشقِ ستم غمزے سے۔ ہر مذہب میں
ہر عمل اجر ہر اک فعل جزا رکھتا ہے

کہہ گیا واہ! بُت ترسا بچہ بادہ فروش
شادی اُس چہرے سے پائین صفا رکھتا ہے

فاتحہ حافظِ درگاہ نشیں نے پڑھ لی
اب ترے لب سے شہا چشم دُعا رکھتا ہے

معاشراں گرہ از زلف یار باز کنید

جو عیش راں ہوں گرہ بندِ زلف باز کریں
شب وصال ہے کم اُس کو یوں دراز کریں

زہے یہ محفلِ اُنس اور مجمع احباب
وَانِ یکاد پڑھیں پڑھ کے در فراز کریں

رباب و چنگ بہ بانگ بلند کہتے ہیں
سُنو بہ ہوش جو ارشاد اہلِ راز کریں

نہ ہو جو زندہ عشق اِس جگہ۔ مرا فتویٰ
ادا جنازے کی اُس کے ابھی نماز کریں

بہت ہے فرق۔ کُجا عاشق اور کُجا معشوق
اگر وہ ناز کرے چاہیئے نیاز کریں

بجانِ دوست کہ غم پردہ دَر نہ ہو اُن کا
جو اعتماد بر الطافِ کارساز کریں

سُنو یہ پیرِ مغاں کی نصیحتِ اوّل
بلا ہے صحبتِ ناجنس۔ احتراز کریں

گر آئے آپ سے انعام مانگنے حافظ
حوالۂ لبِ جانانِ دل نواز کریں!

من و انکار شراب۔ ایں چہ حکایت باشد

مَیں اور انکار مئے! کیسی یہ حکایت ہوگی
اب بھی مجھ میں سمجھ اس کو تو کفایت ہوگی

مَیں بہ تعدادہ رہا رہزنِ تقوے راتوں
کیا سنو اب ہوئی۔ میری حکایت ہوگی

بندۂ پیرِ مغاں ہوں کہ بنایا عاقل
جو سلوک اب وہ کرے عین رعایت ہوگی

راہِ میخانہ نہ جانی کبھی تا غایتِ کار
ورنہ کہتا جو مرے دیں کی نہایت ہوگی

راہِ رندی پہ جو زاہد نہیں معذوری ہے
عشق کیا ہوگا نہ گر نیک ہدایت ہوگی

زاہد اور عُجب و نماز، اپنی یہ مستی و نیاز
کس پہ اب دیکھیے وہ چشمِ عنایت ہوگی

اُڑ گئی نیند مری سن کے، حکیم اور یہ کہے
حافظا تونے اگر پی تو شکایت ہوگی

من و صلاح و سلامت کس ایں گماں نبرد

صلاح و تقویٰ کا مجھ پہ کوئی گماں نہ کرے
خراب و رند سے یہ خوش گمانیاں نہ کرے

یہ کمبلی کس لئے شانوں پہ میں نے ڈالی ہے
بغل میں رہتی ہے بوتل کوئی گماں نہ کرے

یہ غرّہ علم و عمل پر بس اے حکیمِ زماں
معاف حکمِ قضا تو کسی کی جاں نہ کرے

نہ ہو فریفتۂ رنگ و بو چڑھائے قدح
کہ دفعِ غم کوئی شے جز مےِ مغاں نہ کرے

ہزار آنکھ سے رہ پاسبانِ زراے گل
رکھ احتیاط کہیں سرقہ پاسباں نہ کرے

سخن سرائی سخنداں کے سامنے حافظ
دُر اور لعل کوئی نذرِ جوہرکاں نہ کرے

معاشراں ز حریفِ شبانہ یاد آرید

ہو عیش رانو حریفِ شبانہ یاد رہیں
حقوقِ بندگی مخلصانہ یاد رہیں

بگاہ سرخوشی یاد آئیں فاقہ کش بھی ضرور
بجیں جو بزم میں چنگ و چغانہ یاد رہیں

نہ بھولیں جبکہ مرادوں سے ہمکنار ہو تم
جو عہدِ دوستی ہیں درمیانہ یاد رہیں

عذارِ ساقی پہ جھلکے جو سرخیِ بادہ
چلے جو رقص و سرود و ترانہ یاد رہیں

سمندِ دولت اگرچہ دکھائے منہ زوری
پیادہ پا بھی گہہِ تازیانہ یاد رہیں

نہ ایک دم کبھی کھایا غمِ وفاداراں — یہ بیوفائیاں دورِ زمانہ یاد رہیں
نگاہِ مرحمت اے ساکنانِ بزمِ حضور! — یہ حافظؔ اور وہ در آستانہ یاد رہیں

مرا از دل بدر کرد کہ کرد یار کرد

گھر سے دُور، دربدر کس نے کیا کہ یار نے — خستہ یہ حالِ دل مگر کس نے کیا کہ یار نے
ایک سے ایک خوبتر، ہوتا تھا دن مرا بسر — رات سے دن سیاہ تر کس نے کیا کہ یار نے
غمزے کی دل پہ تھی نگاہ، جان بھی ساتھ لے اُڑا — آہ ضرر پہ یہ ضرر کس نے کیا کہ یار نے
سُن کے یہ مجھ سے لے قمر، بوسہ ملے مجھے نذر — ہونٹ بنا کے لب شکر کس نے کیا کہ یار نے
میں تو تھا بھولا بے خبر، دے کے دل اور مال و زر — پھر بفریب قصدِ سر کس نے کیا کہ یار نے
شب کہ قریب تھی سحر، نشہ میں چُور بیخبر — حدِ کلام سے گزر کس نے کیا کہ یار نے
ہجر میں خونِ دل، جگر، دیدہ بھی اشکِ خوں سے تر — ظُلم یہ حافظؔ آپ پر کس نے کیا کہ یار نے

نقد ہا را بُود آیا کہ عیارے گیرند

کس کے کھوٹا کھرا یاروں کا جو بارے دیکھیں — ہر طرف خانقہ والے پھریں مارے دیکھیں
مصلحت اب یہ نظر آتی ہے دل کو کہ عزیز — چھوڑ سب کچھ کسی طُرّے کے طرارے دیکھیں
زلفِ ساقی تو بھلی ہاتھ لگی یاروں کے — گر فلک سے نہ بدی دوست ہمارے دیکھیں
ہائے یہ ترک نچے! خوں پہ ہیں کتنے بیباک — ہر پل ایک صید کریں، تیر ہی مارے دیکھیں!
رقص بر شعرِ تر و نالۂ نَے خوب، پہ واہ — ہاتھ میں ساعدِ سیمیں بھی تمہارے دیکھیں
نہ بہا تقویٰ! کہ گر اُٹھ جیت لیں خوباں تنہا — گھیر لیں مِل کے اگر یکہ سوارے دیکھیں!

زاغِ بے شرم کا گُل رَوند کے چلنا دیکھا
دامنِ خار میں بُلبُل کے گزارے دیکھیں

خاکِ پا پینے کو سُرمے کے لئے اہلِ نظر
مُدتوں راہ تری پاؤں پسارے دیکھیں

حافظ ابنائے زماں بچتے ہیں مسکینوں سے
ایک دن اِن کو بھی ہم آج بے کنارے دیکھیں

نقدِ صوفی نہ ہمہ صافی و بیغش باشد

جتنے صوفی ہیں نہ سب صافی و بیغش ہوں گے
کتنے بجتے ہیں کہ بس لائقِ آتش ہوں گے

کس لئے جائیں کسوٹی پہ بہت اچھا ہے
رُو سیہ نکلیں گے تپ کر جو نہ بیغش ہوں گے

مست ہیں صبح وظیفے میں ہمارے صوفی!
دن چھپے دیکھنا حضرت کو ہی سرخوش ہوں گے

ناز و نعمت کے پلے چل نہ سکیں گے دو قدم
گامزن عشق میں ہم رندِ بلاکش ہوں گے

نقش برآب دکھائے گا جو خطِ ساقی
سب یہ رُخسارہ بہ خونناب منقش ہوں گے

غمِ دنیائے دنی کب تلک آخر مے نوش؟
حیف دانش پہ جو دانا بھی مشوش ہوں گے!

لے گیا دلق و مصلے ابھی سبھ بادہ فروش
جام دینے پہ جو حافظ بھی ہوش ہوں گے

نہ ہر کہ چہرہ برافروخت دلبری داند

نہ بن سنور کے جو چاہے وہ دلبری جانے
نہ رکھ کے آئینہ ہر ایک سکندری جانے

کُلاہ کج جو رکھے، تن کے شان سے بیٹھے
ضرور کیا کہ وہ آئینِ سروری جانے

ہزار بال سے باریک نکتے ہیں، سمجھے
منڈا کے سر نہ قلندر، قلندری جانے

بقد و چہرہ جو دنیا میں شاہِ خوباں ہو
جہان جیت لے گر دادگستری جانے

وفا و مہر بھلی ہے، اگر کوئی سیکھے
ستم کا کیا ہے کہ ہر ایک ستمگری جانے

غلام ہو جیئے اُس پختہ خام کے جو یہاں — لنگوٹ باندھ لے پر کیمیا گری جانے
نہ بندگی میں لگا کوئی شرطِ مزدوری — اُسی پہ چھوڑ وہ خود بندہ پروری جانے
بہائیں دیدۂ دریا میں اپنے خود۔ لینا — جو اِس محیط میں یارو شناوری جانے!
اُڑا دیا دلِ دیوانہ! خاک میں سمجھا! — کہ آدمی بچہ کیا شیوۂ پری جانے
کلونس نقطۂ بینش ہیں اُس کے خال کی ہو — یہ قدرِ جوہرِ یک دانہ جوہری جانے
ہو شعرِ دلکشِ حافظ سے خوب وہ آگاہ — لطیف طبع ہو، شاعر ہو اور دری جانے

نیست در شہر نگارے کہ دلِ ما ببرد

شہر میں ایک نہیں دل جو ہمارا لے جائے — بخت یاری کرے رخت اور کسی جا لے جائے
ہے کوئی مستِ مے ناز کہ جس کے آگے — عاشقِ سوختہ دل اپنی تمنا لے جائے؟
دل کو پریوں کا بنایا ہے اکھاڑا شاید — آن نکلے کوئی از بہرِ تماشا لے جائے
منزلِ عشق کمیں گہہ ہے کمانداروں کی — جی سمجھ دار بھی خطروں سے۔ بچاتا لے جائے
سحر فایق نہیں اعجاز پہ ڈگدا کیا ہے — سامری گرد ہو، بازی یدِ بیضا لے جائے
بھائیں بھائیں سے نہ بچھڑے کی بچھڑنا یارو — نور خورشید کو کیا منہ ہے سُہا کا لے جائے
باغباں دیکھتے ہیں تجھ کو خزاں سے غافل — آئے ایک روز وہ۔ تیرا گُلِ رعنا لے جائے
رہزنِ دہر نہیں خواب میں ہشیار رہیں — اگر امروز نہ لے جائے تو فردا لے جائے
جام فیروزۂ مے سدِّرہِ غم ہے، نہ پھینک — تجھ کو غم کا نہ بہا کر کوئی ریلا لے جائے
علم و فضل آہ یہ چالیس برس کی پونجی — ڈر ہے۔ یکمشت نہ سب نرگسِ شہلا لے جائے!
نرگسِ مست وہ گر جان کو آئے حافظ — خانۂ تن سے نکل کہہ دے کہ اچھا لے جائے

نفسِ بادِ صبا مشک فشاں خواہد شد

نَفَسِ بادِ صبا مُشک فشاں ہوتا ہے — عالمِ پیر مُبارک ہو جواں ہوتا ہے
ارغواں جامِ عقیقی ہے سمن کو دیتا — لالے پر دیدۂ نرگس نگراں ہوتا ہے
کھینچ لے اور بھی طولِ شبِ ہجراں بُلبل — پردۂ گُل میں تُو اب نعرہ زناں ہوتا ہے
گُل کی صحبت ہی عزیز اِس کو غنیمت جانو — دیر آتے نہیں ہوتی کہ رواں ہوتا ہے
مطربو! اُنس کی محفل ہی غزل ہو کہ سُرود — وقت ضایع نہ کریں اور چناں ہوتا ہے
عیشِ امروز کو فردا پہ تو چھوڑیں لیکن — ضامنِ نقدِ بقا کون یہاں ہوتا ہے؟
ماہِ شعباں نہ قدح ہاتھ سے رکھنا، خورشید — شبِ عیدِ رمضاں تک کو نہاں ہوتا ہے
جائیں مسجد سے خرابات تو کچھ ہرج نہیں — جلسۂ وعظ تو تا دیر یہاں ہوتا ہے
حافظ آیا تری خاطر سے یٔے اقلیمِ وجود — چل مُلاقات کر اُس سے کہ رواں ہوتا ہے

نفس برآمد و کام از تو برنمی آید

دم آیا لب پہ مگر کام بر نہیں آتا — یہ خوابِ طالعِ خفتہ بسر نہیں آتا.
تمام ہونے کو ہے اُلجھنوں میں طولِ حیات — سُلجھنے پر ہی یہ جنجال پر نہیں آتا
سواد دیکھ کے خوش، رہ پڑا تھا زلف میں دل — جو اُس غریب کی اب کُچھ خبر نہیں آتا
قدِ بلند نہ جب تک کنار میں آئے — نہالِ بخت میں برگ و ثمر نہیں آتا
کمانِ صدق سے چھوڑے ہزار تیرِ دُعا — علاج کیا۔ کہ کوئی کارگر نہیں آتا
ہزار باتیں نسیمِ سحر سے کرنی ہیں — یہ بدنصیبی سے وقتِ سحر نہیں آتا

کٹانا سر کا ایک ادنیٰ سی شرط ہے حافظ — لے اپنی راہ جو اتنا بھی کر نہیں آتا

نسبت رویت اگر با ماہ و پرویں کردہ اند

لوگ اُس کو ہم شبیہِ ماہ و پرویں کرتے ہیں — شکل تو دیکھی نہیں نسبت یہ یُونہیں کرتے ہیں؟
شمہ ہے ایک داستانِ عشقِ شور انگیز کا — جو بیانِ الفتِ فرہاد و شیریں کرتے ہیں
خاکِ کُوئے گلرخاں میں ہے وہ بُوئے جانفزا — جس سے اہلِ دل مشامِ عقل تسکیں کرتے ہیں
خاکساروں کو نہ دیں گے جرعۂ کاس الکرام؟ — ظلم تو دیکھو جو بر عشاقِ مسکیں کرتے ہیں!
شہپرِ زاغ و زغن کو کیا کریں گے صید و قید — یہ تواضع در حقِ شہباز و شاہیں کرتے ہیں
ساقیا مے دے کہ کیا حکمِ ازل سے پیش جائے — کون بدلے خود بدولت جس کو تعیّیں کرتے ہیں
کاسۂ رنداں کی مٹّی کو حقارت سے نہ دیکھ — ہیں یہی جو خدمتِ جامِ جہاں بیں کرتے ہیں
عقل سے بیگانہ ہو کر کھینچ لے آغوش میں — عقل ہی کو عقدِ دُختِ رز میں کابیں کرتے ہیں
تیرِ مژگان و ادا و غمزۂ جادُو ہیں کیا — جو ستم زلفِ سیاہ و خالِ مشکیں کرتے ہیں
ایک تبسّم تھا مرا حق، ہونٹ تیرے کھا گئے — کیا یہی انصاف سب لب ہائے شیریں کرتے ہیں؟
شعلۂ رخسارِ رنگیں سے یہ شاہد دمبدم — چھید کر دل زاہدوں کے رخنۂ دیں کرتے ہیں
شعرِ حافظ ہیں جو یکسر مدحِ احساں آپ کی — لطف سے سُنتے ہیں سب ادبا داد و تحسیں کرتے ہیں

واعظاں کیں جلوہ بر محراب و منبر می کنند

یہ جو واعظ جلوہ گر محراب و منبر کرتے ہیں — خلوتوں میں جا کے خود برعکس و دیگر کرتے ہیں
صدرِ بزمِ وعظ سے پُوچھے یہ کوئی ماجرا — توبہ فرما کس لئے خود توبہ کمتر کرتے ہیں؟

کیا یقیں ان کو نہیں پرسش کا روزِ حشر کی
داورِ محشر سے بھی ظالم چلتر کرتے ہیں؟

بیعتِ پیرِ مغاں ہوں جس کے درویشِ غنی
ہو خزانہ بھی تو فوراً خاک بر سر کرتے ہیں

کھا نہ ٹکڑے خانقہ کے چل ذرا دیرِ مغاں
دیکھ پانی ہی پلا کر کیا تونگر کرتے ہیں

ہیں سوار اپنی حریت پر وہ تو دولت تمام
جو غرورِ بندگانِ ترک و استر کرتے ہیں

ہائے اس دنیا کے صرافانِ گوہر ناشناس
دمبدم گھنگھچی کو موتی کے برابر کرتے ہیں

خانۂ دل منزلِ جاناں ہے خالی کیجئے
آرزو ہائے دگر ہم تم کو باہر کرتے ہیں

ہے درِ میخانہ یہاں آئیں ملک پڑھتے درود
اس مکاں میں طینتِ آدم مخمر کرتے ہیں

حسنِ بے پایاں جہاں تک قتل بے پایاں کرے
پھر قلم ہو کر نمو عشاق کے سر کرتے ہیں

عرش سے ایک شور سا سن کر سحر دل نے کہا
شعرِ حافظ کے فرشتے بھی تو ازبر کرتے ہیں!

ہرکہ شد محرمِ دل در حرمِ یار بماند

محرمِ دل جو بنا در حرمِ یار رہا
غیر محرم جو رہا بر سرِ انکار رہا

دل نے کی پردہ دری اپنی برا کچھ نہ کیا
بلکہ اچھا کہ نہ در پردۂ پندار رہا

صوفیوں نے تو ہر ایک چیز چھپالی اپنی
خرقہ میرا گروِ خانۂ خمار رہا

خرقہ پوش اور بھی سب مست تھے گرتے گزرے
چرچا میرا ہی ہر کوچہ و بازار رہا

وہ جو ایک دلق مرے عیب چھپا لیتا تھا
رہنِ مے کو جو چلا دوش پہ زنار رہا

ہر مئے لعل جو اس جام بلوریں سے ملی
جوئے حسرت بنی اور دیدہ گہربار رہا

نعرۂ عشق سے خوشتر نہیں آہنگ کوئی
گو بجا اس سے سدا گنبدِ دوار رہا

از ازل تا بہ ابد کون کسے چاہتا ہے
داد دے دل کی کہ یہ تیرا خریدار رہا

صورتِ چیں جو بنی حسن پہ تیرے حیراں / اُس کا قصّہ بھی رقم بر درو دیوار رہا
تیری آنکھوں پہ پڑا دیدۂ نرگس بیمار / طرز کو اُن کی تو پہونچا نہیں، بیمار رہا
دل جو زلفوں کے تماشہ کو گیا تھا حافظ / پھر نہ آیا کبھی تا عمر گرفتار رہا!

ہر آنکو خاطرِ مجموع و یار نازنیں دارد

میسر جس کو اطمینان و یارِ نازنیں ہوگا / سعادت بر جبین و انجم خوش ہمقریں ہوگا
جنابِ عشق کی درگاہ ہے وہم و عقل سے بالا / کرے گا آستاں بوسی جو جاں در آستیں ہوگا
نہ کمتر جان اے منعم ضعیفوں اور فقیروں کو / صدارت پر جہاں ہوگا فقیرِ رہ نشیں ہوگا
جتاتا چل توانائی نہ بر روئے زمیں اتنی / توانا تجھ سا کیا کیا ناتواں زیرِ زمیں ہوگا
بلا گردانِ جان و دل دُعائے مستمنداں ہے / نہ ہوگی خیر جس خرمن سے خارج خوشہ چیں ہوگا
ذرا میری بھی کہہ دینا صبا اُس شاہِ خوباں سے ق / جم و کَے سا ہر ایک جس کا غلام کمتریں ہوگا
لبِ لعل و خطِ مشکیں۔ کہ وہ یہ بھی رکھے وہ بھی / جو یہ دونوں رکھے میرے سوا کس کا حسیں ہوگا
دہانِ تنگ و شیریں حلقۂ مُہرِ سلیماں ہے / جہاں بھی لامحالہ اُس کے سب زیرِ نگیں ہوگا
جو فرمائے نہیں حافظ سا اچھا بندۂ مفلس / کہیں اُس سا نہ سلطانِ گدائے رہ نشیں ہوگا

ہر آنکہ جانب اہل وفا نگہہ دارد

جو کوئی جانبِ اہل وفا نگہہ رکھے / ہر ایک حال میں اُس پر خدا نگہہ رکھے
نہ چاہتا ہو جو محبوب سے جُدا ہونا / کہو علاقہ، دل کو سدا نگہہ رکھے
کہے نہ دوست کی باتیں سوائے حضرت دوست / کہ راز یار کا یار آشنا نگہہ رکھے

وہ بات کیجئے پیدا کہ پاؤں گر پھسلے — فرشتہ کہہ کے معاً بسملہ نگہہ رکھے
نہیں وہ دل کا نگہبان نہیں گلہ اس کا — کہ دستِ بندہ ہے عاجز، خدا نگہہ رکھے
صبا جو زلف میں الجھا ہوا وہ دل پائے — تو ڈانٹ دینا کہ گرتا ہے، جا نگہہ رکھے
غبارِ رہ ترا پائے گر آنکھ حافظ کی — بچا کے چشمِ نسیم و صبا نگہہ رکھے

ہر کرا با خطِ سبزت سرِ سودا باشد

سر میں اپنے جو خطِ سبز کا سودا رکھے — پاؤں اُس دائرے سے بڑھ کے نہ حاشا رکھے
لالہ ساں حشر میں نکلے گی لحد سے یہ جبیں — داغِ سودا ترا ایک جائے سویدا رکھے
ظلِ ممدود تری زلف کا دائم قائم! — کیا ہی اس چھاؤں میں تسکینِ دلِ شیدا رکھے!
گہہ ہم آہنگ دل آ پردے سے باہر چھپ جا — کہ نہ پھر وجہ ملاقات کی پیدا رکھے
کب تک اے دُرِ گراں مایہ روا ہو تجھ کو — کہ رواں دیدۂ مردم سے یہ دریا رکھے؟
دیکھ لے ہر بُنِ مژگاں سے رواں ہیں نہریں — تو جو کچھ میلِ لبِ جُو و تماشا رکھے
کیوں نہ حافظ کی طرف آنکھ اُٹھے مشکل ہے — سرگرانی بھی تو کچھ نرگسِ شہلا رکھے

ہر کہ او یک سرِ مو پند مرا گوش کند

یک سرِ مو جو مری مانے کوئی گوش کرے — حلقۂ زلف لے اور زیبِ بنا گوش کرے
مانے جو مقصدِ آہنگِ دل اپنا اُس کو — پھانک لے خاکِ بیاباں کو شکر نوش کرے
ہو کبھی دوش بدوش اُس کے تو دل کیا چاہیے — بارِ جاں اُس پہ رکھے خود کو سبکدوش کرے
اِس لئے پیچ و خم و تاب ہیں اُس گیسو کو — کہ شکنجے میں دلِ عاشقِ مدہوش کرے

مسندیں لالہ و گُل کی ہیں بچھائی رُخ نے — سمن اِن سیجوں پہ سنبل کو ہم آغوش کرے
نرگس و سوسن و گُل جوش پہ ہیں گلشن میں — تو انھیں آن کے ایک حسن سے خاموش کرے
دلِ حافظ میں ہیں گو سینکڑوں فرقت کے گلے — دیکھ کر تجھ کو مگر جملہ فراموش کرے

ہرگزم مہر تو از لوح دل و جان نرود

چاہ تیری نہ کبھی مرے دل و جان سے جائے — یاد اے سروِ خراماں نہ تری دھیان سے جائے
تیری اُلفت دل و جاں میں ہے وہ گھر کی بیٹھی — سر چلا جائے ہٹے دل سے نہ یہ جان سے جائے
دلِ سرگشتہ سے باہر یہ خیالِ رُخِ دوست — نہ جفائے فلک و گردشِ دَوران سے جائے
دلِ مسکیں پہ جو ہے غم کا یہ بھاری پتھر — ہو نہیں سکتا ٹلے یا کسی عنوان سے جائے
عہدِ پیوندِ ازل زلف سے ہے تا بہ ابد — منحرف ہو کے نہ دل اس خطِ فرمان سے جائے
دل ہے در پے جو حسینوں کے تو معذوری سے — درد مٹ جائے کسی کا تو وہ درمان سے جائے
چاہتا ہو جو نہ حافظ کی سی سرگردانی — دل حسینوں کو نہ سونپے کبھی تا جان سے جائے

ہوسِ بادِ بہارم بہ سوئے صحرا برد

ہوسِ بادِ بہاری سوئے صحرا لے جائے — صبر خوشبو کا تری آن کے جھوکا لے جائے
لے اُڑے آنکھ تری دل کو ہر ایک پہلو سے — ایک میرا دلِ بیمار نہ تنہا لے جائے
رہزنی غمزہ کرے ترکِ کمانِ ابرو کا — لُوٹ کر ہندوئے سروِ سہی بالا لے جائے
خوش اِدھر دستِ طلب سلسلۂ شوق ہٹے — دے اُدھر لنگرِ غم عقل کو دھکا لے جائے
دلِ سنگیں کو بھی گر یہ نے مری ٹھیل دیا — کن چٹانوں کو بہا پانی کا ریلا لے جائے!

لگ کے مُنہ جام کو ہو دعویٰ جاں بخشی حیف
آبروئے لب جاں بخش مسیحا لے جائے

بحث حافظ سے نہ کر خوش نفسی میں بُلبُل
آگے طوطی کے نہ تُو اپنا یہ غوغا لے جائے

بنویس دلا بیار کاغذ

لکھ اُس کو اُٹھا کے یار کاغذ
بھیج ایک سُوئے آں نگار کاغذ

اُس شوخ کو جا کے دے صبا تُو
لکھّے جو یہ بے قرار کاغذ

ہرگز نہیں دیگا وہ جواب ایک
لکھّے اُسے گر ہزار کاغذ

نام اُس کا لکھا تھا کیوں رہتا
بر صفحۂ روزگار کاغذ

لکھ حافظ دلفگار کو جلد
از راہِ کرم نگار کاغذ

یاد باد آنکہ نہایت نظرے با ما بود

یاد ہو گا کہ نظر مجھ پہ تری کیا کیا تھی
مہربانی تری، صورت سے مری پیدا تھی

یاد ہو گا نگہِ تیز تو تھی ہی قاتل
لب کی شیرینی بھی اعجاز میں ایک عیسیٰ تھی

یاد ہو گا کہ کُلہ کج کی مرے چاند نے جب
ایک جہاں گردمہِ نو بھی رکابِ پا تھی

یاد ہو گا رُخِ روشن تھے ترے شمع طرب
جانِ دل سوختہ پروانۂ بے پروا تھی

یاد ہو گا ادب و خُلق کے اُن جلسوں میں
عادیِ خندۂ مستانہ فقط صہبا تھی

یاد ہو گا قدحِ لعل وہ جب ہنستا تھا
بحث تیرے لبِ لعلیں سے مجھے کیا کیا تھی

یاد ہو گا کہ صبوحی زدہ ہوتے تھے ہمیں
مجلس اُنس میں یاد ذات خدا بینا تھی

یاد ہو گا کہ میں ایک مست خراباتی تھا
اب میسّر نہیں جو شے مجھے تب پیدا تھی

یاد ہو گا تری اصلاح سے ہوتی تھی درست — نظم ہر گوہرِ ناسفتہ حافظ، ساتھی!

یاد باد آنکہ سرِ کوئے توام منزل بود

ہائے وہ دن کہ ترے کوچہ ہی میں منزل تھی — خاکِ در سے تری آنکھوں کو ضیا حاصل تھی

سوسن و گل کی طرح پاک تھی باہم صحبت — لب پہ آ جاتی تھی میرے کہ جو تیرے دل تھی

مسألت کرتا تھا دل پیرِ خرد سے اکثر — عشق سے ہوتی تھی حل عقل کو جو مشکل تھی

آہ اس دام گہِ دہر کے یہ جور و ستم! — ہائے کس عیش و تنعم کی بھری محفل تھی!

دل یہ کہتا تھا کہ بے دوست جیوں گا نہ کبھی، — دل کا کہنا بھی مری سعی بھی سب باطل تھی

یادِ احباب میں کل شب میں خرابات گیا — خُم بھرا خوں سے ملا مے بھی بہی در گِل تھی

دوڑا ہر سمت کہ معلوم ہو کچھ وجہ فراق — عقل سے پوچھا تو اک مفتیِ لا یعقل تھی

سچ یہ ہے، دولتِ فیروزہ بو اسحاقی — تھی تو رخشندہ، مگر دولتِ مستعجل تھی

یاد ہے قہقہہ کبکِ خراماں حافظ؛ — کیا ہی، جھپٹا ہے جو شاہینِ قضا غافل تھی

یاری اندر کس نمی بینیم یاراں را چہ شد

کیا ہوئی یاری تمہاری؟ تم کو یارو کیا ہوا؟ — دوستی کیوں مٹ گئی؟ اے دوستدارو کیا ہوا

آبِ حیواں میں سیاہی، ماجرا کیا ہے یہ خضر؟ — خونِ شاخِ گل سے ٹپکا نوبہارو کیا ہوا

گل ہزاروں کھل گئے بولی نہ ہرگز عندلیب — کیا ہوا اے عندلیبو! اے ہزارو کیا ہوا

لعل ایک کانِ مروت سے نہ نکلا اِن نوں — مہر و مہ اے لعل کے مدت گزارو کیا ہوا

زہرہ کیوں بے ساز ہے کیا جل گیا اس کا ستار؟ — ذوقِ مستی کیوں فنا ہے مے گسارو کیا ہوا

کر نہیں سکتی زباں اقرارِ حقِ دوستی
حق شناسی پر پڑی کیا حال یار دکیا ہوا
گوئے توفیق و کرامت ہو پڑی میدان میں
مردِ میدان ہو نہ کوئی شہسوار وکیا ہوا
حافظؔ اسرارِ الٰہی سے کوئی واقف نہیں
حالِ عالم کچھ نہ پوچھو، دم نہ مارو کیا ہوا!

یک دو جامم دی سحرگہ اتفاق افتادہ بود

صبح ایک دو جام پی کر اتفاق ایسا ہوا
پی لبِ ساقی سے بھی مے اور مذاق ایسا ہوا
شاہدِ عہدِ شباب آ ہی گیا مستی میں ہاتھ
چاہی رجعت میں نے وان نکلی طلاق ایسا ہوا!
گوشہ گیری ساتھ چشمِ مست کے پائی محال
زورِ طاقت بھی خمِ ابرو سے طاق ایسا ہوا
دو کوئی تعبیرِ خواب ایک صبح میں اور آفتاب
خوابِ شیریں میں تھے دونوں ہم وثاق ایسا ہوا
خوب کی سیرِ طریقت یہ نہ پائے ایک جا
عافیت کا دیدہ بازی سے فراق ایسا ہوا
کارِ ملک و دیں شہ یحییٰ نصیر الدین سے
بن گیا بگڑا ہوا نظم و نساق ایسا ہوا
شوق پر تولے تھا یہ نظمِ پریشاں دام تھی
اس کے لکھتے لکھتے حافظؔ اشتیاق ایسا ہوا

یارم چو قدح بدست گیرد

گر یار قدح بدست لے لے
بازارِ بتاں شکست لے لے
دریا میں پڑا ہوں مثلِ ماہی
مجھ کو بھی لگا کے شست لے لے
قدموں میں گرا ہوں زار ہو کر
شاید کہ وہ سر بدست لے لے
دیکھ آنکھ پکارے محتسب کو
قبضے میں یہ اپنے مست لے لے
وہ شاد رہے جو مثلِ حافظؔ
ایک جامِ مےِ الست لے لے

الا اے طوطیِ گویائے اسرار

سُنا اے طوطیِ گویائے اسرار — رہے میٹھی ہمیشہ تیری منقار
رہے سر سبز و خوش و خرم ہمیشہ — دکھایا تُو نے گلزارِ خطِ یار
سخن سربستہ کہنا دوستوں سے؟ — خدا کے واسطے کہہ کھول کر یار!
چھڑک بھر کر مرے مُنہ پر گلابی — کہ بختِ خواب آلودہ ہو بیدار
غضب کا راگ چھیڑا تُو نے مطرب — کہ ناچ اُٹھتے ہیں دونو مست و ہُشیار
پلادی مے میں کیا افیون ساقی — کہ سر باقی ہے یاروں کا نہ دستار
خرد ہر چند نقدِ دو جہاں ہے — نہیں کچھ پیشِ عشقِ کیمیا کار
سکندر کو نہ دیں ایک بوند پانی — نہ زر کچھ کام دے اُس کا نہ تلوار
نہیں کچھ حرج دردِ دل کو سن لے — ہیں ایک دو حرف بامعنیِ بسیار
نہ ہشیاروں پہ کھول اسرارِ مستی — نہ واقف رُوح سے ہوں نقشِ دیوار
بُتِ چینی عدوئے دین و دل ہے — دل و دیں کا خدا حافظ مددگار
کیا کارِ خدا بندوں کے حق میں — الٰہی دُور تجھ سے جملہ آزار
طفیلِ دولتِ سلطانِ منصور — ہُوا حافظ عَلَم در نظمِ اشعار

اے بادِ مشکبو بگزر سوئے آن نگار

چل بادِ مشکبو وہیں جس جا ہو وہ نگار — ایک مُوئے زلف کھول کے لا تازہ بوئے یار
اور اُس سے کہہ کہ - اے مہِ نا مہربانِ من — آجا کہ مَوت سے بھی اشد تر ہے انتظار

دل دے کے، جاں سے تیرا خریدارِ عشق ہوں / ہونے نہ دے مجھے تو غمِ ہجر کا شکار

بھولے زمانہ۔ تُو نے مگر کیوں بھلا دیا / ہے ہے نہ دل سے یارِ وفادار کو اُتار

اے دل! نباہیئے غمِ ہجراں میں صبر سے / اے دیدہ! رہ نہ گریہ خونیں سے یُوں نزار

دل کو خیالِ یار پہ تو اختیار ہے / مانا کہ یار پر نہیں کچھ دل کو اختیار

حافظ یہ تا کُجا غمِ مالِ جہاں عزیز؟ / اے یار صبر سے ہے جہاں کو ہی کب قرار

اے بُردہ گوئے حُسن زخوبانِ روزگار

پس ماندہ تجھ سے حُسن میں خوبانِ روزگار / قد راستی میں رشکِ سہی سروِ جُوئبار

الحق یہ نقشِ مہرِ نشانِ دہن تر! / موہوم نقطہ ہے کہ نہ پنہاں نہ آشکار

دل دے دیا ہے اُس کے خط و خالِ زلف کو / کیا دیکھیں اِن کے ہاتھوں سے دیکھے دلِ فگار

دشمن ہزار کیا ہیں جو پلّے پہ یار ہو / مردِ آزمودہ کار ہوں کیا خوف کارزار

ڈالے پڑا ہی ڈیرے سرِ چہ میں دل کے عشق / باہر کھڑی ہے رُوح پھڑکتی ہے بیقرار

سرکش ہو سرو سامنے تیرے تو رنج کیا / لَبْو کی عقل کا نہیں دنیا میں اعتبار

حافظ نے داؤ ڈالا تھا ایک تیرے واسطے / دل اُس کا نہ شُشدرِ غم میں ہے مُہرہ وار

اے خرّم از فروغِ رُخت لالہ زارِ عمر

شاداب تیرے حُسن سے ہو لالہ زارِ عمر / آجا۔ بغیرِ گُل گئی ورنہ بہارِ عمر

بارانِ اشک آنکھ سے برسے تو کیا عجب / برقِ دواں ہو غم میں ترے روزگارِ عمر

بے عمر زندہ ہوں میں تعجب نہ جانئے / دن ہجر کے نہیں ہیں مگر در شمارِ عمر

اندیشہ کچھ محیطِ فنا سے مجھے نہیں
اُس نقطۂ دہاں پہ ہے میرا مدارِ عمر

ہیں ہر طرف سے سیلِ حوادث کمین میں
سرپٹ عناں گستہ رواں ہو سوارِ عمر

کب تک مئے صبوح و سکرِ خوابِ صبحدم
بیدار ہو کہ کچھ نہ رہا اعتبارِ عمر

کل راہ میں بلا تو بلائی نہ آنکھ بھی
بیچارہ دل نے دیکھا تو کیا در گزارِ عمر!

حافظ سخن سرا ہو کہ ہستی کے صفحہ پر
رہ جائے کچھ قلم سے ترے یادگارِ عمر

اے صبا نکہتے از خاکِ دریار بیار

بوئے خوش بادِ صبا خاکِ دریار سے لا
دفعِ اندوہ کو مژدہ کوئے دلدار سے لا

نکتۂ روح فزا ہو دہنِ یار کا خاص
یعنی مژدہ کوئی خود عالمِ اسرار سے لا

خوشبوئے زلف سے کر آکے معطر یہ مشام
شمہ ایک نکہتِ انفاسِ خوش یار سے لا

جا۔ قسم تجھ کو وفا کی ہی، پیامِ لبِ یار
بے کدورت جو ہو سرگوشیِ اغیار سے لا

قرن گزرے رُخِ مقصود کو دیکھے ساقی
پھر پئیں۔ اُس قدحِ آئینہ کردار سے لا

خاک آنکھوں میں رقیبوں کی بھی کچھ جھونکتی آ
چشمِ خوں گشتہ کو سُرمہ قدمِ یار سے لا

بیخبر رہنا بھی جائز نہیں جانبازی میں
راز کی بھی تو اُڑا کر بتِ عیار سے لا

دلِ دیوانہ یہ زنجیر نہیں مانتا ہے
حلقہ ایک اُس کے خمِ طرۂ طرار سے لا

عیشِ آزادی کا کر شکر ادا، مرغِ چمن
تا اسیرانِ قفس کچھ گل و گلزار سے لا

کام تک تلخ کیا صبر گوارا کرکے
ایک جھڑکی لبِ شیرینِ شکربار سے لا

دلقِ حافظ بھی کوئی چیز ہے؟ رنگ دے مے سے
مست ہنکارتا پھر کوچہ و بازار سے لا

دلا چندم بریزی خونِ دیدہ شرم دار آخر

کہاں تک جوئے خوں آنکھوں سے؟ دل ہو شرمسار آخر
کبھی تو خواب سے تم بھی ہو آنکھو ہمکنار آخر؟

کرو ہی گر ملکِ سحری کی اے دل تو نے انگیزی
سنے گا صبحدم بجتے ہوئے نوشیوں کے تار آخر

صبا کی طرح کشتِ دیگراں سے خوشہ چیں کب تک
کرے کیوں اپنی ہمت سے نہ انساں کوئی کار آخر

نگارستانِ چیں مانا، نہ بن جائے گا گھر تیرا
قلم ایک لے کے رنگیں کھینچ کچھ نقش و نگار آخر

وہی میں ہوں کہ بوسے عارضِ جاناں کے لیتا ہوں
دعائے صبحدم دیکھا کہ کیا لائی بہار آخر؟

نعیمِ دنیا و عقبیٰ عطا کی مجھ کو رازق نے
سماعِ چنگ اوّل خواب در آغوشِ یار آخر

صنم رشکِ مہ پروین جھکا دینے تجے نگیں
کہاں کی توبہ حافظ شرم ساقی کچھ تو یار آخر

دیگر ز شاخِ سرو سہی بلبلِ صبور

سرو سہی کی شاخ سے پھر بلبلِ صبور
گلبانگ چشمِ بد پہ لگاتی ہے: گل سے دور!

حسبِ مرادِ دل جو کھلا اس کے شکر میں
گل چھوڑ دے یہ بلبلِ شیدا سے تو غرور

غیبت سے تیری کوئی شکایت نہیں مجھے
غیبت نہ ہو تو دے نہ مزا لذتِ حضور

عیش و طرب سے اور اگر شاد و شاد ہیں
اپنا غم نگار ہی ہے عیش اور سرور

زاہد تو ہے امید میں حور و قصور کی
یاں کنجِ میکدہ ہے قصور اور یار حور

مے پی تو زور و شور سے اندیشہ کچھ نہ کر
بولے کوئی نہ پی، تو نہ سن۔ کہہ ہو الغفور

حافظ شکایتِ شبِ ہجراں ہے کس لئے
ہے ہجر میں وصال بھی ظلمت میں جیسے نور!

روئے بنما ؤ مرا گو کہ دل از جاں برگیر

رُخ دکھا۔ پھر یہ سُنا۔ حیف اگر جاں بر ہو!
شمعِ روشن ہو تو پروانہ بھی خاکستر ہو

تشنہ لب دیکھ یہ۔ ترسا نہ۔ مرے ڈھیر پہ آ
اپنے کشتے کو اُٹھا پاس کھڑا آ کر ہو

چنگ کافی ہے فقط، عُود نہیں، تو نہ سہی
آتشِ عشق ہو، دل عُود ہو، تن مجمر ہو

رقص کر آگ پہ اور برقع سراسر سے اُتار
ورنہ رہ گوشہ میں ایک کُہنہ ردا سر پہ ہو

سیم و زر ڈب میں نہ درویش کی دیکھے تو نہ چھوڑ
سیم آنسو یہ رُخِ زرد تصور زر ہو

نام جانے کا نہ لے دوست، ذرا بیٹھ تو پاس!
بر لبِ جُو ہو طرب جُو، بکفِ ساغر ہو

پھونک اِن گیروا کپڑوں کو مئے صافی پی
سیم و زر ہار کے ایک سیم بدن در بر ہو

حافظ آراستہ کر بزم، دکھا واعظ کو
کہہ کہ اب بات ہے جب ترکِ سرِ منبر ہو!

ساقیا مایۂ شباب بیار

ساقیا! مایۂ شباب، لیا
ایک دو ساغرِ شرابِ ناب لیا

دارُوئے دردِ عشق یعنی مَے
جس سے زندہ ہوں شیخ و شباب لیا

بادہ گر آفتاب، ماہ ہے جام
ڈال کر مَہ میں آفتاب، لیا

غمِ دَوراں نہ کھا۔ رہے نہ رہے
کچھ سُنا۔ چنگ یا رباب، لیا

عقل نے سرکشی بہت سیکھی
مے سے گردن پہ اُس کی داب لیا

ڈال دے آگ پر ذرا پانی
یعنی آتش مثالِ آب، لیا

موسمِ گُل گیا تو جانے دے
بادۂ ناب اور گلاب، لیا

چھپے قمریوں کے ہوں خاموش — قلقلِ شیشۂ شراب ، لیا
یا خطا یا صواب ہے پینا — کیا عجب ہو اگر صواب ، لیا
وصل جز خواب دیکھنا معلوم — پس جو آئے جلد خواب ، لیا
چھک چکا ہوں مگر دیئے جا جام — کردے بالکل ہی بس خراب ، لیا
ایک دو رطلِ گراں دے حافظ کو — دہ گنہ ہو کہ ہو ثواب ، لیا!

صبا از منزل جاناں گزر دریغ مدار

چل اے صبا سوئے جاناں گزر دریغ نہ رکھ — چلا یہ عاشقِ مسکیں خبر دریغ نہ رکھ
ادائے شکر میں گُل بامراد کھلنے کے — مہک کہ شاد ہو مرغِ سحر دریغ نہ رکھ
ہے ایک نیم نگہ پر مرادِ دل موقوف — قدیم دوست سے حیف اس قدر دریغ نہ رکھ
جہاں ، متاعِ جہاں ، جملہ مختصر ٹھہرے — نیاز مند سے یہ مختصر دریغ نہ رکھ
حریفِ بزم تھے ہم تیرے جب مہِ نو تھا — ہوا جو ماہِ تمام اب نظر دریغ نہ رکھ
بزرگیاں تری شاعر جہاں کو پہونچا ہیں — وظیفہ دے انھیں زادِ سفر دریغ نہ رکھ
جو نامِ نیک ہو مطلوب صرفِ اتنا کر — صلہ کمال کا دینے میں زر دریغ نہ رکھ
بہم ہیں نوش و شکر بارہ یہ لبِ شیریں — کر اپنے طوطی سے باتیں شکر دریغ نہ رکھ
غبارِ غم بھی یہ دب جائیگا مگر حافظ — تر آبِ دیدہ سے رکھ رہ گزر دریغ نہ رکھ

عید ست و آخر گل و یاراں در انتظار

چلتی بہار عید کا دکھلا نہ انتظار — ہے چاند روئے شاہ ہی ساقی پلادے یار

چاہا تھا اب کے منہ نہ لگاؤں بہار کو
لیکن قصورِ ہمتِ پاکانِ روزگار

وقتِ سحر ہو نوبت تو ڈر کیا صبوح ہی
افطار روزمے سے ہی کرتے ہیں بادہ خوار

کیا ذکر مے کا! یہاں تو بس ایک نقد جاں ہی ہے
اور وہ بھی ایک کرشمۂ ساقی پہ ہے نثار

یہ عہدِ شادمان! یہ شاہِ کریم و شاد!
یارب کبھی نہ ہوں نظرِ بد سے یہ دوچار

جوبن دکھائیں مے مرے اشعار سے پیے
جامِ مرصّع تیرا ہوں میرے یہ شاہوار

دل شوق سے جہاں سے لگا۔ ذوقِ مے سے پوچھ
انجامِ جام و قصۂ جمشیدِ کامگار

تو پردہ پوشِ کل ہے جو ایک لطفِ عام سے
میں بھی بغل میں رکھتا ہوں ایک قلبِ کم عیار

ڈر ہے کہ روزِ حشر عناں بر عناں ہوں
تسبیحِ شیخ و خرقۂ رندِ شراب خوار

روزے گئے تھے خیر۔ پہ حافظ چلی بہار
ناچار بادہ پیجئے پھر کیا ہے چارہ کار!

عاشق یارم مرا با کفر و با ایماں چہ کار

عاشقِ جاناں، مجھے کیا کفر کیا ایماں سے کام
تشنۂ غم ہوں مجھے کیا وصل کیا ہجراں سے کام!

ہے لبِ جاناں سے غایب ہی نشانِ زندگی
بن چکا اے جانِ من ان جانِ بیجاناں سے کام

تشنۂ الفت کو کیا ہو فتنۂ دوراں سے ڈر
مفلس و قلاش کو کیا حاسبِ دیواں سے کام

دو جہاں سے یار ہی گر مقصد و مطلوب ہے
دوزخ و جنت سے مطلب؟ حور و غلماں سے کام

قبلہ و بتخانہ دونوں ابروئے دلدار بس
اِس دلِ شوریدہ کو یاں سے غرض نے واں سے کام

جس نے اپنے آپ کو بھی عشق میں دیدی طلاق
درد سے کچھ واسطہ اُس کو نہ کچھ درماں سے کام

صورتِ مردانہ رکھ تو سیرتِ مردانہ سیکھ
عاشقا نکلا نہ تنہا صورتِ مرداں سے کام

جھوم کر مستانہ حافظ پھر اُسی دھن میں سنا
عاشقِ جاناں مجھے کیا کفر کیا ایماں سے کام

گر بُوَد عمر بہ میخانہ رَوم بارِ دگر

زندگی ہے تو چلوں میکدے پھر بارِ دگر — اور بجز خدمتِ رندان نہ کروں کارِ دگر
ہائے کب ہوگا کہ پھر میں خوش و خنداں جاؤں — مَیں ہوں اور وہ مرا مَیخانہ ہو پھر بارِ دگر
نشے لطیف اُٹھ گئی اس قوم سے بھیج اے اللہ — گوہرِ فن کا مرے کوئی خریدارِ دگر
عافیت جُو ہے یہ دل اب نہ پھنسائیں اس کو — غمزۂ شوخ وہ اور طرّۂ طرّارِ دگر
دے مدد تھوڑی سی گردائرۂ چرخِ کبود — لاؤں چکّر میں اسے پھر کے بہ پرکارِ دگر
آہ غزلوں میں مرے رازِ نہاں یوں رُسوا — ہر گھڑی باد دف و نَے بر سرِ بازارِ دگر
چھوڑ دے یار، بھلا دے حقِ خدمت سارے — مجھ پہ اللہ کی ہو! چاہوں میں گر یارِ دگر
نالہ ہر دم نہ ہو سَر کیسے۔ فلک رہتا ہے — سَرِ دلِ زار کے ہر لحظہ بہ آزارِ دگر
پھر گزارش ہے کہ حافظ ہی نہیں ہے تنہا — غرق اس دشت میں اکثر ہوئے بسیارِ دگر

نصیحتے کنمت بشنو و بہانہ مگیر

ترے بھلے کی مَیں کہتا ہوں سُن بلا تزویر — کہے جو ناصحِ مشفق وہ مان بے تاخیر
جمالِ حسنِ جواناں پہ سینک آنکھوں کو — لگا ہے گھات میں اِس زندگی کی عالمِ پیر
مَے دو سالہ ہو، محبوب چاردہ سالہ — بہت یہ کافی ہیں صحبت کو دو صغیر و کبیر
نعیمِ دنیا و عقبیٰ کا عاشقوں سے بیاں؟ — یہ خود متاعِ قلیل اور وہ ایک بہائے حقیر!
ازل میں ہم جو نہ موجود تھے گہہِ قسمت — جو کچھ خلافِ رضا پائے تو نہ کر تعزیر
لگے جو ہاتھ ترے چہرہ ایک چنگ و رباب — گواؤں دردِ اپنا غزل میں بائم و زیر

ارادہ تھا نہ پیوں اب گنہ سے توبہ کروں
موافق آئی نہ تدبیر سے مگر تقدیر!
بعزمِ توبہ رکھا ہاتھ سے قدح سو بار
مگر کرشمۂ ساقی کہ کچھ نہ کی تقصیر
جو نامِ توبہ اب اس بزم میں لیا واعظ
کمانِ ابروئے ساقی اُڑا دے تھوتھوں تیر
کہا نہیں تھا دل اُس زلف سے حذر کرنا
ہوا کو باندھتے ہیں اُس کے حلقۂ زنجیر
دلِ رمیدہ ہمارا یہ گھیرتا ہے کون ؟
خبر ہو تجھ کو یہ مجنونِ بستہ در زنجیر!
چڑھائے جام ایک عزمِ وصالِ جاناں پر
وہ بامِ عرش سے سُن آ رہی ہے تجھ کو صفیر
قدح میں ریزشِ مے نابِ لالہ ہو ساقی
نہ دل سے خالِ نگاریں کی محو ہو تصویر
عطا ہو ساغرِ یاقوت بھر کے دُرِّ خوشاب
حسود سوختہ ہوں دیکھ کر یہ لطفِ وزیر
کہاں کا گفتۂ خواجو، کلامِ سلماں کیا
نہ ہو بجا حافظِ شیراز کو تو شعرِ ظہیر

یوسف گم گشتہ باز آید بہ کنعاں غم مخور

یوسفِ گم گشتہ پھر آئے گا کنعاں غم نہ کر
غمکدہ تیرا بنے گا پھر گلستاں غم نہ کر
پھر دلِ غمدیدہ کی سنبھلے گی حالت دیکھیو
پھر سرِ شوریدہ ہوگا اور وہ ساماں غم نہ کر
کیا ہوا رفتارِ گردوں گر رہے چند خلاف
کب رہا کس کا رہا دایم یہ دوراں غم نہ کر
جلوہ گر ہے گر بہارِ عمر بر تختِ چمن
پھر ہوں وہ پھولوں کی سیجیں قصر و ایواں غم نہ کر
ہاں نہ ہو نومید علمِ غیب گر تجھ کو نہیں
کیا خبر کیا کھیل ہوں پردے میں پنہاں غم نہ کر
خاک چھانے سے جہاں کی جو نہ پائے دردمند
گھر میں پائے درد کا موجود درماں غم نہ کر
شوقِ کعبہ تو بیاباں راہ میں پڑنے ضرور
آبلوں میں گر چبھیں خارِ مغیلاں غم نہ کر
حال اپنا، فرقتِ جاناں کا، ظلمِ غیر کا
جانتا ہے سب بدلنا جس کو آساں غم نہ کر

ہو جو ہو سیلِ فنا مصروفِ غرقابی یہاں
نوح کشتیباں تو پھر کیا خوفِ طوفاں غم نہ کر

راہ مشکل، منزلِ مقصود پنہاں آنکھ سے
رہ مگر کوئی نہیں بیحد و پایاں غم نہ کر

گوشۂ فقر اور تنہائی میں راتوں کی مدام
رکھ یہی حافظ نماز اور وردِ قرآں غم نہ کر

اے دل از شام فراق و روز ہجراں غم مخور

کیا ہیں دل شامِ فراق و روزِ ہجراں غم نہ کر
کونسی شام و سحر پہونچی نہ پایاں غم نہ کر

جمعِ خاطر دل کی زلفوں کی پریشانی میں ہے
زلفِ جاناں سے اگر کچھ ہو پریشاں غم نہ کر

مژدۂ پیراہنِ یوسف ملے گا مصر سے
غم نہ کر اے مبتلائے قیدِ ہجراں غم نہ کر

ہو جو ہو دشوار منزل، باندھ ہمت کی کمر
ہوتے ہیں دشواریاں ہمت سے آساں غم نہ کر

حوصلہ صاحب دلوں کا سا ہی لازم دل دکھا
زار ہو کر اس طرح سے ہو نہ نالاں غم نہ کر

ماہِ اقبال ایک دو دن ناقص رہا تو کیا ہوا
بدر ہوتے ہیں ہلال از بعدِ نقصاں غم نہ کر

ملتفت شاہِ سمرقند تجھ پہ گر حافظ نہیں
شاد کر دے گا تجھے شاہِ خراساں غم نہ کر

شب قدر است وطے شد نامۂ ہجر

شب قدر آئی طے شد دفترِ ہجر
سلامٌ ھیَ حتّیٰ مطلعِ الفجر

ذرا رہ عشق میں ثابت قدم تو
نہیں رہتا ہے اس میں کوئی بے اجر

نہیں باز آؤں گا زندگی سے ہرگز
ولو آذیتنی بالحجر والہجر

گیا دل مفت دیکھا تک نہ اس کو
جو دیکھا تو یہ ظلم اور یہ زجر

نکل آ صبحِ روشن دل خدارا
بلا کی ہے یہ کالی بخت شبِ ہجر

وفا چاہے جفائیں کھینچ حافظ — فانّ الرّبحَ والخسرانُ فی التّجر!

اے سرو ناز حسن کہ خوش میروی بہ ناز

اے سروِ نازِ حُسن کہ جاتا ہے ناز سے — تیرے فدائے ناز ہیں کِس کِس نیاز سے
ہو خوش نصیب ناز۔ ازل میں ملی تھی چُست — اُس سروِ قد پہ قطع قبا ہو کے ناز سے
اُس زلفِ عنبریں کی ہو بُو جس کو آرزو — کہہ دو بسانِ عُود رکھے سوز ساز سے
بدگوئیِ رقیب سے ہونگے نہ کم عیار — کُندن ہی کٹ کے نکلیں گے دندان گاز سے
پروانہ کب تھا سوز میں بے شمع۔ اور یہاں — بے شمعِ رُو ہی واسطہ سوز و گداز سے
کیا نفع خون رونے کا۔ ہر دم وضو شکست! — بے طاقِ ابرو منع اُدھر ہم نماز سے!
پا کر وقوف طوفِ حریمِ صنم سے دل — اب پھر چلا ہے قصدِ حریمِ حجاز سے
صوفی ہمارا ناشتہ توبہ کا کر گیا — کل صبح دیکھ کر درِ میخانہ باز سے
جوشان و مست پہونچا سرِ خم پہ اوّل رات — حافظ سے کہدی کیا لبِ ساغر نے راز سے؟

براہِ میکدہ عشاق راست در تگ و تاز

یہ راہ میکدہ میں عاشقوں کی ہے تگ و تاز — کہ ذوق و شوق سے حاجی رواں ہیں سوئے حجاز؟
میں کیا بتاؤں کہ دیکھا درونِ دل کیا سوز — اِن آنسوؤں سے ہی لو پوچھ، میں نہیں غمّاز
غرض تھا معجزۂ عشق ورنہ ایک سرِ مو — جمالِ دولتِ محمود کو تھی زلفِ ایاز
کبھی وہ شام میسر نہیں ہے طالع سے — کہ تجھ سے اپنی کہانی کا میں کروں آغاز
جگانے ایک بُوئے امیدِ روزِ وصل اے دل — بجائی ہیں تری زنجیرِ درِ شبانِ دراز

پُھپائے غنچہ رہے سرو کہاں گئی وہ نسیم — ہمارے دل کی وہ دمساز اور محرمِ راز؟
یہ مُوند مُوند دئے دیدے ہجر نے لیکن — اُمیدِ وصل میں پھر دیکھئے تو باز کے باز
نہ جاؤں اب کسی عنوان چھوڑ کر در دست — صنم پرستی سے کعبہ پہونچ کے آؤں باز
ہو عشق حافظ اگر ماہِ خیمہ آرا کا — بسانِ شمع جو جلنا تو رکھنا عود سے بساز

بر نیاید از تمنائے لبت کامم ہنوز

وائے اُن ہونٹوں کی حسرت میں تو ناکامی ہنوز — جن پہ ہم کرتے رہے ہیں دُردآشامی ہنوز!
دین پہلے دِن ہی دیکھا زلف پر جاتا ہُوا — دُور برسوں عشق کی ہے نیک انجامی ہنوز
کیا خطا کی! مُوئے سر کو کہہ دیا تمسک ختن — تیر بن کر چُبھ رہے ہیں مُوئے اندامی ہنوز
اُس نے سہواً لے دیا تھا تب سے میرے نام میں — بُوئے جاں پاتے ہیں اہلِ دِل میں بد نامی ہنوز
میری خلوت سے جھلک پھر اُس کی لینے آفتاب — سایہ ساں کرتا ہے بام و در میں خوش گامی ہنوز
جرعہ ایک آبِ آتش گوں سے دے ساقی مجھے — پختہ کر دے عشق کی باقی جو ہو خامی ہنوز
دے کے جاں سوچا تھا ہو جائیگا دل آرام سے — جان دیدی ہے وہی لیکن بے آرامی ہنوز
شرحِ لعلِ لب رقم کی تب سے حافظ کا قلم — آبِ حیواں کی ہو ریزش میں نکوسکامی ہنوز

بیا و کشتیِ ما در شطِ شراب انداز

اُٹھا کے ناؤ مری ورشطِ شراب پڑے — مجھے وہ ڈنڈا اُچھل جس سے شیخ و شاب پڑے
مجھے تو کشتیِ مے ہی میں ڈال دے ساقی — وہ نقل ہو کہ جو نیکی کرے در آب پڑے
خراب و مست ہوں تاہم وہ ایک نگہ ڈالے — اُٹھے نظر بہ دلِ خستۂ و خراب پڑے

اُٹھا تو لائے گلرنگ مشکبو کا قدح / کہ جس کی آتشِ غیرت سے جل گلاب پڑے
ہو آدھی رات کو درکار آفتاب تو لے / ذری سی دخترِ رز کی کھسک نقاب پڑے
نہ دفن کر دیں مجھے دیکھنا عزیز کہیں / نہ اُٹھ کے لاش مری در خمِ شراب پڑے
کرے جو تجھ سے یہ حافظ ذرا بھی سرتابی / وہ رکھ کے زلف میں بٹ دے کہ پھر نہ تاب پڑے

خیزد در کاسۂ زر آبِ طربناک انداز

کاسۂ زر میں صنم آبِ طربناک پڑے / اس سے پہلے کہ یہ سر ٹھیکرہ ہو خاک پڑے
جا بسائیں گے کوئی شہرِ خموشاں کل، آج / دھوم سے گونج یہ نہ گنبدِ افلاک پڑے
سروِ سرسبز قسم تیرے ہی سر کی پسِ مرگ / تیرا سایہ بھی پڑے میری جہاں خاک پڑے
تیرے کالوں کے جو کاٹے ہیں حلق ہیں اُن کے / لبِ نوشیں کے شفا خانہ کا تریاک پڑے
اشک اشنان کیا آنکھوں نے۔ سن کر یہ شرط / پاک ہو پہلے نظر تب وہ نظر پاک پڑے
یارب ادراک ہے زاہد کو تو بس عیبوں کا / کور آہوں سے یہ آئینۂ ادراک پڑے
چشم آلودہ نظر کیا رخِ جاناں دیکھے / اُس حسیں پر تو نظر آئینہ سی پاک پڑے
گل ہو حافظ تو پہن نکہتِ جاناں کی قبا / یہ قبا در گزرِ قامتِ چالاک پڑے

دلم ربودہ لولی وشیست شور انگیز

اُڑا کے لے گیا دل ایک شوخ شور انگیز / دروغ وعدہ و قتال وضع و رنگ آمیز
فدائے پیرہنِ پاکِ ماہ رویاں ہو / ہزار جامۂ تقوے و خرقۂ پرہیز
فرشتہ اور محبت؟ یہ گفتگو کیا ہے! / اُلٹ دو جام وہاں جو جگہ ہو آدم خیز

ہم اُس سخن کے ہیں قائل جو بحث گرما دے
نہ وہ کلام جو ٹھنڈا ہی کر دے فقرۂ تیز

فقیر و خستہ ہوں در پر کہ رحم فرمائے
لئے ہوں ہاتھ میں اُلفت کی کہنہ دستاویز

سُنا بھی رات جو ہاتف نے میکدے میں کہا؟
"رضا سے راضی ہو، دستِ قضا سے کر نہ گریز"

پیالہ بھر کے کفن میں بھی میرے رکھ دینا
لحد میں دفع کروں گا میں ہولِ رستاخیز

میانِ عاشق و معشوق پردہ ہے نہ حجاب
ہے تو ہی بیچ میں حافظ حجاب اُٹھ بر خیز

درآ کہ در دلِ خستہ تواں درآید باز

دلِ نحیف میں تاب و تواں پھر آئے
پھر آ کہ اس تنِ مُردہ میں جان پھر آئے

وہ آنکھ ہجر نے موندی کہ بابِ وصل کھلے
تو شاید اس میں بھی کھلنے کی جان پھر آئے

رکھوں جو آئینۂ دل کے آگے کچھ نہ دکھائے
اُلٹ پلٹ کے ترا ہی دھیان پھر آئے

ہے زلف پا پہ زنگ مصرِ دل پہ پڑی
کہ رومِ رُخ سے لپٹ ہار مان پھر آئے

نہ خوفِ دشت سے گھبرا کے کھول دے احرام
دریغ رہ سے دلاور، جوان پھر آئے؟

چہکتی بلبلِ خوش رنگِ خاطرِ حافظ
اُڑاتی، آ، تری نکہت پہ تان پھر آئے

روزِ عیش و طرب عیدِ صیام ست امروز

روزِ عیش و طرب و عیدِ صیام آج کے دن
کامِ دل چاہیئے اور عیش سے کام آج کے دن

خانقاہ تھی کوئی زاہد کو جگہ اور نہ تھی
اُس کا بھی کنجِ خرابات مقام آج کے دن

بُلبُل مست ہے کیوں زار دمِ صبحِ بہار
کاروبار اُس کے ہیں سب رُو بہ نظام آج کے دن

محتسب زندوں کو یہ تیری نصیحت بکواس
شاہد و مَے سے بھلا کیوں نہ ہو کام آج کے دن

اے عروسِ فلکی غرفۂ مشرق سے نہ جھانک — دیکھنا ہے مجھے وہ ماہِ تمام آج کے دن
خلق رکھتی ہے سدا پیشِ نظر حافظ کے — ہے مگر روئے نگار و لبِ جام آج کے دن

زلفیں سیہ خم بخم اندر زنخ باز

زلفیں وہ سیہ، ایک سے ایک لڑ گئی پھر آج — یعنی وُہی مشکل میں کٹھن اَڑ گئی پھر آج
دُور از نظرِ بد! رُخِ نیکو کی چمک۔ یا — پہ چشمک نہ خورشید سے کچھ بڑھ گئی پھر آج؟
پھوڑا قدحِ عیش مرا سنگِ ستم سے — کیا کیجئے اُسے مے بھی بہت چڑھ گئی پھر آج
بچ دودِ دلِ سوختہ سے۔ چھوڑ شرارت — اس سوختہ اختر کی تپش بڑھ گئی پھر آج
خود سر زدہ سودائی کو پھر مار دیا قط — گُدّی پہ کہ پیشانی تلک گڑ گئی پھر آج
خوشبوئیں ترے غالیہ میں ہیں کہ گُل و قند؟ — ہر گوشے میں گُل اور شکر جھڑ گئی پھر آج
زر قلب کیا گریہ میں، پہ چہرے کی تھی مُہر — نذر اُس نے نہ لی مُہر بزر پڑ گئی پھر آج
شہبازِ غمِ یار کو پیدی دلِ حافظ — کیا شے ہی، مگر اُس کی نظر چڑھ گئی پھر آج

صبا بمقدمِ گُل راحِ روح بخشد باز

صبا بمقدمِ گُل پُر سُرور روح نواز — کہاں ہے بلبلِ خوش لہجہ آ سُنا آواز
نہ ہجر سے ہو دل آزردہ دیکھے ہیں ہم — غم و نشاط، گُل و خار اور نشیب و فراز
غموں نے قد کو کماں کر دیا مگر نہ چُھٹے — ہنوز مجھ سے کماں ابرواں تیر انداز
سُنا نہ نوحہ مصائب کا اپنے دشمن کو — بنا نہ سینۂ پُر کینہ کو خزینۂ راز
جلا دے پھونک دے دل تو بھی نالہ مت کرنا — اُسی کا دم بھرے جانا نہ چھوٹے سوز سے ساز

ہزار دیدے کھلے ہیں جمال پر تیرے — اُٹھائے تو ہی کسی پر نظر نہ ازرہِ ناز
ہے فاش طرّے کے ہاتھوں مری پریشانی — اچنبھ کیا کہ یہ ہمرنگِ مشک ہے غمّاز
غبارِ دل سے ہمارے ہو چشمِ دشمن کور — رکھیں جو خاک پہ حافظ یہ سر بروئے نیاز

مستم از بادۂ شبانہ ہنوز

ہے چڑھی بادۂ شبانہ ہنوز — ساقی رونق فزائے خانہ ہنوز
چشمِ مست اُس کمانِ ابرو سے — تیر تانے ہے بر نشانہ ہنوز
رنگِ مجلس اُسی قرار پہ ہے — لب پہ مطرب کے بھی ترانہ ہنوز
قتل کرکے بعشوہ پوچھنا پھر — عشق سے باز آئے گا نہ ہنوز؟
نازنیں تیرے عشق سے باللہ — سب ہوئے تنگ مَیں ہوا نہ ہنوز
دُرِ دریائے عشق کی ہے طلب — جاں پہ کھیلے کہ اے میاں ہنوز
حافظِ خستہ غرق یار ولے — یار حافظ سے برکرانہ ہنوز

منم غریب دیار و توئی غریب نواز

میں ایک غریب دیار اور تو غریب نواز — غریب و زار کی لازم ہے عزّ اور پرداز
تو جس کمند سے چاہے اسیر و قید کرے — مگر یہ شرط ہے کچھ نہ پھر نظر انداز
خیال ہی میں ترے دست و آستیں چومے — کہ آستاں کو تو پاتا نہیں دستِ نیاز
کچھ آج ہی سے نہیں سر بر آستاں اس جا — ازل میں بھی نہ رہا تھا میں اس ادب سے باز
غمِ ایسی شام کا کیا صبح جس کے ساتھ لگی — کہ نیش و نوش بہم ہیں توام نشیب و فراز

جو خاک سے بھی زیادہ کرے ذلیل قبول ۔۔۔ خرامِ ناز کرے آ خاک پر ہو پا انداز!
درونِ سینہ کبوتر سا لوٹتا ہے دل ۔۔۔ یہ آگ کیا ہے کہ ہے رُوح کو بھی اس میں گداز
خیالِ قدِ بلند دیکھو اور دلِ مسکیں ۔۔۔ یہ دست کوتاہ ذرا اور وہ آستینِ دراز
فسانہ درد کا دشمن نیا نہیں سُن لے ۔۔۔ ازل ہی سے ہے یہ حافظ تو رندِ شاہد باز

ہزار شکر کہ دیدم بکامِ خویشت باز

ہزار شکر کہ ڈھب پر ہے پھر وہ دست نواز ۔۔۔ میں اُس سے اور وہ اپنی مُراد سے دمساز
مسافرانِ حقیقت غضب بلا کش ہیں ۔۔۔ نشیب دیکھ کے جھجکیں نہ جھجکیں پیشِ فراز
رقیب کی نہ نظر تاڑے حبیب کا غم ۔۔۔ کرے نہ سینۂ پُر کینہ کو کوئی ہمراز
یہ کیا اُٹھایا اے مشاطۂ فضا فتنہ ۔۔۔ سیاہ نرگسِ مست اور کی یہ سُرمۂ ناز؟
بایں سپاس کہ ہے شمعِ انجمن خود دوست ۔۔۔ بسانِ شمع اگر سوز ہو تو چاہیئے ساز
تھپیڑے کھائے ہیں غم کے جو عشق میں مت پُوچھ ۔۔۔ کریں گے اشک بیاں خود میں کیوں نہ ہوں غمّاز
مراد تھی قدِ بالا کی تجھ سے بختِ بلند ۔۔۔ نسیمِ زلف کی تجھ سے دُعا تھی عمرِ دراز
ہے نیم بوسہ کو ارزاں دُعائے اہلِ نظر ۔۔۔ سہامِ مکرِ عدو تیرے جسم و جاں سے باز!
نہ گونجی عشق میں کس دیس کیا حجاز و عراق ۔۔۔ نوائے بانگِ غزلہائے حافظِ شیراز!

منم کہ دیدہ بدیدارِ دوست کردم باز

کھُلا وہ دوست پہ دیدۂ با جود دیدہ سے باز ۔۔۔ ہزار شکر ترا کارساز بندہ نواز!
غبارِ چہرہ نہ دھوئیں نیاز مندِ بلا ۔۔۔ مُرادِ دل کو ہے اکسیر خاکِ کوئے نیاز

یہ ایک قطرہ کا ایثار صاحبِ نعمت!
رکھے گا تجھ کو بہت ذرزیب کسی ناز

کرے نہ خونِ جگر سے وضو اگر عاشق
نہیں درست بفتوائی عشق اُس کی نماز

نہ مشکلاتِ طریقت سے پھیر منہ اے دل
کہ مردِ راہ نہیں دیکھتے نشیب فراز

ہے پیالے سے بس عالمِ مجاز میں میل
جز عشق کھیل نہ اس بھڑ پہ کچھ محبت باز

نسیم پیٹ کی ہلکی سے کیا اُمید کہ جب
نہیں ہی سرِ چمن سا بھی است محرمِ راز

اگر وہ حسن ہے از عشقِ غیر مستغنی
یہ عشق باز بھی اس وجہ سے نہ آئیگا باز

غزل سرائیِ ناہید ماند پڑ جائے
غزل سرا ہو کہیں پر جو حافظ شیراز

حالِ خونیں دلاں کہ گوید باز

کون بولے جو خوں جہاں میں بہے
خونِ جم کے عوض میں کون رہے

تھا فلاطوں تو خم نشینِ شراب
رمزِ حکمت قلم سے کس کی بہے؟

لالہ ساں جو لئے پھرے چنبل
خوں سے منہ دھو کے سرخرو ہی رہے

چنگ کہتا ہے بات پردے کی
ناک چوٹی کٹے کہ پھر نہ کہے

کہنا اس چشم مے پرست سے شرم!
کہیں نرگس جو سر اٹھائے گہے

ابھی دل کی کلی یہ کھل جائے
لالہ گوں مے کی بو نصیب نہ ہے!

گردِ بیتُ الحرامِ خُم حافظ
نہیں چکرائے تم تو پھر کے رہے

اے صبا گر بگذری بر ساحلِ رود ارس

اے صبا پہونچے اگر تو ساحلِ رودِ ارس
بوسہ دے اُس سرزمیں کو اور مشکیں کر نفس

منزلِ سلمیٰ کہ ہر دم اُس پہ نازل صد سلام
ساربانوں کی صدائیں ہونگی اور بانگِ جرس

محملِ جاناں کا پردہ چوم، کر روکے عرض
جل بُجھائیں ہجر میں اے مہرباں فریاد رس

کیوں ہوں راتیں وہاں مینوشیوں میں رُوزِ عید
آشنائے شب رواں یہاں شہر کا میرِ عسس !

شکرستاں میں اُڑائیں طوطیاں جب یہ مزے
کیوں نہ حیرانی سے پیٹے اپنا سر مسکیں مگس

دل تہِ دل سے سنبھالے جانِ چشمِ مست کو
گو کہ ہشیاروں کو بھی عاقل نہ دیگا اپنا بس

پندِ ناصح کو میں سمجھا مُفت کی جھن جھن ہمیش
حضرتِ ہجراں نے لیکن وہ نصیحت دی کہ بس !

عشق بازی۔ بازیِ طفلاں نہیں ہے سر پہ کھیل
گوئے اُلفت سر نہیں ہوگی بچوگانِ ہوس !

نام حافظ کا ادا کردے زبانِ کلکِ دوست
اور کچھ بس حضرتِ شہ میں نہیں ہے ملتمس

جاناتُرا کہ گفت کہ احوالِ ما مپرس

جانا! کہا یہ کس نے کہ ہم کو بھلا نہ پوچھ ؟
بیگانہ بن کے دردِ دلِ آشنا نہ پوچھ ؟

جملہ حقوقِ خدمت و اخلاص و بندگی
رد کردے بلکہ نام بھی میرا بھلا نہ پوچھ

مخفی ہے اُس سے عالمِ درویشی مطلقاً
جو یہ کہے فقیر کو حاجت ہی کیا نہ پوچھ

ہے لطف بھی تو جزو ترے خُلقِ کریم کا
گزری جو گزری بخش دے اور ماجرا نہ پوچھ

کیا جانیں ہم سکندر و دارا کی داستاں
ہم سے بجز حکایتِ مہر و وفا نہ پوچھ

چاہے جو رازِ عشق سے روشن ضمیر ہو
سُن شمع سے۔ کہے گی نہ بادِ صبا نہ پوچھ

گدڑوں میں خانقہ کے نہیں دولتِ مُراد
اِن مفلسوں سے جان مری کیمیا نہ پوچھ

مخزن میں کب طبیب خرد کے تھا بابِ عشق
عادت بنالے درد کو اُس کی دوا نہ پوچھ

حافظ بہار آئی مصلّے لپیٹ دے
کرلے جو عیش کر سکے چون و چرا نہ پوچھ !

دارم از زلف سیاہت گلہ چندانکہ مپرس

وہ گلے زلفِ سیہ سے ہیں مری جاں کہ نہ پوچھ
اُس کے ہاتھوں سے ہوں کیا بے سر و ساماں کہ نہ پوچھ

دل و دیں دے نہ بھروسے پہ وفا کے کوئی
ہیں وہ اس کردہ سے ہم اپنے پشیماں کہ نہ پوچھ

صرف ایک گھونٹ کی خاطر کہ مضر بھی تو نہیں
کیا ستاتے ہیں مجھے مردمِ ناداں کہ نہ پوچھ

عافیت اور سلامت تھی تمنا میری
پردہ ڈھاتی ہے ستم نرگسِ فتاں کہ نہ پوچھ

زاہدا خیر اسی میں ہے چلا جا۔ مے لعل
چھین لیتی ہے دل و دیں وہ آساں کہ نہ پوچھ

گنبد گردوں ہی کی چاہا تھا کچھ احوال کہے
وہ گرہ رتی ہے کہا۔ در خمِ چوگاں کہ نہ پوچھ

کس پہ کھولی ہے رسن زلف کی؟ بولا حافظ
طول قصہ ہے بہت، واسطہ قرآں کہ نہ پوچھ

درد عشقے کشیدہ ام کہ مپرس

رنج اُلفت اُٹھائے ہیں کہ نہ پوچھ
زہر کیا کیا پچائے ہیں کہ نہ پوچھ

درِ جاناں کی خاک بننے کو
کتنے دریا بہائے ہیں کہ نہ پوچھ

تجھ بن اس کلبۂ گدائی میں
درد کیا کیا اُٹھائے ہیں کہ نہ پوچھ

تیغ کچا کر کہا جو اُس نے خموش!
دل نے کیا تہ جا لب سئے ہیں کہ نہ پوچھ

اپنے کانوں وہن سے اُس کے رات
سُن کے وہ کچھ ہم آئے ہیں کہ نہ پوچھ

خاک دنیا کی چھان کر آخر
دل ایک ایسے پہ لائے ہیں کہ نہ پوچھ

گرچہ حافظ غریبِ اُلفت ہیں
پر کہاں ہم بھی آئے ہیں کہ نہ پوچھ!

درضمیر ما نہ می گنجد بغیر از دوست کس

دوست کی دل میں ہے گنجایش نہ جائے غیر کس
دونوں عالم لے کے دشمن مجھ کو دیدے دوست بس

شمع ساں جاتا تھا وہ مخلوق پیش و پس رواں
شمع ساں کہہ دیجے لیکن شمع کے کیا پیش و پس

تیغ بھی ہو واں چور تو باز رہنا حیف ہے
قند کی لذت ہی کچھ تو نے نہ جانی اے مگس

تھی کبھی دل میں ہوس سیرِ تماشا کی مگر
تجھ کو دیکھے رہ گئی دیدار کی تیرے ہوس

لوگ تو سایہ سے ڈرتے ہیں عسس کے رات کو
مجھ کو جانے سایہ ڈر جائے اگر دیکھے عسس

بھرکے جل تھل اشک کے کوچہ تک اس کے پھر یہ رشک
یہ نہ جائیں واں رقیبانِ سبک سر مثلِ خس

تیرے پائے لنگ کے بس کی نہیں حافظ یہ راہ
باندھ کھونٹے سے نہ ناپے پھر کہیں لنگڑا فرس

دلا رفیقِ سفر بختِ نیک خواہت بس

رہے رفیقِ سفر بختِ نیک خواہ تو بس
نسیمِ جنتِ شیراز زادِ راہ تو بس

سفر نہ منزلِ جاناں سے کر کہیں درویش
ہو سیرِ معنوی اور کنجِ خانقاہ تو بس

نے پیرِ میکدہ کے ساتھ بیٹھ کر پی لی
جہاں میں آنا ہی حاصل ہو عز و جاہ تو بس

پڑے نہ ہوکے میں انساں: زیادہ کیا ورکا
بھری ہو شیشہ میں اور ایک پری ہو وہ تو بس

دیا ہے بے ہنروں کو جہاں نے کیا کچھ دیکھ
کیا جو کسبِ ہنر کا کبھی گناہ تو بس!

غنیمِ غم کی چڑھائی ہوا کرے دل پر
حریمِ پیرِ مغاں میں ملے پناہ تو بس

ہوئے حبِ وطن، پاسِ دوستانِ قدیم
یہ میرے ہمسفروں سے ہو عذر خواہ تو بس

نہ دو جہاں میں کسی کے کرم کا خوگر ہو
کرم ہو اس کا اور انعام بادشاہ تو بس

وظیفہ اور تجھے چاہیے ہی کیا حافظ — تہجد اور یہ تلاوت ہو صبحگاہ تو بس

گلعذارے ز گلستان جہاں مارا بس

گلعذار ایک وہ دے باغِ جہاں سارا بس — سایۂ سروِ رواں پر ہی چمن وارا بس
دُور رکھ مجھ سے خدا۔ اہلِ ریا کی صورت — اِن گراں جانوں کا ہو رطلِ گراں چارا بس
سیرِ عمرِ گزراں دیکھے لبِ جو کوئی — ہے اسی طرح رواں عمر کا بھی دھارا بس
نقدِ بازار جہاں یہ ہو؟ یہ آزارِ جہاں؟ — آپ کو سود، زیاں بہرِ زیاں کارا بس
اور حسرت نہیں اس دل میں ہوس ہیری ہے — دو جہاں سے ہو اگر نفع یہی سارا بس
یار ہاتھ آئے تو حاجت کہ زیادہ چاہیں؟ — تو بغل میں ہو تو ایک گنجِ گہر مارا بس
در پہ رہنے دے مجھے بھیج خدارا نہ بہشت — ہے مجھے کون و مکاں سب سے یہ پیارا بس
حافظا انصاف نہیں مشربِ قسمت کا گلہ — طبعِ آب اور یہ رواں نظم کا نظارا بس

اگر رفیق شفیقی درست پیماں باش

اگر رفیقِ شفیق اور درست پیماں ہو — حریفِ حجرۂ و حمام و باغ و بستاں ہو
جو آرزوئے ملاقاتِ خضر ہو جی میں — تو چھپ کے چشمِ سکندر سے آبِ حیواں ہو
ہو شمعِ بزم تو ایک دل اور ایک زبان بھی ہو — خیالِ سوزشِ پروانہ سے نہ خنداں ہو
نہ گنجِ زلفِ پریشاں سپردِ باد نہ کر — نہ کہہ کہ ہو دلِ عشاق گر پریشاں ہو
طریقِ خدمت و دستورِ بندگی بخدا — یہ ہے کہ چھوڑ کے سب کچھ بیادِ سلطاں ہو
رموزِ عشق نہ ہر مرغ خوشنوا گائے — گلاب اُسی کا ہو جو بلبلِ غزل خواں ہو

کمالِ حسن۔ کہ بس دیکھنے کے لائق ہو — کمالِ عشق۔ کہ بس دُور سے نگہباں ہو
خموش حافظ اور اتنا بھی آہ و نالہ کر — کہا تھا کس نے کہ دیکھ اُس کو اور حیراں ہو

اے ہمہ شکل تو مطبوع ہمہ جائے تو خوش

اے ہر ایک شکل سے مطبوع ہر ایک جائے سے خوش — دل ترے عشوۂ شیریں کی شکر کھائے سے خوش
مثلِ گُل برگِ تر ایک جسمِ لطیف و نازک — کیا ہی اس سرو سراپا پہ نظر جائے سے خوش
ایک گلستانِ خیالات ہیں وہ نقش و نگار — ہے مشام اپنا تری زلفِ سمن سائے سے خوش
زیرِ چشم اُس کے جو تو بنا کرے بیمار۔ بھلا — جب بُرا حال ہو چہرہ وہ نظر آئے سے خوش
وصل کی راہ میں صد سیلِ فنا ہوں حائل — دل ہے رہ سکتا فقط خیال میں آ جائے سے خوش
دشتِ اُلفت میں فنا کا ہے خطر ہر جانب — حافظ اُس میں ہی پڑے پھرنے سے ٹکرائے سے خوش

بہ دَورِ لالہ قدح گیر و بے ریا می باش

بہ رنگِ لالہ قدح گیر و بے ریا بن جا — مہک کے بوئے گل و ہمدمِ صبا بن جا
کہا یہ کس نے کہ رہ مے پرست پورے سال — سہ ماہ بادہ پی من بعد پارسا بن جا
عطا کرے جو کوئی جام پیرِ رہبرِ عشق — چڑھا کے منتظرِ رحمتِ خدا بن جا
ہوس ہو جم کی طرح سیرِ جام کی جی میں — تو یارِ ہمدمِ جامِ جہاں نما بن جا
پڑا ہی کرتی ہیں گُتھیاں زمانے میں — تو مثلِ بادِ بہاری گرہ کشا بن جا
وفا نہ ڈھونڈھ کسی میں اگر نہیں مانے — تو خیر طالبِ سیمرغ و کیمیا بن جا
نہ رام ہو جیو حافظ عدو کے سجدوں پر — ولے حریفِ مے آشام بے ریا بن جا

ببرد از من قرار و طاقت و ہوش

اُڑا لے کر قرار و طاقت و ہوش / بُتِ سنگیں دل ایک سیمیں بنا گوش
صنم ایک شوخ و چالاک و پریرو / جفا جو ماہوش تُرک قبا پوش
پکایا آتشِ سودا نے سینہ / مثالِ دیگ ہے ایک جوش پر جوش
تن آسودہ ہو جیسے پیرہن میں / قبا مانند آ جا میری آغوش
لحد میں ہڈیاں گل جائیں لیکن / تری اُلفت نہیں ہو گی فراموش
دل و دیں لے گیا میرا دل و دیں / وہ چادر پوش، چادر پوش بر دوش
دَوا تیری؟ دَوا تیری؟ اے حافظ / لبِ نوش و لبِ نوش و لبِ نوش

باغباں گر پنج روزے صحبتِ گُل بایدش

باغباں دو چار دن بس صحبتِ گُل چاہیے / خارِ ہجراں پر تجھے بھی صبرِ بُلبُل چاہیے
پھنس کے دامِ زلف میں دل ہو نہ کوئی مضطرب / مُرغِ دانا پھنس اگر جائے تحمّل چاہیے
زلف و رُخ ایسے میسّر تو نظر بازی حرام / یاسمن ہی چاہیے پھر اور نہ سنبل چاہیے
نرگسِ مستانہ کی ہے ناز برداری ضرور / اے دلِ شوریدہ گر وہ زلفِ سنبل چاہیے
رندِ عالم سوز کو کیا مصلحت بینی سے کام / کارِ مُلکی کو تو تدبیر و تأمّل چاہیے
علم و تقویٰ پر بھروسہ کُفر کیشِ عشق میں / ہو ہُنرمندِ جہاں تب بھی توکّل چاہیے
ساقیا گردش میں ساغر کی تعلّل کب تلک / دَور جب عشاق تک پہونچے تسلسل چاہیے
کون حافظ؟ جو نہ ہو مینوش بے آوازِ چنگ / عاشقِ مسکیں کو کیا شان و تجمّل چاہیے

بجد و جہد چو کارے نمی رود از پیش

بجد و جہد نہ دیکھی جہاں میں جاتی پیش
اُسی پہ چھوڑ دے سب کام اپنے اے درویش

جُھکائے سر نہ کبھی بہرِ تاج پوشی بھی
اگر ہو بہر قناعت سے کچھ خبر درویش

کرے نہ دل کو پریشاں نہ آپ کو تحلیل
رہے نہ تشکیل تراز و ہمیشہ در کم و بیش

ریائے زُہد نے دل میں پھپولے ڈال دیئے
قدح دے بھر کے کہ مرہم طلب ہے اب دلِ ریش

چڑھائے جام کہ قامِ آفرینش نے
انو تمہارڈں ہی میں نجھار کھے ہیں نیش

رہا حلال تمہارے یہ جام بادہ حرام
عجیب دین طریقت! عجب شریعت و کیش!

ہے دلبروں میں سر آمد تو کیا تعجب ہے
اساسِ و ہر سے تھا اُس کا نُور فزوں بیش

دہانِ تنگ وہ دلخواہ جان حافظ ہے
پڑے نہ جان کے پیچھے دلِ محال اندیش!

باز آئی و دل تنگ مرا مونس جاں باش

آ بیٹھ دلِ تنگ میں اور مونسِ جاں ہو
مجھ سوختہ کا محرمِ اسرار نہاں ہو

اُس مے کے جو ہو میکدۂ عشق کا تحفہ
دے ایک دو ساغر مجھے گرچہ رمضاں ہو!

خرقہ کو جلا ڈالے تو اے عارفِ سالک
کوشش کہ سر حلقۂ رندانِ جہاں ہو

لکھتے مجھے تُو! تیرے لئے دل نگراں ہے
پھو نچا ہی سمجھ مجھ کو بھی مست دل نگراں ہو

دل خُون کیا لعل رواں بخش کی خاطر
اقرارِ محبت پہ اب ایک مُہر نشاں ہو

دل پہ کوئی داں بیٹھنے پائے نہ کدورت
اشکوں کا بھی ریلا عقبِ نامہ رواں ہو

حافظ ہو جو سِ جامِ جہاں بیں تو رہی بجھ جائے
منظر پہ اگر آصف جمشید مکاں ہو!

چو جام لعل تو نوشم کجا بماند ہوش

وہ جامِ لعل ہوں گر نوش تو کہاں پھر ہوش   وہ چشمِ مست بھی گر دیکھ لی تو ہوش نہ گوش!
یہ دل اسیر ترا اُس سے تُو مگر آزاد   فروخت کر دے جو لے میکدہ میں کوزہ فروش
نہ کہنا پھر کبھی:۔ خاموش؛ چپ ہو نالہ نہ کر!"   چمن میں مرغِ چمن کس طرح رہے خاموش
تلاش میں تری جاتے اگر ہیں صبر و قرار   تو یاد میں تری آتے نہیں ہیں طاقت و ہوش
شراب پختہ نہ خامان دل سیاہ کو دیں   کہ بادہ آتش تیز اور یہ تحشگان درجوش
نہ ہوگی یہ تو نعیمِ جناں میں بھی نعمت   کہ یار نوش کرے بادہ، ہم کہیں:۔ کہ نوش"
اِس آرزو میں کہ ایک کوزہ میکدے سے ملے   سبُو و خم بھی خراباتیوں کے ڈھوئے بدوش
مجھے جو خلعتِ سُلطانِ عشق دینے لگے   کہا پکار کے:۔ حافظ خموش رہیو خموش!"

خوشا شیراز و وضع بیمثالش

وہ شیراز اور وہ جس ہر ایک نرالی   ٹلے اُس سے ہر آفت آنے والی
وہ آبِ رُکنا باد۔ اے لوش اللہ   پیا ایک گھونٹ عمرِ خضر پالی
وہ بادِ جعفر آباد و مصلے!   معطر جس کا ہر جھونکا شمالی
کریں یہاں رہ کے کسبِ فیضِ قدسی   تمام اس جا ہے اب حب کمالی
لیا یہاں کس نے نامِ قند و مصری   نہ شیرینوں سے تا خفت اُٹھا لی
صبا اُس شوخِ شنگِ مست کی کچھ   خبر دے کس طرح ہو طبع غالی؛
مجھے کر دے حلال اے طفلِ شیریں   تجھے یہ شیرِ مادر خوں حلالی!

نہ ہوں اس خواب سے بیدار یارب
رہوں محو اس میں در عیشِ خیالی
اگر دھڑکا تھا حافظ ہجر کا تو
گھڑی کیوں وصل کی غفلت میں ٹالی؟

در عہدِ بادشاہ خطا بخش جرم پوش

خوش عہد بادشاہِ خطا بخش جرم پوش
مفتی قرابہ کش ہے تو قاضی پیالہ نوش!
صوفی نے چھوڑ صومعہ پکڑا ہے پائے خم
دیکھا جو محتسب کو روانہ سبو بدوش
احوال شیخ و زاہد و شرب الیہود کا
پوچھا جو اس سے کہتا ہے کیا۔ پیر میفروش
تو اپنا آدمی ہے نہیں کوئی تجھ سے راز
کہنے کی بات ہی نہیں مت پوچھ بادہ نوش
ساقی بہار جاتی ہے اب بے بہائے مَے
کچھ فکر کر کہ خم کی طرح اُٹھ رہے ہیں جوش
عشق اور مفلسی و جوانی و نوبہار
سرزد ہو کچھ تو عذر پذیرا ہو عیب پوش
اے بادشاہِ صورت و معنی کہ تیرا مثل
دیکھا سنا کسی نے نہ اب تک بچشم و گوش
زندہ رہے جہاں میں یہاں تک کہ خرقہ دے
بختِ جواں کو تیرے فلک۔ پیرِ ژندہ پوش
کب تک زبان شمع کی مانند رہے گی تیز
پروانۂ مراد سے جل کر ہو بس خموش
ایک غیب سے صدا یہ سنی گوشِ دل نے رات
حافظ تو بیٹھ صبر سے غم چھوڑ بادہ نوش

دلم رمیدہ شد و غافلم من درویش

رمیدہ دل اِدھر اس سے میں بے خبر درویش
جو اس شکاریِ سرگشتہ کو ہو آیا پیش
نہ شکلِ بید میں لرزوں اس اپنے ایمان پر
ہے دل دبوچے کماں ابرو ایک کافر کیش
سرا ہیے مژہ شوخ عافیت کش کو
کہ آب نوش ہیں ڈھلتی ہیں جسکی نوکِ نیش

رواں ہو خون طبیبوں کی آستینوں سے | ذرا جو مس بھی کریں نبضِ خستہ دل ریش
روا نہ میکدے گریاں و سر فگندہ ہوں | حقیر دیکھ کے پوچھی کو اپنی بیش از بیش
دلیر ہجر پہ ہوتا ہے۔ حوصلہ دیکھو! | یہ سر پہ لائیگا کیا قطرۂ محال اندیش
نہ عمرِ خضر رہے گی۔ نہ مُلکِ اسکندر | برائے جیفۂ دُنیا یہ کشمکش درویش؟
جو بندہ ہو تو نہیں زیب بادشاہ کا گلہ | کہ شرطِ عشق نہیں ہے شکایتِ کم و بیش
نہ پا سکے گا مگر اُس کی ہر گدا حافظ | خزانہ دولت قارون سے بھی تو چاہیے بیش

دوش با من گفت پنہاں رازدان تیز ہوش

غضب کہ بولا کان میں ایک رازدان تیز ہوش | "دُوست تجھ سے کیا رکھوں پنہاں میں رازِ میفروش"
راہِ آسانی کو کاموں میں بنانا رہنما | سخت پیش آتی ہے دُنیا اُن سے جو ہیں سخت کوش"
تا نہ ہو دل آشنا بُو بھی نہ پائے راز کی | گوشِ نامحرم نہیں ہے جائے پیغامِ سروش"
منع ہے مطلق حریمِ عشق میں گفت و شنید | جملہ اعضا کو وہاں انسان بنائے چشم و گوش"
دل لبالب ہو لہو سے لب ہو خنداں مثلِ جام | نَے ہو ناسوروں سے سینہ منع ہے تب بھی خروش"
باندھ لے یہ بھی گرہ میں "کھا نہ کچھ دنیا کا غم" | ہے یہ موتی سی نصیحت ہاں بنالے دُرِّ گوش"
کہہ کے یہ ایک جامِ روشن وہ دیا خود چرخ پر | رقص زہرہ نے کیا بربط زناں بولی کہ نوش!
ساقیا مے دے کہ رندی ہائے حافظ بخشدے | خسروِ صاحبقراں جُرم بخش عیب پوش

سحر ز ہاتف غیبم رسید مژدہ بگوش

سُنی یہ کان نے میرے سحر صدائے سروش | ہے دَورِ شاہ شجاع بے دھڑک پیئیں مینوش

گیا زمانہ کہ کترا کے جائیں اہلِ نظر
ہزار طرح کے دل میں خیال لب خاموش
نکالیں دل کے وہ ڈنکے کی چوٹ اب ارماں
جو دیگِ سینہ میں پکتے تھے ابلتے تھے جوش
شرابِ خانگی کیوں خوفِ محتسب سے پئیں
بڑے یار پئیں اور مچا کے نوشا نوش
گھر اُس کو کاندھے پہ لائے ہیں میکدے سے حریف
امام شہر جو رہتا تھا جانماز بہ دوش
جو مجھ سے چاہے دلائیں ہوں رہنمائے نجات
توفیق پر نہ ہو نازاں کوئی نہ زہد فروش
محلِ نورِ تجلّے ہے رائے انورِ شاہ
جو قُربِ چاہے تو دل، در صفائے نیت کوش
رموزِ مصلحتِ مُلک بادشاہ جانیں
گدائے گوشہ نشیں ہے تو حافظا خاموش

شراب تلخ میخواہم کہ مرد افگن بود زورش

شراب تلخ دے ساقی کہ مرد افگن ہو زور اُس کا
کہ دم بھر چین لوں دُنیا سے کچھ ہلکا ہو شور اُس کا
منگائیں بادہ ہاں۔ غافل نہ بیٹھیں کہ دُنیا سے
بُھلائے مطربہ اُس کی گھُورے سختئ بد اُس کا
اُٹھالیں جامِ جم، پھینکیں کمندِ صیدِ بہرامی
کہ صحرا چھان مارا ہم نے بہرام اور نہ گور اُس کا
نہیں ہے شہدِ راحت خوانِ چرخ سفلہ پرور میں
نہ کر لا تلخ میں منہ کڑوا نہ چکھ شیرین و شور اُس کا
مے روشن میں رازِ دہر آ میں تجھ کو دکھلادوں
کرے ظاہر نہ کج بینوں پہ گر تو قلبِ کور اُس کا
شرابِ لعل یُوں پیتا ہوں میں جامِ زمرّد میں
عدو افعی ہے اور کرتے زمرّد دیدہ کور اُس کا
نظر درویش پر کس کس نے وجہ کسرِ شاں سمجھی؟
سلیماں جس کی وہ حشمت عزیز دل تھا مور اُس کا
کماں ابرو کھچی ہے تیر چھوڑے اور نہ منہ موڑے
ہنسی آتی ہے حافظ دیکھ کر ٹھنڈا یہ زور اُس کا

صوفی گلے بچنیں و مرقع بخار بخش

گلچینی کرے تسبیح مرقع دے خار کو
پُن کر دے زُہدِ خشک مے خوشگوار کو

پامالِ راگ و رنگ ہوں طامات و زرق و زرد
تسبیح و طیلساں دے مَے و میگسار کو

زہد گراں ہیں ساقی و شاہد نہ مُفت بھی
دے ڈال اُسے چمن میں نسیمِ بہار کو

رہزنِ تشنہ لبِ لعل تھی اے میرِ خاتستاں
خُوں بیز انحش چاہِ زنخدانِ یار کو!

یارب گناہ معاف ہوں فصلِ بہار میں
لاؤں شفیع سروِ لبِ جو یبار کو؟

صدقہ نگاہِ بد سے حفاظت کا بخش دے
دکھلا دے عفو و رحمتِ پروردگار کو

اے وہ جو تا بمقصدِ دل کامراں ہوئے
ایک قطرہ اُس محیط سے اِس خاکسار کو

ساقی صبوح نوش کرے شاہ تو جامِ زر
کہنا عطا ہو حافظ شب زندہ دار کو

فکرِ بلبل ہمہ آنست کہ گل شد یارش

بُلبل اِس فکر میں بے چین کہ گُل یار رہے
گُل ہو جل دینے میں اور تیز کئے خار رہے

دلربائی یہ نہیں قتل ہی عاشق کو کرے
اچھا آقا وہ جو نوکر کا بھی غم خوار رہے

ہیں عجب کیا جگرِ لعل میں خوں کی موجیں
اُس کی کچھ مانگ نہ ہو کوڑی ہی درکار رہے

کِس سے بُلبُل نے سخن سیکھے کہ گُل سے سیکھے
کیسے یہ شعر و غزل زیورِ منقار رہے

اے مسافر کہ جو صد قافلہ دل لے کے چلا
خوش رہے جائے جہاں تیرا خدا یار رہے

اے مِرے کوچۂ معشوق سے جانے والو
ہوش سے! چھوڑ کے سر ورنہ وہ دیوار رہے

ٹیڑھی ٹوپی میں نظر آتا ہے سرخوش صوفی
اک دو جام اور کہ سر پائے نہ دستار رہے

عافیت جو ہو نہ دل گرچہ بھلی لگتی ہو
خاطرِ عشق ہے نازک، نہ کچھ انکار رہے

دل جو ہو وسوسۂ نفس و ہوس سے خالی
کیوں نہ در عینِ حرم چشم بہ دیدار رہے

حافظ ایک عمر رہا خوگر دیدار تو اب
ناز پروردۂ وصل آپ کا کیوں زار رہے؟

کنارِ آبِ پائے بیدُ طبعِ شعرِ یارے خوش

لبِ دریا ہو، مجنوں چھائے، موزوں طبعِ یار ایک ہو
قریں ایک دلبرِ شیریں ہو، ساقی گلعذار ایک ہو

سُن اے دولت نصیب اور قدر دانِ فرصتِ مستی
مزے کر اور کیا چاہے جو ایسا روزگار ایک ہو؟

شبِ صحبت غنیمت جان کر دے دادِ عشرت کی
کبھی ہو چادرِ مہتاب رنگیں لالہ زار ایک ہو

کسی دل کو اگر دلبر کی خاطر زیرِ باری ہو
تو دے شکرانہ کیا اس سے بھی بہتر کار و بار ایک ہو

یہ کیسی مے ہے یارب چشمِ ساقی کے پیالہ میں
جو کرتی چھیڑ خانی عقل سے لاتی خمار ایک ہو

عروسِ طبع کو زیور پہناؤں فکرِ تازہ کے
یہی شاید مقدر میں لکھا میرے نگار ایک ہو

یہ غفلت تا کجا حافظؔ؟ چلا آ اب بھی میخانے
وہ کر وا شوخ سنگوں میں جو لائق تیرے کار ایک ہو

ما آزمودہ ایم دریں شہر بختِ خویش

اس شہر میں تو دیکھ چکے اپنے بخت کو
ڈالیں اب اور ہی کہیں لے جا کے رخت کو

کانٹوں پہ لوٹیں مثلِ گُل آہیں بھرا کریں
پھونکے خود اپنی آگ تنِ لخت لخت کو؟

کیا ہی بھلا لگا مجھے، بُلبُل تھی نغمہ زن
گُل کان کھولے سُنتا تھا پکڑے درخت کو

نغمہ یہ تھا کہ صبر دے دل، یارِ تُند خُو
اِتنا جو تُند خو ہے، دعا دے وہ بخت کو

مارے فلک پہ موج گو سیلابِ حادثہ
صاحبِ دل اس میں بھیگنے تک دے نہ رخت کو

چاہے جو سخت و سُستِ جہاں سے یہاں مفر
چھوڑے وہ عہدِ سُست کو اور لفظِ سخت کو

حافظؔ دوامِ بخت جو دیتے کسی کا ساتھ
جمشید بیٹھا ہوتا دیئے تکیہ تخت کو

مجمع خوبی و لطف است عذار چو مہش

خوبیوں سے مہرِ روشن تو عذار اُس کے رہے
اے خُدا پھر و وفا بھی نہ کیوں یار اُس کے رہے؟

طفل ہے شاہدِ دلبر مرا لا بین تو سہی
خُون بھی کر دے تو کچھ ذمے نہ بار اُس کے رہے

چاردہ سالہ ہے ایک شوخ صنم یار مرا
بدر سَو جان سے صدقے و نثار اُس کے رہے

خود خبردار رہیں دل سے۔ یہ بہتر۔ وہ تو
نیک و بد جانے نہ کچھ جی ہیں پچار اُس کے رہے

لبِ شیریں سے ہزار آتی رہی دودھ کی بُو
وہ تو دو چشمِ سیہ خوں پہ سوار اُس کے رہے

پا کے بُو اُس گُلِ نو کی جو ہوا دل پرّاں
نہ پتے بھی تو، ہی جس دن سے فرار، اُس کے رہے

یار دلدار یونہی قلب شکن ہے تو سمجھ
جلد سر لشکرِ شہ بن کے بکار اُس کے رہے

صدقے قربان ہو یہ جاں۔ گردہ گراں دانہ دُر
صدفِ دیدۂ حافظ میں کنار اُس کے رہے

مرا کاریست مشکل بادلِ خویش

ہُوئی کیسی یہ مشکل دل کو درپیش
کہ کہنے پائے مشکل بھی نہ درویش؟

ہے یادِ یار و جانِ زار شاہد
کہ کیا رہتی ہی رنگت بادلِ خویش

رہے پس ماندگان کا پاس بھی یار
اُڑا ئے جا نہ محمل بے پس و پیش

پھرا مجنوں سا بھی در کوہ و صحرا
سُراغِ رہ نہ پایا از صفر بہ بیش

لُٹا اوّل ہی منزل پر ہمیشہ
نہ ساحل ہوتی دیکھی کشتیِ خویش

گئے ہیں ہاتھ سے کیا کیا مواقع
نہ جاگا خواب سے یہ بختِ بدکیش

نہ ہو حافظ پہ جولانیٔ جفا کی
ترا وہ خاک رہ ہے خیر اندیش

ہاتفے از گوشۂ میخانہ دوش

گوشۂ میخانہ سے کل شب سروش — بولا بخشیں گے گنہ سب بادہ نوش
مغفرت اس کی نہیں خالی ز شغل — مژدۂ رحمت سناتا ہے سروش
پھینک عقلِ خام کو مے خانہ میں — بادۂ لعلیں سے لے آ خوں میں جوش
عفو اس کا بڑھ کے ہے یا جرمِ خلق؟ — راز ہی کہنے لگا اے دل خموش!
وصل کی ضامن نہیں گو کوششیں — جس قدر دل بن سکے ہو وصل کوش
کان ہو اور حلقۂ گیسوئے یار — ہو دہن اور خاکِ کوئے میفروش
داورِ دیں شاہ شجاع ایسے ہیں — روحِ قدس و عقلِ کل حلقہ بگوش
مالک العرش اس کی پوری کر مراد — چشمِ بد سے بھی بچا کر رکھ بہ ہوش
رندیِ حافظ نہیں کچھ جرم سخت — پیشِ عفوِ بادشاہِ عیب پوش

یارب آں نوگلِ خنداں کہ سپردی بمنش

مجھ کو جو نوگلِ خنداں تھا دیا خالقِ من — تجھ کو سونپا کہ بری آنکھ نہ دیکھیں دشمن
دل بھی ہے ساتھ مرا جائے جہاں جاتا ہو — حفظِ ارباب کرم میں رہے وہ جاں ہمہ تن
ہو گزر منزلِ سلمٰے میں اگر بادِ صبا — کہہ سلام اس سے مرا میری پیامی تو بن
زلف مشکوں کی ہوا آہستہ صبا نافہ کشا — جائے دلہائے عزیزاں ہی نہ ہو برہمزن
دل کو کچھ حقِ وفا زلف و خط و خال پہ ہے — دے خمِ طرۂ مشکیں میں معزز مسکن
دور جب بزم میں اس دور دہن پر ہو رواں — سخت سفلہ ہے جسے یاد رہے کچھ تن و من

جا پڑا کوئے وفا سے گو وہ اب کوسوں دُور
دُور اُس سے رہیں آفاتِ زمان دُرِ زمن

مال وھن سب سے تو پڑھ فاتحہ میخانے میں
آب برو وہی جو اُس پانی کو پی کر ہو مگن

جس کو سہا دے ملال۔ اسکو نہیں عشق حلال
سر پہ قدموں میں ہو یا ہو پچھے یہ تب بدہن

شعر حافظ بھی بیت الغزل عرفان ہیں
واہ کیا نغمۂ دلکش میں بھرے لطفِ سخن

از رقیبت دلم نہ یافت خلاص

دل نے پایا رقیب سے نہ خلاص
سچ ہے القاص لایحبّ القاص

محتسب توڑے خم۔ میں اُس کا سر
سن بالسن والجروح قصاص

میرے مطرب نے جب الاپا کچھ
زہرہ ساں مشتری بھی تھی رقاص

کیسے موتی نکالے دریا سے
جب تلک ترکِ سر نہ دے غوّاص

عقل پتھر ہے عشق پارس ہے
مس سے کندن بنانا اِس کا خواص

مصحفِ رُخ میں پڑھلے تو حافظ
پہلے الحمد بعدہٗ اخلاص

نیست کس را از کمندِ زلف تو خلاص

کس کو پھنس کر ہوا زلفوں کی کمندوں سے خلاص
خوں کئے عاشقوں مسکینوں کے بیخوفِ قصاص

جو بیابانِ فنا میں نہ فنا ہو عاشق
حرم دل میں اُسے کون کرے خاص الخاص

پیش کی شمع صفت ہم نے اُسے جان بشوق
تن بھی ایثار کیا اُس پہ بروے اخلاص

تن اگر خاک ہوا عشق میں کہیے اکسیر
رانگ جب بن گئی سونا تو نہیں نام رصاص

نہ ہوا دار بنے شمع کا پروانہ کوئی
نہ جلے بھی تو نہیں عشق کے خطروں سے خلاص

ناوکِ غمزہ نے رستم کو دکھایا نیچا — راست ابروئے کماں نے کی کمانِ وقاص
عام کیا جانیں بہائے گہرِ بیش بہا — حافظا گوہرِ یک دانہ کے قابل ہیں خواص

بیا کہ می شنوم بوئے جاں ازاں عارض

بتادیں سونگھ کے رکھتا ہی بوئے جاں عارض — ہمارے دل کا بتاتا ہے خود نشاں عارض
ہے قد کے آگے قدِ سروِ ناز پا در گل — خجل ہے دیکھ کے ایک ایک گلِ خیاں عارض
جو حسن و لطف کا حوروں کے ہی بیاں وہ غلط — وہ حسن و لطف دکھاتا ہی بے بیاں عارض
یہ مشک نافہ چیں نے بھی پایا گیسو سے — گلاب کی بھی ہے خوشبو کا عطر داں عارض
وہ جسم دیکھ کے تن یاسمن کا شرمائے — کرائے لالہ کو توخوں میں ہی نشاں عارض
جو مہر رخ سے ہو خورشیدِ چرخ غرقِ عرق — تو زار دیکھ کے ہو ماہِ آسماں عارض
ہے نظمِ دلکشِ حافظ یوں غرقِ آبحیات — کہ جیسے تیرا پسینے میں جانِ جاں عارض

حسن و جمال تو جہاں جملہ گرفت طول و عرض

حسن و جمال سے ترے پر ہے جہاں کا طول و عرض — شمسِ فلک ہے غرقِ شرم دیکھ کے تجھ کو ماہ رض
تیرے ہی رخ سے آفتاب چوتھے طبق میں پائے نور — شُلِ زمین ہفتمیں تیرا ہے زیرِ بارِ قرض
دیکھنا تیرے حسن کا خلق پہ واجب اور ہوا — سجدۂ در بھی تو ترا بہرِ شہانِ ارض فرض
روح فزا یہ لب ترے دیں گے نہ گلشکر مجھے — اس تنِ دردمند سے ہو نہ سکے گا دفعِ مرض

بوسۂ نقشِ پا تجھے آئے کہاں سے اس کا ہاتھ
قصۂ شوق حافظ کون ہے جو کریگا عرض؟

سواد دیدۂ من شد ز آب چشم بیاض

سیاہی آنکھ کی اشکوں سے ہوگئی ہے بیاض
کہاں تک اب مری جاں اور کس لئے اعراض؟

عجیب کاٹ ہے مژگاں کی اُن صفوں میں خدا
بریدہ جامۂ تقوٰے ہے اُن سے جوں مقراض

وہ دھوپ چھاؤں رُخ و زلف نے دکھائی ہے
اسی سے دیدۂ مردم میں ہے سواد و بیاض

خفا نہ ہو، اِدھر آؤ گلے لگا لیں تمہیں
بھلاؤ قصۂ ماضی مضٰے مضٰے ما ماض

غزل بہ قافیۂ ضاد غیر ممکن تھی
پہ مہربان ہے حافظ پہ مبدا فیاض

گرد عذار یار من تا بنوشت حسن خط

گرد عذارِ یار جب حُسن نے لکھ دیا یہ خط
اُس کو سمجھ کے آفتاب چاندنے راہ کی غلط

آبحیات سے عزیز ہونٹوں کی آرزو میں دل
آنکھ سے ہے کئے رواں آبجو ایک مثالِ شط

خالِ سیاہ کو دیکھ تو عارضِ سیم رنگ پر
مشکِ سیاہ سے ہے دیا عارضِ مہ پہ ایک نقط

بال بکھیرے اور عرق پہونچا چمن میں یہ خبر
گُل ہوا زرد زعفراں، مشک و گلاب سُن فقط

گاہ اُڑائے جان و دل اُسکی ہوا میں مثلِ گرد
آتشِ عشق آب میں گاہ رواں کی مثلِ بط

اپنی غلامی میں شہا مجھ کو اگر کرے قبول
لکھ دوں میں خطِ بندگی کر دوں میں مُہر و دستخط

نظم سے تیری حافظا آب حیات منہ چھپائے
عشق میں اُس کے شعر کب کس نے کہے تھے اس نمط؟

ز چشم بد رُخ خوب ترا خدا حافظ

ہو چشم بد سے رُخِ خوب کا خدا حافظ
کی ہم سے اُس نے نکوئی ہی اور کیا حافظ

کیا ہو خون ترے دل کا لعل لب نے اگر
تو مانگ بوسہ جان بخش خوں بہا حافظ

نہ زلف و خالِ بتاں میں پھنسا ہوتو پھر دل
جواب کے چھوٹے تو زندانی بلا حافظ

چل آ بصلح و صفا دوستی کا عہد کریں
لڑائی جھگڑا ہی تجھ سے ہی ہم کو کیا حافظ

کہاں تو اور کہاں دامنِ وصال اس کا
نہ چھو سکے گا اسے دستِ ہر گدا حافظ

عجیب پائی ہے لذت وصال جاناں میں
کہ جان آ گئی جی اٹھا مر گیا حافظ

چل آ سنا غزل ایک خوب طرفہ و پر سوز
ہے شعر تیرا فرح بخش و جاں فزا حافظ

قسم بحشمت و جاہ و جلال شاہ شجاع

گواہ حشمت و جاہ و جلالِ شاہ شجاع
کہ جاہ و مال کی خاطر نہیں کسی سے نزاع

اگرچہ تشنہ ترے فیض جام کا ہوں ولے
نہ مانگنے میں دلیر اور نہ موجبِ اصداع

خدا کے واسطے خرقوں کو آب مے میں کھنگال
کہ بوئے خیر سے عاری ہوئے ہیں یہ اوضاع

تھرک رہا ہے وہ طبلے کی تھاپ پر دیکھو
وہی جو کل نہیں دیتا تھا ہم کو اذنِ سماع

نگاہِ مہر فقیروں پہ پائی یہ دولت!
ہیں ہم غلامِ مطیع اور تو خدیوِ مطاع

چٹخ یہاں سے ادیب اپنا وعظ طاق پہ رکھ
پلید تجھ سے نہ آئندہ ہوں یہ کنج و بقاع

ستایا زہد نے حافظ کے یادہ گوئی سے
بلائیں راگ میں سُر چھیڑ دیں سُرود سماع!

قسم بہ دولت گیتی فروز شاہ شجاع

گواہ دولتِ گیتی فروزِ شاہ شجاع
نظر میں ہے مری مالِ جہاں حقیر متاع

صراحی اور حریفِ نگار کافی بس!
علاوہ اس کے سب اسباب تفرقہ و صداع

چلا ہے لے کے خرابات خانقاہ سے عشق
نہ سر سے جائیں ہم لے جاں کریں حق تجھ سے نزاع

بڑھا دو وِردِ شبانہ بے مغانہ چلے
حریفِ بادہ بلا اسے رفیقِ توبہ وداع

اُٹھا لا شیشہ کہ روشن ہو مشعلِ خورشید
فقیر کے بھی سیہ خانے میں ہو قبضِ شعاع

کبھی نہ چھوٹے الٰہی جبینِ حافظ سے
نشانِ خاکِ درِ کبریائے شاہ شجاع

بامداداں کہ زخلوتگہ کاخ ابداع

صبح کھلتے ہی درِ خلوتِ کاخِ ابداع
شاہِ مشرق کی پڑے چار طرف اُٹھ کے شعاع

آئینہ جیبِ اُفق سے ہو نکل کر رخشاں
رنگِ عالم نظر آئے بہزاراں انواع

خود طرب خانۂ جمشیدِ فلک میں زہرہ
ارغنوں ٹھیک کرے اپنا باآہنگِ سماع

چنگ ہنکار کے پوچھے کہ:۔ کہاں ہے منکر
قہقہہ جام لگائے کہ کدھر ہے مناع

طرۂ دولتِ دنیا ہے پُر از مکر و فریب
ایسی چیزوں پہ نہیں کرتے سمجھ دار نزاع

دیکھ لی وضعِ جہاں؟ ساغرِ عشرت کو سنبھال
کہ بہر حال یہی ٹھیرے بہینِ اوضاع

منظرِ لطفِ ازل۔ روشنیِ چشمِ اَمَل
جامعِ علم و عمل جانِ جہاں شاہِ شجاع

طالبِ زندگیِ شہ ہو اگر چاہتا ہے
نفعِ دنیا کہ خطا بخش ہے وہ اور نفاع

مے پیئے ساتھ مگر ایک صنمِ خنداں کے
اس سے بڑھ کر نہیں کچھ حافظا دنیا میں متاع

در وفائے عشق او مشہور خوبانم چو شمع

ہوں وفا میں اُس کی ایک مشہور خوباں میں بھی شمع
شب نشینِ کوئے سربازانِ رنداں میں بھی شمع

اس کے غم نے موم کر ڈالا مرا کوہِ وقار
آب و آتش میں محبت کی ہوں سوزاں میں بھی شمع

روز میرا شب ہے بے حسنِ جہاں آرا مگر ۔ ہوں کمالِ عشق میں در عینِ نقصاں میں بھی شمع

سمجھے وہ ہجر میں پروانۂ وصل اب تو خیر ۔ ورنہ کھینچوں گا زباں پر آہ سوزاں میں بھی شمع

کاٹ ڈالی غم کی قینچی نے تحمل کی رسن ۔ پھر اسی حالت میں ہوں فرقت میں سوزاں میں بھی شمع

خواب ان غمدست آنکھوں میں دن ہی ورنہ رات ۔ اس کی بیماریِ ہجراں میں ہوں گریاں میں بھی شمع

وصل سے اس ماہرو کے ہوں کسی شب سرفراز ۔ اس کے جلوے سے منور پاؤں ایواں میں بھی شمع

صبح کی مانند نفس باقی رہا ہے مجھ میں ایک ۔ شکل دکھلا دے تو وار دوں اس پہ یہ جاں میں بھی شمع

یہ کمیتِ اشک میرا اگر نہ ہوتا تیز رو ۔ فاش یوں ہونے نہ دیتا رازِ پنہاں میں بھی شمع

آتشِ مہر اس کی حافظ سر سے ہوتی شعلہ زن ۔ اشک سے بجھتی جو ہو جائے انساں میں بھی شمع

سحر چو بلبلِ بیدل دمے شدیم بباغ

گیا تھا بلبلِ بیدل کی طرح میں کل باغ ۔ کیا جو اس نے وہی کرنے کو علاجِ دماغ

نظر پڑی گلِ سوری کی مجھ کو واں صورت ۔ اندھیری رات میں روشن تھا گویا ایک چراغ

مگر تھا حسن و جوانی پہ کس قدر مغرور ۔ ہزار گو نہ تھے بلبل کے غم سے اس کو فراغ

وہاں تھے نرگسِ رعنا کی آنکھ سے آنسو ۔ پڑے تھے لالۂ حمرا کے دل پہ داغ پہ داغ

کشیدہ تیغ زباں سوسن اور وہن کھینچے ۔ دو حاجوں کی طرح تھے شقایقِ نباغ

غرض صراحی لئے مے پرست تھا کوئی ۔ تو کوئی ساقیِ مست ہاتھ میں اٹھائے ایاغ

نشاط و عیش و جوانی کو بس غنیمت جان ۔ جتا دیا مجھے حافظ ادا کی شرطِ بلاغ

طالع اگر مدد کند دامنش آورم بکف

آئے وہ دن خدا کرے دامنِ یار ہو بکف ۔ کھینچ لوں میں زہے نشاط، کھینچ لے وہ زہے شرف

ہر جگہ یاس ہی ہوئی حسرتِ دل اگرچہ کی
بادِ صبا نے مشتہر کر کے جہاں میں ہر طرف

ہجرِ بتانِ سنگ دل نازسے پاؤں کب تلک
بات نہ پوچھیں باپ کی ایسے کپوت ناخلف!

اِس خمِ ابرو سے کبھی آہ کشادِ دل نہ ہو
ہائے غلط اُمید پر عمرِ عزیز کی تلف!

مَیں بنماز و معتکف، اُس پہ یہ طرفہ ماجرا
مغبچے گھیرے چوطرف گائیں بجائیں چنگ و دف!

ابروئے یار کو غرض؟ میری غرض کی یار ہو!
تیر کبھی اِس کمان سے کس نے لگایا بر ہدف؟

زاہدوں کو خبر ہی کیا، چہرہ سے پڑھ لے لا تقل
مستِ ریا ہے محتسب، پی بھی لے یار لا تخف!

صوفیِ شہر لقمۂ شبہ مزے سے کھاتا ہے
خوب دُمِ دراز پہ پھیرتا ہے سیہ کلف!

کون سے دل سے مے پیوں شاد ہوں اور طرب کروں
بیچ میں دل ہی چار سُو لشکرِ غم ہے صف بہ صف!

حافظ اگر ہو گامزن در رہِ خاندانِ عشق
تیری رفیق راہ ہو ہمتِ شحنۂ نجف!

زبانِ خامہ ندارد سرِ بیانِ فراق

زبانِ خامہ نہیں مائلِ بیانِ فراق
وگرنہ لکھتا مفصل مَیں داستانِ فراق

خیالی گھوڑوں کے جُھرمٹ میں ہمرکابِ شکیب
قرینِ محنت و اندوہ و ہم عنانِ فراق

اُمیدِ وصل میں افسوس زندگی ہو اخیر
بسر ہو عمر، نہیں ہو بسر زمانِ فراق

قریب ہے کہ یہ اب ناؤ ڈوب ہی جائے
بھنور میں شوق کے اے بحرِ بیکرانِ فراق

سرِ فلک پہ بھی اُس سر کو دیجیے فوقیت
جو بیکسی سے پڑا ہو برآستانِ فراق

ہوائے وصل میں اب کن پروں سے اُڑئیے دل
کہ بال و پر تو ہوئے نذرِ آشیانِ فراق

فلک نے دیکھ کے دل کو اسیرِ چنبرِ عشق
بٹی ہی صبر کی پھانسی کو ریسمانِ فراق

پناہ نہ پائی تو گردابِ غم میں لے پہونچا
بہا کے صبر کی کشتی کو بادبانِ فراق

نہ کر سکیں گے کوئی دعویٰ وصال کر ہے — یہ تن کفیل قضا کا یہ دل ضمانِ فراق
فراق و ہجر الٰہی ہیں کس کے لائے ہوئے؟ — سیاہ ہجر کا منہ! اُجڑے خانمانِ فراق!
جو پائے شوق سے حافظ یہ راہ سر ہوتی — نہ دستِ ہجر میں دیتا کوئی عنانِ فراق

مباد کس چو من خستہ مبتلائے فراق

نہ مجھ غریب سا ہو کوئی مبتلائے فراق — تمام عمر مرے ساتھ تھی بلائے فراق
غریب و عاشق و بیدل فقیر و سرگرداں — اُٹھائے محنتِ ایام و رنجہائے فراق
فراق ہاتھ اگر آئے خون کر ڈالوں — دِلا دُوں آنکھوں سے جو کچھ ہو خونبہائے فراق
میں اس فراق کو ایسا فراق میں ڈالوں — کہ رُوئیں خون کے آنسو ہی دیدہ ہائے فراق
فراق و ہجر کے غم سے مفر نہیں ایک دم — عوض ہمارا اے یارب تو دے سزائے فراق
کدھر کو جائیے کیا کیجے کس سے غم کہیے — کہاں سے داد ملے کون دے جزائے فراق؟
فراق دیکھو، یہ غم دیکھو اور مجھے دیکھو — جنا تھا مجھ کو مری ماں نے کیا برائے فراق
ہے عشق باغ تو حافظ ہے بلبلِ سحری — دن اور رات ہے ایک خونفشاں نوائے فراق

مقام امن و مے بیغش و رفیق شفیق

مقامِ امن و مےِ صاف اور ایک رفیقِ شفیق — اگر مدام میسر رہیں زہے توفیق!
جہان و کارِ جہاں ہیچ و پوچ ہی سب جان — ہزار بار اِسے کر چکا ہوں میں تحقیق
پناہ کی جگہ ایک ڈھونڈھ، دم غنیمت ہے — ہیں راہِ عمر میں پوشیدہ قاطعانِ طریق
ہے کوئی بندہ خدا کا جو ٹھیک راہ سُجھائے؟ — نہ پہونچی دوست تلک یکے کوئی راہِ طریق

فدائے غمزۂ ساقی ہزار دل جب دم — بجگوئے بادۂ لعل اُس کے ہونٹ یعنی عقیق
عجب چاہِ زنخداں میں پائی شیرینی — پہونچ سکی نہ کوئی اُس کی تھاہ کو فکرِ عمیق
اگرچہ مُوئے میاں بھی ہے فہم سے بالا — یہ طفلِ دل کا کھلونا ہے یہ خیالِ دقیق
عقیق رنگ ہمیشہ ہے اشک بھی اپنا — نگینِ خاتمِ چشم اپنا کندہ ہے بہ عقیق
چلو بھی! توبہ زلعلِ نگار و خندۂ جام! — محال اِس کے تصور کی عقل سے تصدیق
ہنسی سے کہنا کہ قائل ہیں طبعِ حافظ کے! — ملاحظہ ہو کہ کس حد ہے یہ مری تحمیق!

اے دل ریش مرا بالبِ تو حقِ نمک

دلِ زخمی کے بلوں پر ہیں ترے حقِ نمک — پاس حقِ نمک! اب جاتا ہوں! اللہ معک!
تُو ہی وہ گوہرِ یکتا ہے کہ قدوسیوں میں — تیرا ہی تذکرۂ خیر ہے تسبیحِ مَلک
تجھ کو سچائی میں کچھ شک ہو تو کس سکتا ہے — میرا کھوٹا کھرا، مَیں سونا ہوں تُو میری محک
مست مے ہو کے دو بوسوں کا تھا وعدہ لیکن — شرط پوری ہوئی ان ہونٹوں نے دو دیکھے نہ یک
کھول دے پستۂ خنداں کہ برس جائے شکر — کچھ دہن کے متعلق نہ رہے خلق کو شک
چرخ کا چرخا کر دوں گر نہ چلے حسبِ مُراد — مَیں نہیں وہ کہ گھسٹے پھرے یہ دَورِ فلک
اپنے حافظ کے نہ کیوں پاس وہ اکدم ٹھیرے؟ — ہٹ رقیب ایک دو قدم ٹھیر پرے دُور سرک

اے پیک پے خجستہ چہ نامی فدیت لک

نام اے خجستہ پے ترا کیا ہے فدیت لک — دیکھا تھا سا نولا نہ کوئی ایسا بانمک
زیبا ہے گُل حسین ترے در پہ چل کے آئیں — بوسہ دیں پُشتِ پا کو تری جھک کے یک بیک

ظاہر دو چشم سے تری صورت پہ مردمی
روشن دو لعل سے ترے دیدوں میں مردمک

آدم میں حسن کا ترے ہوتا جو شائبہ
رہ جاتے محو سجدہ نہ کر سکتے پھر ملک

صورت گرانِ چیں یہ اگر چہرہ دیکھ لیں
نقش نگارخانہ مٹا ڈالیں کردیں حک

کوٹھے پہ تیرا چہرۂ مہوش تمام رات
روشن ہے آفتاب سا کوٹھا ہی یا فلک؟

حافظ کی دوستی پہ نہیں تجھ کو گر یقیں
کندن ہے اس کو کچھ نہیں اندیشۂ محک

اگر شراب خوری جرعۂ فشاں برخاک

پئے شراب تو کچھ پھینک بھی دے حصۂ خاک
جو نفع غیر کو پہونچے تو کیا گناہ میں باک؛

چل آج اوجِ فلک پر دے شامیانہ تان
اجل کرائے گی کل تجھ کو سیر تیرہ مغاک

نہ کھا دریغ، پئے جا بہ شاہد و دف و چنگ
ہے بید ریغ ہی جاری جہاں میں تیغِ ہلاک

ہو دوزخی کہ بہشتی کہ آدمی کہ ملک
ہر ایک کے دین میں بس کفر ہی تو ہے امساک

فسونِ دخترِ رز طرفہ ہوش کھوتے ہیں
مبادا تا بہ قیامت خراب طارم تاک!

قسم ہے تیرے ہی قدموں کی نازپرورِ من
چمٹ کے ان سے اٹھے میری روح جسم بھی خاک

براہِ میکدہ حافظ جہاں سے گزرا خوب
دعائے اہلِ دل اس کی لحد میں مونسِ پاک!

دوشینہ من پنہاں شدم تا قصرِ جاناں سکینک

کل شب پہونچ ہی میں گیا تا قصرِ جاناں چپکے سے
ہلکے قدم رکھتا ہوا آیا در ایواں چپکے سے

دیکھا نگارِ یار کو ایک تختِ زر پر محو خواب
دل تھا نہیبِ عشق سے لرزاں ترساں چپکے سے

دو انگلیاں کر کے دراز۔ آہستہ تر۔ آہستہ تر
آخر ہٹا ہی دی نقابِ از روئے تاباں چپکے سے

ایک نیم نرگس کھول کر دی سر کو جنبش خواب سے
اور ماہِ رُخ پر چھا گئی زلفِ پریشاں چپکے سے

جھلّایا۔ کون اور بے ادب؟ بولا میں۔ یہ عاجز غریب
سن لے نہ کوئی بات کر لے راحتِ جاں چپکے سے

ترساں تھے لب ہر چند تا لعلِ لبِ دلکش بڑھے
لے ہی اُڑے آخر شکر از شکرستاں چپکے سے

چاہی اجازت جانمن بھینچوں لگا کر سینے سے؟
بولا کہ پہلے شمع کو لیجا کے رکھ داں چپکے سے

آخر لگایا سینے سے جی بھر کے ایک دم یار کو
بول اُٹھا فوراً ہی مگر مُرغِ سحر خواں چپکے سے

بولا کہ حافظ اُٹھ کے جا در خدمتِ شاہِ جہاں
سب کر یہ کیفیت بیاں گوں سے پنہاں چپکے سے

ہزار دشمن اگر می کنند قصد ہلاک!

کریں جو کرتے ہیں دشمن ہزار قصد ہلاک
جو تو ہو دوست نہیں کچھ دشمنوں سے باک

یہاں تو زندہ رکھے ہے امیدِ وصل تری
نہیں تو ہجر سے کس دن نہیں ہے خوف ہلاک

جو دم بدم تری خوشبو مجھے سنگھائے صبا
تو لحظہ لحظہ کروں مثلِ گل گریباں چاک

ترے خیال میں آنکھوں کو خواب ہو۔ ہے ہے
ترے فراق میں اس دل کو صبر ہو حاشاک

بِضَربِ سَیفِکَ قَتلِی حَیاتُنَا اَبَدًا
فَاِنَّ رُوحِی وَقَد حانَ اَن یَکُونَ فِداکَ

جو تیرا زخم ہے کب ہے وہ اور کا مرہم
تو زہر دیدے یہ بہتر کہ دوسرا تریاک؟

تو جیسا ہے تجھے کون آنکھ دیکھ سکتی ہے
بقدرِ فہم ہی کر سکتا ہے ہر ایک ادراک

نہ ہچکچاؤں ذرا کھاؤں منہ پہ ہی تلوار
نہ کسمساؤں کئے چاہے جس قدر فتراک

نگاہِ خلق میں حافظ عزیز ہو اُس وقت
رکھے یہ عاجزی اُس در پہ سر بروئے خاک

اگر بگوئے تو باشد مرا مجال وصول

نہیں ہے کوچہ میں اُس کے اگر مجالِ وصول
تو کون دولتِ دیدار کی ہے شکل حصول؟

قرارے گئیں میرا وہ سنبلِ تسکیں
خراب کر گئیں مجھ کو وہ نرگسِ مکحول

عجب آئینۂ دل پہ پھیری صیقلِ عشق
ہُوا ہے زنگِ خرد سے ہمیشہ کو مصقول

دلِ شکستہ حقیقت میں زندگی پائے
مدعا کہ تیغِ غمِ یار کا بنے مقتول

وہ مجھ سے کونسا اے جانِ دل قصور ہُوا
کہ طاعتیں بھی تو میری نہیں ہیں مقبول؟

ترے محل میں یہ درویش بے زر و بے پر
کسی جہت سے بھی رکھتا نہیں خروج و دخول

کدھر کو جائے، کرے کیا، یہ حال کس سے کہے؟
کہ کس قدر کا غمِ روزگار سے ہے ملول

خراب تر ترے غم نے نہ پائی اور جگہ
پسند میرے دلِ تنگ میں کی جائے نزول

خموش حافظ و دم سادھے دردِ عشق میں رہ
رموزِ عشق نہ کر فاش پیشِ اہلِ عقول!

اے بُردہ دلم را تو بدیں شکل و شمایل

دل لے ہی لیا تو نے دکھا شکل و شمایل
اب کیوں نہ کشیدہ ہو جہاں تجھ پہ ہی مایل

آہیں کبھی کھینچیں کبھی سینے سے ترا تیر
کیا تجھ سے کہوں کیا یہ دکھاتا ہی مرا دل

پوشیدہ رقیبوں سے رکھوں وصفِ لبِ لعل
اچھا نہیں یہ معنیِ نازک سنیں جاہل

ہر روز ترا حسن گئے دن سے فزوں تر
کیونکر ہو مہِ چار دہم تیرے مقابل

دل دے چکا۔ لے جاں بھی۔ نہ کر غم کو مسلط
ہو نقد اسامی تو نہ بھیج اُس پہ محصل

حافظ حرم عشق کے اندر ہے قدم اب
دامن سے لگا اُس کے نہ اب اوروں میں گھل مل

اے رخت چوں خلد و لعلت سلسبیل

رُخ ترے جنت ہیں لب ہیں سلسبیل
سلسبیل ایسی کہ جان و دل سبیل!

سبز پوشانِ خطِ اُس لب کے ہیں گرد
یا پرِ موروں کا گردِ سلسبیل

کونے کونے پر ہیں تیرے تیرِ چشم
مجھ سے افتادہ ہزاروں ہی قتیل

آگ یارب یہ جو میرے دل میں ہے
ہو کرم سے تیرے گلزارِ خلیل

دوستو! کس طرح ہو حدِّ مجال؟
کیا جمال اُس کا نہیں بے حد جمیل؟

پائے لنگ اور عشق کی منزل کٹھن
ہاتھ کوتاہ اور اونچا نارجیل

آفریں نقاش کے موئے قلم
بکرِ معنی کی یہ صورت بے عدیل!

حسنِ اِن اشعار کا کیا ہو بیاں
شمس کی خود شمس ہے اور کیا دلیل

معجزہ ہیں شعر یا سحرِ مبیں
لایا ہاروت اِن کو یا خود جبرئیل

کہہ سکا تھا کون اس خوبی کے شعر
کب بندھا تھا کوئی گوہر زیں قبیل

تجھ پہ حافظ پنجۂ دستِ نگار
یہ چیونٹی جیسے ہو زیرِ پائے پیل

بعہدِ گُل شدم از توبۂ شراب خجل

کیا بہار میں ہی توبۂ شرابِ خجل
کرے کسی کو نہ یوں فعلِ ناصواب خجل

صلاح کیا ہی مری؟ جامِ مے! یہ بدقسمت
نہیں ہی شاہدِ ساقی کے تو حباب خجل

وہ خونِ شب کو بہا تجھ سے اے سیہ چشم
کہ دیکھتے تھے کھڑے شبروانِ خواب خجل

ہے آفتاب سے بھی خوب تر تو شکرِ خدا
میں تیری وجہ نہیں پیشِ آفتاب خجل

بجا ہے نرگسِ تنا نہ سرنگوں ہے اگر
نہ ہوتی بن کے بھلا چشم پُر عتاب خجل؟

نہ پوچھے کاش گنہ وہ مزیدِ رحمت سے
نہ ہوں سوال سے حیرتؔ نہ دوں جواب خجل

یہ جامِ زہر سا کیا زیرِ لب ہی خندہ زناں
نہیں ترے لبِ لعلیں سے گر شراب خجل؟

نہ عمر بھر کبھی اِس در سے میں نے رُخ پھیرا
اس آستاں سے نہیں سر کہ اے جناب خجل

ہے آبِ خضر جو ظلمت میں، اس لئے کہ اُسے
کرے سخن کی نہ حافظؔ کے آبِ تاب خجل

بکن تو جور کہ کردم بجان و دیدہ قبول

کئے جا جور مجھے بھی ہے جان و دل سے قبول
بہ نسبت اِس کے کہ ہر دم رہے تو مجھ سے ملول

نہ قبلہ جس نے کیا تیری ابرؤں کی طرف
نہیں ہو جانبِ کعبہ نماز اُس کی قبول

کشیدہ خنجرِ کیں پھر ہے، دیدۂ قتال
خوشا شہید جو ہو اُس کے ہاتھ سے مقتول

ہزار آیتِ رحمت عیاں ہیں چہرہ سے
دِلے چہ سود کریں گر نہ بندہ پر ہی نزول

وہ جس نے دیکھ لی ایک بار صورتِ زیبا
خطا ہے ہو جو کسی اور خیال میں مشغول

طلب جو بوسہ کیا لعلِ لب سے، کیا کہیے!
جھڑک کے بولا کہ لبا ہو یاں سے نامعقول!

ولایتِ دل حافظؔ پہ عشق قابض ہے
خراج ہے غمِ جاں اور درد دل محصول!

خوشخبر باش اے نسیم شمال

آ کے مژدہ دے اے نسیم شمال
کہہ کہ نزدیک ہے زمانِ وصال

ما بسلمیٰ ومن بذی سلمٍ
اینَ جیرانُنا وکیف الحال

بزم کو دیکھئے تو خالی پڑی
خم و جام و سبو ہیں مالا مال

عفتِ الدار بعد عافیۃٍ
فاسئلوا حالہا عنِ الاطلال

شبِ فرقت نے گھیرا ڈال دیا
مار ڈالیں گے شبِ ہجراں خیال

قصۂ عشق لا انفصام لہا
وَصمتت ہٰہنا لسان المحال

کیوں ملائے نظر ہمارا ترک — اُس کی عظمت تو دیکھو اور جلال!
فی جمالِ الکمالِ قلت منی — صَرفَ اللہ عنکَ عینَ کمال
یا ابو یزیدُ ایحیے حمالکَ اللہ — مرحبا مرحبا تعال تعال
عشق میں حافظا یہ چپ کب تک؟ — نالہ زیبا ہے عاشقوں کو بکمال

دارائے جہاں نصرتِ دیں خسروِ کامل

دارائے جہاں نصرتِ دیں خسروِ کامل — یحییٰ مظفر ملکِ عالم و عادل
اسلام کی دیوار پناہ میں کیا پیدا — خلقت کی حمیت نے تری روزنۂ دل
ہے خالِ سیہ پر ترے خورشید کو حسرت — افسوس کہ میں کیوں نہیں وہ بندۂ مقبل
روزِ ازل ایک بوند سیاہی رخِ مہ پر — ٹپکی ترے خامہ سے پئے حلِ مسائل
مجلس سے تری چرخ بھی ہے رقصِ سماع میں — ٹوٹے نہ یہ دَور اب کبھی دائم رہے خوش دل
مینوش و جہاں بخش! کمندیں تری ہی ہو — بدخواہ کی گردن کبھی در طوق و سلاسل
خود دورِ فلک عدل کے ہے خطِ صحیح پر — خوش باش کہ ظالم کوئی پہنچے گا نہ منزل
واجب ہوئی تعظیم تری جانِ خرد پر — سب کون و مکاں پر ترے الطاف ہیں شامل
حافظ قلمِ شاہ سے روزی کی ہے تقسیم — افکارِ معیشت کو سمجھ خطرۂ باطل

رہرواں را عشق بس باشد دلیل

عشق کی کافی ہے قندیل و دلیل — اشک کی رہ میں ہو رہگیر و سبیل
خاک لائے آنکھ میں طوفانِ اشک — وہ جو کشتی راں ہو بہ خونِ قتیل

نیک نامی پر نہیں کچھ اختیار
ضلّنی فی العشقِ من یھدی السّبیل

بے مے و مطرب نہ جنت میں. ملّا
ما احتی فی الرّاحِ لا فی السّلسبیل

گرمیٔ حسنِ بتاں میں مت جھلس
جا کے جھک جا آگ میں مثلِ خلیل

یا رسومِ پیل باناں سیکھ لے
یا نہ دے ہندوستاں برباد پیل؟

فرض کر لے راہِ مقصد گم ہوئی
پاؤں اس رہ میں نہ رکھو بے دلیل

دے نہ ان آنکھوں کو میلِ عاشقی
ورنہ ڈوبے خرقہ در دریائے نیل

عزّ و مال شاہ عالم برقرار
پائے جو کچھ اور چاہے نہیں قبیل

بات مطلب کی کوئی حافظ بتا
ورنہ بے حاصل ہی یہ سب قال و قیل

ساقی بیار بادہ کہ آمد زمانِ گل

ساقی پلاوے بادہ کہ پھر ہے زمانِ گل
ٹوٹے کہ ٹوٹتی ہی ہے توبہ میانِ گل

کر چشمِ خار کور بہ یک بانگِ عندلیب
چل کر بسا چمن میں کوئی آشیانِ گل

آ صحنِ بوستاں ہی میں چل کر ہو بادہ نوش
آیاتِ خوش دلی ہیں کھلی بر زبانِ گل

گل آ چکا چمن میں خزاں کا ہی وار ہو
یار و مے و سرود ہو اور بوستانِ گل

حافظ وصالِ گل کے لئے بلبلوں سے سیکھ
ہونا نثار خاکِ رہِ باغبانِ گل

مرا دلیست پریشاں بدستِ غم پامال

عجیب دل ہے پریشاں بدستِ غم پامال
پھر اس پہ طرّہ نہیں کوئی واقفِ احوال

شکستہ خاطر و دل تنگ مثلِ حلقۂ میم
جفا رسیدہ و قامت خمیدہ صورتِ دال

غموں نے ہٹ کے تنِ زار کو کیا بتّی
ہے جس کے سوز سے گردونِ دُوں میں نالۂ نال

کشیدہ مثلِ الف قد تھا میرا تا آخر
ہُوا جواب غمِ ایّام سے ہے جُھک کر دال

جلاکے آبرو کی خاک آتشِ غم نے
بنایا خاک کہ ہو جاؤں راہ میں پامال

ہے سر اسیرِ کمند اور دست و پا در بند
شکنجے میں ہے کھنچا دہرِ پُر جفا کے غزال

نصیبِ غم، ستم و جورِ چرخ سے شب و روز
خضابِ فاقہ۔ کمینہ سپہر سے مہ و سال

وطن سے دُور، غریبی میں اس قدر مفلس
کہ نام کو نہیں پاس ایک ذرّہ مال و منال

غریب و مفلس ایک ایسے دیار میں کہ جہاں
کسی طرح نہیں خلقت سے مجھ کو وجہِ سوال

وطن کو اپنے چلا جاؤں یہ بھی نا ممکن
اُڑے تو کس طرح بیچارہ مرغِ بے پر و بال؟

ہوس کہ مفلسی سے نہیں ہوں طالبِ زر
مثالِ تشنہ ہے درکار جرعۂ آبِ زلال

سوائے جور و جفا اس جہاں سے کچھ اُمید
ہے ایک تصوّرِ باطل ہی ایک خیالِ محال

غرض کہ رات کو پوچھا یہ عقل سے میں نے
جہاں میں کون ہے اب جو کرے نہ ردِّ سوال؟

عروسِ طبع معاً بولی جھلّا کے دل سے
کہ آج منبعِ احسان و جود و بحرِ نوال

جنابِ آصفِ دوراں جلالِ دنیا و دیں
جہاں میں بھی نہ ہے جس کی کوئی نظیر و مثال

قسم اُسی کے حرن کی کہ غم کے ماروں کا
ندیم و مونسِ واحد وہی ہے در ہمہ حال

قتیلِ عشق ہوا حافظِ غریب ترا
گزر کے قبر پہ اُس کی یہ خون کرے حلال!

شممت روح ودادِ وسمت برق وصال

شممتُ روحِ ودادِ وسمت برقِ وصال
چلے تو جان دوں خوشبو پہ تیری بادِ شمال

اِحاد یا الجمال الحبیبِ قف و انزلِ
کہاں ہے صبرِ جمیل اب ہی اشتیاقِ جمال

شکایتِ شبِ ہجراں کو ترک کر دے دل ۔ ہزار شکر کہ جلوہ نما ہے روزِ وصال
ہو یار بر سرِ صلح اور عفو بھی چاہے ۔ تو بھول جایئے پہونچا رقیب سے جو ملال
چل آ کہ آنکھ کے پردوں میں تیری راحت کو ۔ سجائے پھولوں کی سیجیں ہی کارگاہِ خیال
دہانِ تنگ کے دل میں مرے تصور ہیں ۔ نہ ہوگا مجھ سا بھی یہاں۔ در پئے خیالِ محال
ملال مصلحتی تھا مرا ملال اُس سے ۔ وگرنہ جان سے اپنی ہوا ہے کس کو ملال؛

ہر نکتہ کہ گفتم در وصف آں شمایل

کھولے جو نکتہ نکتہ میں نے ترے شمایل ۔ جس نے سُنے پکارا للہ درّ قایل!
دلبر ہو اپنا یار ایک، عاشق کش ایک نگار ایک ۔ مرضیۃ السجایا محمودۃ الخصایل
کہتا ہے رحم ہوگا اِس جانِ ناتواں پر ۔ ہوگی نہ جان جس دن خود درمیانہ حایل
سولی پہ چڑھ کے منصور اچھا بیاں کریگا ۔ ممبر پہ شافعیؒ کیا بولیں گے یہ مسایل
اے آہ! اپنے در پہ دیگا نہ بار دلبر ۔ گو ہر طرف سے پیدا اس کے کروں وسایل
آنکھوں نے گو اُٹھائے طوفانِ نوح اکثر ۔ پر لوحِ دل سے نقشہ تیرا ہوا نہ زایل
مت انکھڑیوں سی اکثر ایک عین گوشہ گیری ۔ مستانہ وار گاہے دل ابروؤں پہ مایل
تحصیلِ علم آساں جانی تھی اوّل اوّل ۔ جی کو جلا کے آخر ہاتھ آئے یہ فضایل
یہ دستِ پاکِ حافظ تعویذِ بدِنظر ہے ۔ ہونے دے اِس کو اپنی گردن میں تو حمایل

آنکہ پامال جفا کرد چو خاک راہم

ٹھوکروں میں تو بنا سرمۂ خاکِ راہ ہوں ۔ پابوسی بھی کروں عفو و کرم بھی چاہوں؟

کر سکوں جور پہ کچھ آہ، یہ ممکن ہی نہیں — چاکرِ متعقد و بندۂ دولت خواہ ہوں
ذرّۂ خاک سا خوش تیری گلی میں ہوں پڑا — کسی جھونکے میں ہوا کے نہ فنا ناگاہ ہوں
شمعِ قد پر تری لرزاں ہے دلِ شعلہ صفت — جنبشِ لب سے نہ بن پھونک کے گُل واللہ ہوں
خمِ گیسو سے ہے وابستہ تمنائے دراز — مت جھٹک دیجو کہ از دستِ طلب کوتاہ ہوں
پیرِ مے دیتا ہے ایک جامِ جہاں بیں ہر صبح — کہ ترے حسن سے اُس آئینہ میں آگاہ ہوں
چل ذرا میکدے مجھ راہ نشیں کے ہمراہ — ٹھاٹھ تو بھی تو مرے دیکھ وہاں میں کیا ہوں
لطف کی بات کہی خسروِ خاور نے سحر — باہمہ بادشہی بندۂ توراں شاہ ہوں!
نشہ میں چور رہے ہمرہ لے حافظ کو مباد — دامنِ حسن پکڑ لوں کہیں میں، شعلہ ہوں!

اگر برخیزد از دستم کہ با دلدار بنشینم

جو ہاتھ آجائے اور یکجا کہیں با یارِ سیمیں ہوں — یمن سے اُس کے میکش ہوں ارم میں اُس کے گلچیں ہوں
شرابِ تلخ وہ صوفی فگن کیا مجھ کو ڈھائے گی — چکھا دے لب، لئے ساقی لبوں پر جانِ شیریں ہوں
شکر لب طوطیوں کو دیں، اے آنکھیں مے پرستوں کو — نہ ہوں ایک میں ہی بد قسمت نہ ان میں ہوں نہ ان میں ہوں
نہ دل کھو بیٹھوں سچ، کرتا ہوں راتوں چاند سے باتیں — پریشاں کے ہی دن بھر دیکھتا خوش خواب رنگیں ہوں
کرے گر خاکروبی بادِ بخشش فیضِ باراں ہو — پھولیں خدمتیں میری کہ خدمتگار دیریں ہوں
نہ کیوں ہر نظم ہر شاعر کی سب کے دل پسند آئے؟ — تدرو طرفہ پکڑوں میں ہی وہ چالاک شاہیں ہوں
وفاداری وحق گوئی نہیں ہر ایک کا شیوہ — غلامِ آصفِ دوراں جلال الحق والدیں ہوں!

آنکہ از فکرِ تو دلشاد نہ گردست ہمنم

جس نے کچھ تجھ سے دلشاد کیا میں ہی تو ہوں — جس نے غمخانہ نہ آباد کیا۔ میں ہی تو ہوں

جس نے جھیلے ستم و جورِ محبت و اعدا — نہ کبھی نالہ و فریاد کیا۔ میں ہی تو ہوں
سر بزانو ہی رہا یاد میں تیری جو مدام — بھول کر اور نہ کچھ یاد کیا۔ میں ہی تو ہوں
تھا میں ایک ساختۂ پیرِ مغاں مرشدِ خلق — جس نے خود سے نہ کچھ ارشاد کیا۔ میں ہی تو ہوں
طرح و بنیاد کئے لوگوں نے کیا کیا نہ مکاں — جس نے کچھ طرح نہ بنیاد کیا۔ میں ہی تو ہوں
وار دی جانِ تو شیریں دہنوں پر جس نے — خود کو مشہور نہ فرہاد کیا۔ میں ہی تو ہوں
مثلِ حافظ جو رہا بندِ بلا میں شب و روز — نہ کبھی غم سے دل آزاد کیا۔ میں ہی تو ہوں

ایں چہ شوریست کہ در دورِ قمر می بینم

شور کیسا یہ بپا دورِ قمر دیکھتے ہیں — سارے آفاق میں ایک فتنہ و شر دیکھتے ہیں
آرزو دل کی تو ہے یہ آج سے کل ہو بہتر — کیا قیامت ہے کہ کل سے بھی بتر دیکھتے ہیں
احمقوں کے لئے ہیں قند و گلاب و شربت — پیتے دانا ہی کو بس خونِ جگر دیکھتے ہیں
زیرِ پالاں ہیں لگی پیٹھ ہیں گھوڑے عربی — گردنِ خر میں پڑی ہیکلِ زر دیکھتے ہیں
لڑکیاں دو بدو ماؤں سے گھروں میں۔ باہر — جو پسر ہے اُسے بدخواہ پدر دیکھتے ہیں
رحم بھائی میں نہیں دیکھتا بھائی ہرگز — کچھ پدر کو نہیں شفقت یہ پسر دیکھتے ہیں
جاؤ نیکی کرو حافظ کی نصیحت مانو! — اس نصیحت میں بھرے لعل و گہر دیکھتے ہیں

از غمِ خویش چناں شیفتہ کردی بازم

پھر نہ آیا مجھے آشفتہ غم کرنے سے باز؟ — یاد باقی ہے تری ہوش تو سب ہیں پرواز
جو مرے نالۂ شبگیر سے واقف ہو جائے — روزِ روشن کی طرح جان لے میرے سب راز

خط میں لکھا ہے کہ لکھ حال ہو کیا؟ حال یہ ہے
شکل پہچانی پڑے تجھ کو نہ میری آواز

میں بھی اب بیٹھ کے بہلاؤں رُخِ خوب سے دل
خلق تو جانے ہی بیٹھی ہے مجھے شاہد باز

نہ جلانے کی مرے کھائی ہو گر تو نے قسم
دُور کر پاسِ قسم، ہے مجھے خود سوز سے ساز

کس قدر نازِ ترا دل کو پسندیدہ ہے
خُونِ بخشا تجھے اک کر دے مجھے قتل بناز!

جسم سے ہو کے رہا بھی ترے کوچہ کی قسم
تیرے گھر پر ہی شب در وز کروں گا پرواز

جان پروانہ صفت گر نہ نثارے حافظ
رُخ دکھا شمع صفت خوب ہی دے سوز و گداز

برخیز تا طریقِ تکلف رہا کنیم

کب تک یہ راہ و رسمِ تکلف ادا کریں
بیجیں ٹکے کو ٹھاٹھ فقیری کے کیا کریں

پہنے وہ زرنگار قبا سب سے ہو دو چار
ہم بیٹھے اپنے صبر کی چادر سیا کریں

آجائے ہاتھ اپنے کسی شب جو وہ نگار
مشکل ہے پھر کہ چھوڑ دیں دامن رہا کریں

نادیدہ جس کے رہتے ہیں دن رات یہ کرم
ممکن ہے بخش بھی دے اگر کچھ خطا کریں

ستّر گناہ خلق کی نظروں سے اوٹ میں
بہتر نماز سے جو دکھا کر ادا کریں

میں نے کہا کہ کام نہ کچھ آئے تیرے لب
بولا کہ صبر ہو تو ثمر بھی عطا کریں

ایامِ سُست عہد تو حافظ ہیں بے وفا
اس پنج روزہ عمر میں ہم ہی وفا کریں

بعزمِ توبہ سحر گفتم استخارہ کُنم

بعزمِ توبہ سحر کو جب استخارہ کروں
بہار توبہ شکن آئے۔ کیا میں چارہ کروں!

اب آئے لب پہ کبھی نامِ توبہ گر مے سے
دہن کو پاک کروں کُلیاں غرارہ کروں

دوا جنوں کی کرنا ہیں فصلِ لالہ میں گر — تمہاری بزم سے اہلِ طرب کنارا کروں
ہے صاف بات تو یہ۔ کیونکہ دیکھ سکتا ہوں — کہ یار پیتے ہوں میں دُور سے نظارہ کروں؟
بناؤں بادشاہ ایک بُت کو تختِ گلشن پر — مرصع پھولوں کے زیور سے اُس کو سارا کروں
گُلِ مُراد شگفتہ ہو اُس دہن سے اگر — رسید ایک سپرِ دشمن کے سنگِ خارا کروں
گر ایک بوسہ لبِ لعلِ یار کا پاؤں — جواں ہوں از سرِ نو زندگی دوبارا کروں
گدائے میکدہ ہوں پر جو دیکھو مستی میں — فلک پہ ناز، اشارے میں قطب تارا کروں
جو دسترس نہیں اکلِ حلال پر زاہد — تو کیا صلاح ہے؟ میخانے کا اجارا کروں؟
نہ محتسب نہ میں قاضی نہ مولوی نہ فقیہ — مجھے کیا سود کہ میں منعِ مے خدارا کروں؟
کلی کی طرح کھلوں یاد کرکے مجلسِ شاہ — پیالہ ہاتھ میں ہو جامہ پارا پارا کروں!
چھپا کے پینے کی ترنج سے ملول ہے حافظ — بجا کے ڈھول حقیقت یہ آشکارا کروں؟

بگذار تا بہ شارعِ میخانہ بگذریم!

جانے دو تا بہ شارعِ میخانہ ہی ہمیں — محتاجِ جرعہ سب ہیں جہاں ایک لین میں
گزرے یہ ہائے عمرِ گراں مایہ، بیش ازیں — رخصت ہو اُس کے پیشِ نظر ایک گزر کریں
اُڑ جائیں تخت و مسندِ جم جس مقام میں — غم کھائیں یہ تو خوب نہیں۔ آؤ مے پئیں!
ہوں گے کمر انارِ دستِ نگار کے — پُرخونِ دل سے دوستو دل کے نگیں رہیں
دم بھر کے عشق و رندی کے روزِ نخست اب — شایاں نہیں کہ اور کسی مت میں جا پڑیں
واعظ نہ کر نصیحتِ شوریدگانِ عشق — خلد اور کوئے دوست، برابر نہیں ہمیں!
صوفی ہیں رقص و حال میں، ہے محفلِ سماع — دکھلائیں ہم بھی ہاتھ کھڑے ہاتھ کیوں ملیں

مٹی کو قدرِ لعل وہی پھینک ایک جرعہ جام — ایک ہم کہ قدرِ ذرّہ برابر نہیں جنھیں
جب تک رسائی کنگرۂ کاخ تک نہیں — اُس سنگِ آستاں ہی پہ حافظ پڑے رہیں

بمژگانِ سیہ کردی ہزاراں رخنہ در دینم

ہزاروں رخنے مژگانِ سیہ نے کر دیئے دیں میں — اِدھر لا دُرد ہیں کیا کیا غلیلِ سُرمہ آگیں میں
ارے او ہمنشینِ دل کہ یاروں سے ہو یوں غافل — ہمیں موت اُس گھڑی جب ہو نہ یادِ رُوئے رنگیں میں
دل و گُل ہو گئے غرقِ عرق کُل جلسِ ہجراں میں — نسیمِ صبح جلد ہی آ نہا کر اُس عرق چیں میں
شبا شب بسترِ رحلت سے پہنچوں قصرِ حور العیں — جو وقتِ نزع جائے شمع تو ہو تو میرے بالیں میں
لگی ضربِ صباح الخیرِ بلبل اُٹھ کے آ ساقی — کہ سر بھنّا گیا میرا خمارِ خمرِ دوشیں میں
بٹھائے غیر کو میری جگہ یار اختیار اِس کا — ہے غیر اُس کی جگہ دل میں یہ ناممکن مرے دیں میں
جہانِ پیر بے بنیاد ! اے فرہاد کُش فریاد ! — تری نیرنگیوں سے تلخیاں ہیں جانِ شیریں میں
جہانِ فانی و باقی نثارِ غمزۂ ساقی — طفیلِ عشق سلطانِ جہاں ہوں عز و تمکیں میں
رموزِ عشق و سرِ مستی سنو مجھ سے نہ واعظ سے — میں باجام و قدح ہوں ماہ میں کہ بزمِ پرویں میں
پیامِ شوق کے الفاظ جو اس خط میں لکھے ہیں — وہی ہیں بے تفاوت جو کہے حافظ نے تلقیں میں

بیا تا گُل برافشانیم و مے در ساغر اندازیم

چلو چل کر بکھیریں گُل تو ساغر مُل کے بھر ڈالیں — فلک کی چھت اُڑا دیں اور اِک طرحِ دگر ڈالیں
نہ دھمکی غم کا لشکر دے کہ خونِ عاشقاں کر دے — جو ہم تم ایک ہوں ساقی تو غم کو نیست کر ڈالیں
جو مطرب خوش گلو ہو نے نکالے ایک دُھن کی — گیتیں بھرتے نرتت کرتے پھریں سجدوں میں سر ڈالیں

منور آ کے کر جانا! یہ مجلس روئے روشن سے — ترے رخ پر غزلخواں ہوں ترے قدموں پہ سر ڈالیں
گلاب اُلٹیں شرابِ ارغوانی کے گلاسوں میں — نسیم عطر گرداں کے بھی مجمر میں شکر ڈالیں
صبا مٹی ہماری اُس درِ عالی پہ پہونچانا — شہِ خوباں کبھی جھانکے تو ہم بھی ایک نظر ڈالیں
کہیں ہیں علم کے غرّے کہیں عرفان کے بھرّے — چلو رُو داد لے کر سب یہ پیشِ دادگر ڈالیں
بہشتِ عدن گر چاہے چلا آ ساتھ میخانے — کہ دن سے حوضِ کوثر ہی میں تجھ کو بے خبر ڈالیں
نہیں شیراز میں قدرِ سخندانی و خوشخوانی — چلو پردیس میں حافظؔ یہ ڈیرا لاد کر ڈالیں

بے تو اے سرو رواں باگل و گلشن چہ کنم

تجھ بن اے دوست میں سیرِ گل و گلشن نہ کروں — زلفِ سنبل نہ چھوؤں رخ سوئے سوسن نہ کروں
خوف بد بیں تری صورت نہ بھلی دیکھنے دے — دل کو آئینہ کروں رُو کشِ آہن نہ کروں
تُو نے مارا نہ مجھے یہ ناوکِ دلدوزِ فراق! — کیا کروں؟ کیا میں اب اپنے یدِ دشمن نہ کروں؟
زاہدا جا بھی! نہ ہو دُردکشوں پر خنداں — کھیل قدرت کے ہیں سب میں کوئی فن نہ کروں
غیرتِ حق جو گرے غیب سے بن کر بجلی — کیونکہ میں سوختہ جاں آپ کو ایندھن نہ کروں؟
آتشِ طور مددگار نہیں ہے ورنہ — کیوں کوئی فکر شبِ وادیٔ ایمن نہ کروں
شاہِ ترکاں نے غضب ہو کے کنوئیں میں ڈالا — کیا کروں ہاتھ اگر سوئے تہمتن نہ کروں
حافظاؔ خلدِ بریں گھر مرے اجداد کا ہے — جاؤں اس منزلِ ویراں میں نشیمن نہ کروں

بغیر ازآنکہ نہ شد دین و دانش از دستم

جز اینکہ دانش و دیں تو نہیں دیئے از دست — وہ کون شے ہے رہا جس پہ اپنا بندوبست؟

ہزار خرمن عمر عشق میں ہوا تاراج | قسم ہے عہد وفا کو پہونچنے دی نہ شکست
حقیر ذرہ نما ہیں ولے بدولتِ عشق | ہوا میں ہیں رُخِ تاباں کی مہر سے پیوست
پلائے یار، وہ مَیں بیٹھ کر الگ، بازیار، | نصیب ہی نہیں کب سے یہ بافراغ نشست!
ہے ہوشیاری کا دعویٰ تو اے نصیحت گو | نہ کر خرابِ نصیحت تو مجھ کو جان کے مست
میں سرفراز نہوں کیونکہ دوست کے در پر؟ | بن آیا کونسا قابل پسند کار از دست؟
شکستہ دل پھرا حافظ کبھی بھی اُس نے کہا | کہ لے یہ مرہمِ خاطر۔ ہوئی جو مجھ سے شکست؟

بہ تیغم گر زند دستش نہ گیرم

نہ روکیں ہاتھ اگر تلوار مارے | کرے گر تیر۔ سر منت ہمارے
کماں ابرو ہمارے! کیوں لیا تیر | کہ جائیں دست و بازو سے ہی مارے
دکھا تو آفتاب اے صبح اُمید | دکھائے ہجر کی شب نے تو تارے
گِلِ دنیا میں پاؤں ڈگمگائیں | تو تھامے ہاتھ ساغر ہی ہمارے
نہیں بچّہ کہ بہلاتا ہے واعظ | دکھا کر سیب اور دودھ کی دھارے!
دے ایک جرعہ حسن لے پیر خرابات | جواں ہو جاؤں پھر اُس کے سہارے
وہ عنقا ہوں کہ صبح و شام مجھ کو | کوئی بسدرہ کی شاخوں سے پکارے
خدا اِس جامۂ تقویٰ سے حافظ | نہ جل اُٹھے جو ہو تو گرم بارے

بشراً اذی السلامۃ حلت بذی سلم

بُشریٰ اِذ السلامۃ حلت بذی سلم | لِلّٰہِ حمد معترفٍ غایۃ النعم

لایا جو مژدہ فتح کا آئے وہ خوشخبر
جاں دے سیم و زر کے نثار اُس کے ہر قدم

کیا بازگشتِ شہ پہ بپا ہی سرُودِ جشن
آہنگِ خصم اُدھر بسرا پردۂ عدم

پیماں شکن کو دیکھی ہمیشہ شکست ہی
اِنَّ العُہُودَ عِندَ مُلُوکِ النُّہَی ذِمَم

عرقاب نیل ہوتا تھا اور کہہ رہا تھا چرخ
الآنَ قَد نَدِمتَ وَ مَا یَنفَعُ النَّدَم

تھا جستجو میں عفو کی ابرِ اُمید سے
ٹپکی نہ جُز زِ دیدۂ حسرت کہیں سے نم

آ ساقیا ہے وقت بہار اور زمانِ عیش
بھر دے پیالہ طاق پہ رکھ فکرِ بیش و کم

دشمن کا خون مثلِ صراحی بہا کے اب
کر دوستوں میں عیش و طرب لیکے جامِ جم

اور پوچھ جام و بادہ سے یہ راز نو بنو
کتنے جم و قباد سے چٹ کر چکی خصم!

دل مانگتا جامِ جم ہی نہ کہ ملکِ جم طلب
گاتی یہی تھی بلبلِ بستاں سرائے جم

حافظ کا کنجِ میکدہ ٹھیرے قرارگاہ
کَالطَّیرِ فِی الحَدِیقَةِ وَاللَّیثِ فِی الاَجَم!

بارہا گفتہ ام و بار دگر میگویم

بارہا کہہ چکا پھر بارِ دگر کہتا ہوں
کہ کچھ اِن حالوں سے خود ہی میں نہیں رہتا ہوں

مثلِ طوطی پسِ آئینہ بٹھایا ہے مجھے
جو کچھ اُستادِ ازل بولے وہی کہتا ہوں

پھول ہوں، خار ہوں، کچھ ہوں چمن آرا ہے مرا
جس روش چاہے وہ اُگتا ہوں مَیں یا گھٹتا ہوں

دوستو! ہجو نہ مجھ بیدل و حیراں کی کرو
دُر لیے راہِ خریدار میں دُکھ سہتا ہوں!

ہے غم و شادی عشاق کی حالت ہی عجیب
رات بھر گاتا ہوں اور صبح کو مر رہتا ہوں

گیر دار رنگ پہ گلگونہ مے حیف! یہ ہے
قاطعِ رنگِ ریا۔ بدمَیں نہیں کہتا ہوں

خوب حافظ کو کہا سونگھ نہ میخانے کی بُو،
سونگھ کر میں تو اُسے مشکِ ختن کہتا ہوں!

بروائے طبیبم از سر کہ خبر ز سر ندارم

نہ ہو سر طبیب میرے! نہ مجھے ہوشِ سر نہیں ہے
مجھے چھوڑ دے خدارا نہ مجھے کچھ خبر نہیں ہے!

مِری آ کے کر عیادت کہ ہو بیخودی سے صحّت
مئے نابِ نوش لب سی دوا کارگر نہیں ہے

جو تو کھائے کچھ مرا غم۔ میں غذا کروں ترا غم
نہ مجھے ہے تو ایک ترا غم ہے غمِ دگر نہیں ہے

کوئی دے طلا و زیور۔ کوئی لائے جامہ مُزَرّر
یہ ترا فقیر مضطر کرے کیا کہ زر نہیں ہے

نہ مجھے دیکھ اب نہ کہنا کہ تو چھوڑ یہاں کا رہنا
کہ تجھے تو کد ہے لیکن نہ مجھے اور گھر نہیں ہے

میں ہوں خوب پینے والا مجھے پیالہ پر سے پیالہ
وہ لے ہاتھ دل پہ ڈالا تو دلِ دگر نہیں ہے

غمِ دل گھٹک کے حافظؔ جو سنائے تو جھڑک دے
کہ ضرورت اس کی پیدا کریں دردِ سر نہیں ہے،

باز آئے ساقیا کہ ہوا خواہِ دولتم

آ۔ جلد ساقیا تری دولت زیادہ ہو
جی چاہتا ہے کچھ تری خدمت زیادہ ہو

حیرت کی ظلمتوں کو گھٹا کر دکھا دے راہ
فیضِ فروغِ جامِ سعادت زیادہ ہو

ہر چند غرقِ بحرِ گنہ شش جہت سے ہوں
پر آشنائے عشق ہوں رحمت زیادہ ہو

بدنام و رند ہوں تو نہ ہو طعنہ زن فقیہ
دین اُس کی ہے عطیّہ فطرت زیادہ ہو!

مے پی کہ عاشقی نہیں موقوف کسب پر
جو ہو چکی وہ کم ہو نہ قسمت زیادہ ہو

دم مارے تو بھی طُرّۂ مشکینِ یار سے؟
ڈر! مجھ کو اے صبا کہیں غیرت زیادہ ہو

کم عمر میں ہوئی نہ مجھے غربت نصیب اب
پیری و شوقِ دید میں رغبت زیادہ ہو

دریا، پہاڑ، گھاٹیاں دشوار ہیں ضعیف
اے خضرِ رہ مدد دے کہ ہمّت زیادہ ہو

غایب نہ جانیے کہ دل و جان سے مجھے
اُس آستاں پہ رہنے کی نوبت زیادہ ہو

تا گوشِ ہوش تیر نظر تانے ہوں بھوئیں
موقعہ کی تاک میں تو نہ فرصت زیادہ ہو

رخصت ہوں زیر چشم صنم آرزو یہ ہے
حافظ اگر کچھ عمر میں مہلت زیادہ ہو

تا سایۂ مبارکت افتاد بر سرم

وہ سایۂ سعید جب اِس خاک پر پڑا
دولت کنیز و بخت بھی چاکر نظر پڑا

برسوں سے بختِ نیک کا سایہ فرار تھا
دیکھا جو تو نے میری طرف پھر اِدھر پڑا

بیدار خواب میں بھی نہ مجھے دیکھتی نہ خلق
لیکن خیال میں بھی نہ تو بھول کر پڑا

تجھ بن تمام عمر تو ہو کر رہے گی یہ
تجھ بن نہ جان چین نہ مجھے لحظہ بھر پڑا

جس رات تو پھر آیا دل تنگ میں نظر
کیا کیا جھمک جھمک نہ ہمارا انگر پڑا

کیا کر سکیں دوا ترے بیمار کی طبیب
اُٹھا اِدھر تو جانے کو اور وہ اُدھر پڑا

تو نے بھی دی صلاح کہ تیرے سا تھ میں چلوں
میں خود بھی ہوں یہاں بخیالِ سفر پڑا

سب ایک نہ ایک شہ کے ہیں یاں کوڑیا غلام
حافظ کے نشا ہوا رِشتۂ بحر و بر پڑا

ترا مے بینم و میلم زیادت میشود ہر دم

تجھے دیکھے تری چاہت زیادہ دل کو ہو ہر دم
جو تو دیکھے بڑھے کیوں دردِ دل فوراً نہ ہو گر کم

نہ کچھ ساماں کیا۔ غافل رہا تو مجھ سے کیا معنی؟
نہ کچھ درماں کیا میرا نہیں تجھ کو ذرا بھر غم

یہ کیا ترکیب تھی رستے میں بسمل چھوڑ چل دینا!
اُٹھا اب خستہ جاں کو اپنے، پوچھ احوال کر مرہم

نہ چھوڑیں گے ترا دامن اگرچہ خاک ہو جائیں
جو گزرا گور پر چھو لیں گے دامن خاک بنکر ہم

نہ آئے سانس گر مجھ میں، تو دم پھونکا کرے پھرُں
لبوں دم لا کے دم ظالم نہ دے رخصت کروں ہم دم

اندھیری شب سے زلفوں کی رُخ روشن میں جا نکلے
سراغ دِل ہیں۔ اُس کے جام لعلِ لب پہ لب تر ہم

جونہی آغوش میں کھینچا بھرا بل مارِ گیسو نے
وہیں بس لب پہ لب رکھے دل و جاں ہائے اندر ہم

تو حافظ سے دکھا گرمی پڑا دشمن پڑے ٹھنڈا
تپاک ایک تجھ میں پائیں ہم عدو اکڑے، بجے ہر گم

تو ہمچو صبحی و من شمع خلوت سحرم

جو تُو سحر ہے تو میں شمعِ خلوتِ سحری
دکھا کے اپنی ہنسی دیکھ میری جاں بسپری

ہے داغ یہ دلِ پُر داغ زلفِ پیچاں کا
بنفشہ ہی مری تربت کی خاک سے ہو ہری

ہزار مردمِ چشم اُس کے دل سیاہ سہی
ہزار موتی بھی گنوا دیں گاہِ غمِ ثمری

ادائے تسکر ترا کیونکہ ہو ادائے لشکرِ غم
بروزِ بیکسی حاضر بوقتِ جاں بسپری

کشادہ چشم پڑا ہوں بر آستانِ اُمید
نظر کرے وہی پھر جس نے کر دیا نظری

ہر ایک آنکھ میں جلوے ہیں اُس صنم کے مگر
کسی کی آنکھ نہیں دیکھتی یہ جلوہ گری

کفن کو پھاڑ لحد سے شگفتہ ہو حافظ
نسیم کی طرح گزرے تو قبر پر وہ پری؟

تُرا گر ماہ و خور گفتیم گفتیم

مہ و مِہر اُس کو گر کہہ دیں تو کہہ دیں
کہے شمس و قمر کہہ دیں تو کہہ دیں

وہ باچھیں کھل پڑیں جب دم ہنسی میں
اُنھیں دُرج گہر کہہ دیں تو کہہ دیں

نہیں ہے اُس سا رعنا اور زیبا
پھر اس میں کیا ہی ڈر کہہ دیں تو کہہ دیں

منہ ہائے پریشاں زلف بن کر
لگیں کانوں سے اور کہہ دیں تو کہہ دیں

رُخِ روشن سیہ زلفوں کو اُس کی — اگر شام و سحر کہہ دیں تو کہہ دیں
لب و دنداں گُل و شکر نہیں کیا؟ — لہٰذا گُل شکر کہہ دیں تو کہہ دیں
اُنھیں معذور رکھ حافظ سمجھ کر — جو کچھ زیر و زبر کہہ دیں تو کہہ دیں

چرا نہ در پئے عزمِ دیارِ خود باشم

نہ کیوں وطن کو میں اپنے سوار ہو جاؤں — نہ کیسے خاکِ کفِ پائے یار ہو جاؤں
نہیں غریبی و غربت کی دل کو تاب تو کیوں — نہ اپنے شہر کو چل شہر یار ہو جاؤں
جو محرمانِ سراپردۂ وصال سے ہوں — غلام کیا کہ خداوندگار ہو جاؤں
نہیں ہے دم کا بھروسہ یہی مناسب ہے — کہ زیرِ خاک تہِ چشمِ یار ہو جاؤں
ہمیشہ شغل رہا میرا رندی و مستی — پھر اُس کی مشق میں مشغولِ کار ہو جاؤں
نصیبِ خفتہ گراں خواب حسرتوں کا گلہ — کروں تو اپنا ہی خود رازدار ہو جاؤں
مبادا لطفِ ازل ہو نہ رہنموں حافظ — ابد تلک کے لئے شرمسار ہو جاؤں

چہل سال بیش رفت کہ من لاف می زنم

گذرے اس ادعا کو چہل سال بیش و کم — ایک کمترین چاکرِ پیرِ مغاں ہیں ہم
چھلکائے گئے سدا مے روشن سے اپنے جام — پیرِ مغاں کے کیا ہوں بیاں لطف اور کرم
اب دُردنوش ہیں تو کوئی سوءِ ظن نہ ہو — دامن ہے پاک خرقہ کی کھاتے نہیں قسم
شہبازِ دستِ شاہ ہوں آخر میں۔ وجہ کیا — اِس درجہ میری شاخِ نشیمن کو مجھ سے رم؟
صد حیف مجھ سا بلبل اور ایسا بُرا قفس — اِس تنگ ریں سخن پہ کہ سوسن بھی کھائے سم؟

آب و ہوائے پارس یہ سفلہ پروری؟
اے دل اُکھڑ یہاں سے کہیں اور جا کے جم

صدقے میں عشق و ہمتِ مردانِ پاک کے
ہر جا ہی صدرِ میکدہ بن کر رہیں گے ہم

حافظ یہ زیرِ خرقہ قدح تا کجا نہاں؟
کہہ چھوڑ دوں مَیں بھانڈا ابرا کھولدوں بھرم؟

حالیا مصلحت وقت دراں مے بینم

ہے یہی مصلحتِ وقت اب ایک نہیں بھری
بستر اجائے یہ میخانہ میں دل خوش ہو ذری

جز صراحی و کتاب اور نہ ہو یار و ندیم
دوست کُش دوستوں سے چھک گئی نیت ہی بھری

جامِ مے تھام کے دُور اہلِ ریا سے بھاگوں
فارغ اِن اہلِ جہاں سے رہوں فکروں سے بَری

ڈھے گیا خرقۂ مکارہ کا زورِ تقوے نے
کیا چھپاتے ہیں رُخِ ساقی و شیشے کی پَری

سینۂ تنگ یہ اور بارِ غم اُس کا ہیہات!
کیا ہی ہلکی دلِ مسکیں پہ مرے سل ہے دھری

پِس گئے دل خاکِ قدم ہو، یہ خدایا یہ نہ ہو
کہ مِرا آئینۂ مہر مکدر ہو ذری

دل و جاں پھونکدیئے زلف کے ارمانوں نے
دو گواہ چاہو تو ہر سانس یہ ہے مشک بھری

آصفِ عہد کا بندہ ہوں مِرا دل نہ دُکھا
چرخ سے بھی وہ عوض لے لے گیہ دادگری

میں اگر رندِ خرابات ہوں گر حافظِ شہر
ہونؔ ہوں سامنے سب تیرے حقیقت ہَی دھری

حاشا کہ من بموسم گل ترک مے کنم

حاشا اگر بموسمِ گُل ترک مے کروں
ہنستا ہوں میں تو عقل سے اب توبہ کے کروں

مَے سے خمیرِ خاک تھا میرا ازل کے دن
اے دشمنانِ عقل میں کیوں ترکِ مے کروں؟

اُکتا گیا ہوں مدرسہ کی قیل و قال سے
کچھ روز اب تو خدمتِ معشوق و مَے کروں

مطرب کہاں ہے زہد و فضیلت کے مال نقد — بخشوں اُسے تصدّقِ آوازِ نَے کروں؟
ڈرتا نہیں ہوں ہو جو سیہ نامۂ عمل — دفتر ہزار ایسے خدا چاہے طے کروں!
پیکِ سحر کہاں ہے۔ شبِ ہجر کے گلے — تجھ سے اے نیک طالعِ فرخندہ پے کروں
کیسی وفا رہی ہے جہاں ہیں۔ پلاؤ جام — جم کر بیاں حکایتِ کاؤس وکے کروں
حافظ یہ جاں پرائی ہے۔ دیکھوں جب اُسکو میں — تب ہی سپرد جس کی امانت یہ ہے۔ کروں

حجاب چہرۂ جاں می شود غبارِ تنم

حجابِ چہرۂ جاں ہے غبارِ تن میرا — خوشا وہ روز کہ اُترے یہ جب کفن میرا
طواف کیونکہ ہو گردِ فضائے عالمِ قدس — ہے تختہ بند و قفس چو طرف سے تن میرا
نہیں یہ زیبِ قفس مجھ سے خوش لحن کے لئے — چلوں نہ روضۂ رضواں وہ ہے چمن میرا
قصور و حور تھے واں میرا مسکن و ماویٰ — ہو حیف کوئے خرابات یہاں وطن میرا
کھلا نہ راز کہ کیوں اور کہاں سے آنا ہوا — دریغ مجھ سے ہی پوشیدہ ہو سخن میرا
نہ شکلِ پیرہنِ زر یہ جا کہ شمع مثال — ہے آگ سوزِ نہانی سے تن بدن میرا
عجب نہیں ہے بُوئے مُشک سانس ہیں میرے — ہوا ہے دردِ دلِ نافۂ ختن میرا
جتائے ہستی حافظ اُٹھائے رُخ سے نقاب — کہ تیرے آگے ہے سب ہیچ ما و من میرا

خرم آں روز کزیں منزلِ ویراں بروم

کب چھٹے دیکھیے یہ منزلِ ویراں میں چلوں — راحتِ جاں کے لئے ہمرہ جاناں میں چلوں
نفسِ تار و تنِ زار سے مانندِ ہوا — پنکھا جھلتا تجھے لے سروِ خراماں میں چلوں

جو گُمراہ جائیں مسافر وہی بھٹکیں۔ میری
رہنما ہو گی بُوئے زلفِ پریشاں میں چلوں

سر قدم کرکے قلم کی طرح ہو جاؤں رواں
ساتھ ہیں دردِ دل و دیدۂ گریاں میں چلوں

کاٹے کٹتا ہے یہ زندانِ سکندر رہتے ہتے
باندھ بستر ہو جدھر ملکِ سلیماں میں چلوں

نازنینوں کو نہیں رحم گرفتاروں پر
ساربانو تھمیں آہستہ کہ آساں میں چلوں

نذر مانی ہے کہ جس روز یہاں سے چھوٹوں
راست میخانہ کو رقصاں و غزلخواں میں چلوں

ہائے بیتاب ہے دل ذرہ صفت رقص کناں
تالبِ چشمۂ خورشید درخشاں میں چلوں!

حافظ اس دشت میں ہے بس یہی ایک راہ نجات
ہمرہِ کوکبۂ آصفِ دوراں میں چلوں!

خیال روئے تو گر بگزرد بہ گلشن چشم

خیالِ رُخ ترا گر رہے اگر بگلشنِ چشم
جھک آئے دل پئے دیدار تا بہ روزنِ چشم

اب آ کہ لعل و گہر تجھ پہ وارنے کے لئے
گئے خزانۂ دل سے بہت بمخزنِ چشم

اُٹھائی ہوتی قیامت ہی اشک نے تو سحر
جو خونِ دل نہ پکڑ لیتا بڑھ کے دامنِ چشم

نہیں ہے راہ ترے در خور یہاں کوئی منظر
کہ میں ہوں عالم اور ایک گوشۂ معیّنِ چشم

کہا تھا پہلے ہی دن دل نے دیکھ کر صورت
بُری ہو کچھ تو مرا خون ہو بگردنِ چشم

ہوائے وصل میں تیری مدام تا بہ سحر
ہے راہِ باد میں سوزاں چراغِ روشنِ چشم

یہ مردمی ہے؟ دلِ دردمندِ حافظ کو
لگائے ناوکِ دلدوز مردم افگنِ چشم؟

خیز تا از درِ میخانہ کشادے طلبیم

چل درِ میکدہ پر دل کو کشادِ ایک مانگیں
بیٹھ کر دوست کے در پہ ہی مُرادِ ایک مانگیں

توشۂ راہِ حرمِ دوست کا کچھ پاس نہیں — لے کے جھولی درِ میخانہ پہ زاد ایک مانگیں
اشکِ آلودہ ہے ہر چند روانی پہ تلا — اُس کے قابل جو ہو وہ پاک نہاد ایک مانگیں
لذتِ داغِ غم اُن پر ہو حرامِ مطلق — اُس کی بیداد سے گھبرا کے جو داد ایک مانگیں
نقطۂ خال بنا لوحِ بصر پر نہ درست — تم سے اے مردمکِ دیدہ سواد ایک مانگیں
دل و جاں مانگتے تھے عشوۂ شیریں دو لب — لبِ شکر خندہ ہو بولے کہ مراد ایک مانگیں
ہر دلِ شاد میں آباد بلا غم تیرا — پس بااُمیدِ الم خاطرِ شاد ایک مانگیں
تا کجا تنگ رہیں مدرسہ میں اُٹھ حافظ — چل درِ میکدہ پر دلِ کشاد ایک مانگیں

خیز تا خرقۂ صوفی بخرابات بریم

خرقۂ صوفی کا چلو لے کے خرابات چلو — زرق و طامات بھی بازارِ خرافات چلیں
تحفہ بن کر پئے رندانِ قلندر ہمراہ — دلقِ پشمینہ و سجادۂ و طامات چلیں
خلوتی ساتھ ہوں سب جام و صراحی تھامے — جھانجھ بجتے ہوئے اور گاتے مناجات چلیں
رہبری خارِ ملامت سے کرے گر زاہد — اُس کو بھی خلد سے لے دارِ مکافات چلیں
حیف یہ خرقۂ آلودہ ہنر سے عاری؟ — اِس حقیقت پہ جتاتے یہ کرامات چلیں؟
وقت کی قدر سمجھ کر جو نہ کچھ کام کریں — لے کے خجلت ہی بس ایک حاصلِ اوقات چلیں
کب تلک گم رہیں اس دشتِ فنا میں آخر — سر کریں پاؤں سے یہ راہِ مہمات، چلیں
عہد جو وادیِ ایمن میں کیا تھا اُس سے — ارنی بولتے اُس عہد پہ میقات چلیں
اُس کے کوچہ کی ہو گر خاک ملی چہرے پر — کیا ہی کرتے ہوئے محشر میں مباہات چلیں
سقفِ مینائی سے فتنوں کی ٹپاٹپ نہ تھمی — امن میخانے میں لیں چھوڑیں یہ آفات چلیں

چھپ کے پینا تو علاماتِ بزرگی سے نہیں	ڈون کی ہم سے نہ اربابِ کرامات چلیں
آبرو کھوئیں نہ ہر سفلہ کے در پر حافظ	لے کے حاجت بدرِ قاضیِ حاجات چلیں

خیر مقدم مرحبا اے طایرِ فرخ پئیم

خیر مقدم، مرحبا! اے قاصدِ فرخ پئیم	کر دیا دل شاد۔ قرباں تجھ پہ دل سر تا قدم
صحبتِ عشاق ہے بدنام۔ زاہد راہ لگ	جام مے ہوگا ترے ہاتھوں میں اور ہم متہم
لد گئے وہ دن ستا لیتے تھے جب مجھ کو رقیب	یار اب پایا، بحمد اللہ! عزیز و محترم
خواجہ تُوراں شاہ عادل دل جلالِ مُلک و دیں	بدرِ آفاق العُلیٰ، عونِ الوریٰ، غوث الاُمم!
مت سمجھ جاتا ہے تو تنہا مقابل خصم کے	ساتھ ہیں اربابِ دل تیرے اور اصحاب ہم
ساقیا مے دے کہ عشق و رندی کے الزام پر	پھیر دی حافظ کے پھر کے کلکِ خواجہ نے قلم

درخراباتِ مغاں گر گذر افتد بازم

پھر خراباتِ مغاں میں جو گزر ہو جائے	حاصلِ خرقہ و سجادہ صفر ہو جائے
دھڑ دھڑا دیں جو درِ توبہ سا ہم بھی زاہد	چُپ ہی کل پیرِ مغاں مُوند کے در ہو جائے
کیوں نہ پروانہ کی سی دل کو ہو فارغ بالی	دل بھی اُس شمع پہ پروانہ اگر ہو جائے
ماجرائے دلِ سرگشتہ سُنے، پوچھے، کَون؟	ہاں مگر تیغِ غمِ یار۔ کہ سر ہو جائے
رازِ الفت ترا سینہ ہی میں رہ جائے نہاں	چشمِ تر سے نہ اگر سب کو خبر ہو جائے
چنگ ہی ماں کے پہلو میں لے، دل شاد تو ہو	ایک نفس نَے ہی ترے لب کی اگر ہو جائے
حسرتِ حور نہیں چاہیے۔ ہو عینِ قصور	گر خیال اُس کا ادھر سے کچھ اُدھر ہو جائے

اُڑکے دل اس قفسِ خاک سے چڑیا بن جائے — کچھ نئے قبضۂ شہباز میں پر، ہو جائے
مُوئے تن سر نہیں او زلفِ رسا کے حافظ — پائمالِ قدم ایک ایک وہ سر ہو جائے

در خراباتِ مغاں نور خدا می بینم

ہے خراباتِ مغاں۔ نورِ خدا دیکھتے ہیں — نور کس کا ہے، جگہ کون سی، کیا دیکھتے ہیں
کون ہے دُردکش اس میکدے میں بارِ الٰہ — کہ یہ گھر قبلۂ حاجات و دُعا دیکھتے ہیں
دُون کی ہم سے نہ لے اے ملکُ الحاج کہ تو — دیکھتا گھر کو ہے ہم گھر میں خدا دیکھتے ہیں
ہردم اُس حسن کے دل میں ہیں نرالے نقشے — ہم سے پوچھے کوئی اِن پردوں میں کیا دیکھتے ہیں
کیا دکھائیں گے وہ مُشکِ ختن اور نافہ چیں — جو تری سمت سے جب آئے صبا دیکھتے ہیں
زلفِ جاناں سے بھلا نافہ کشائی کا خیال — دُور کی فکر ہے پر اس میں خطا دیکھتے ہیں
منحرف دایرہ ایک نقطہ نہ کم بیش ذرا — مسئلہ صاف یہ بے چون و چرا دیکھتے ہیں
سوزِ دل، اشکِ رواں، آہِ سحر، نالۂ شب — آپ کے لطف و عنایت سے یہ کیا دیکھتے ہیں؟
دوستو ہجوِ نظر بازیِ حافظ نہ کرو — اُس کو منجملہ محبانِ خدا دیکھتے ہیں

درد از یارست و درماں نیز ہم

دے وہی درد اور درماں بھی وہی — دل فدائے یار تو جاں بھی وہی
کہتے ہیں جس چیز کو بہتر ز حُسن — ہے وہی اور بہتر ازآں بھی وہی
دو جہاں ہیں ایک فروغِ حُسنِ دوست — آشکارا ہے جو پنہاں بھی وہی
اب جو پھر پیچھے پڑا ہے جان کے — کر چکا تھا عہد و پیماں بھی وہی

نرگسِ مستانہ کی دل پر نگاہ — نیتِ زلفِ پریشاں بھی وہی
عاشقوں کو کچھ نہیں فتوے کا ڈر — اعتبارِ حکمِ سلطاں بھی وہی
جیسی یہ دنیائے دُوں ناپائیدار — حالتِ گردونِ گرداں بھی وہی
داستاں پردے میں کہہ کر دیکھ لی؟ — گاتے پھرتے ہیں غزلخواں بھی وہی
وصل کی گھڑیاں کٹیں، ہو گی نہ کیا — نوبتِ ایامِ ہجراں بھی وہی
محتسب حافظ کو مانے مے پرست — آصفِ ملکِ سلیماں بھی وہی

در نہاں خانۂ عشرت صنمے خوش دارم

دیکھ پردوں میں مرے اک بُت مہوش کے مزے — رُخ و کاکل کے نہیں نعل در آتش کے مزے
قدح چند ہوں کاشانۂ رنداں میں قبول — نُقلِ شعرِ شکریں معنی بے غش کے مزے
ایک سر زلف اِدھر۔ ایک اُدھر شوخ کے ہاتھ — اک سر مُو پہ، اور اِس لطف و کشاکش کے مزے
عاشق و رند ہوں، مے خوار ہوں، کھُل کہتا ہوں — سب بدولت ہیں یہ ایک شوخ پریوش کے مزے
جب سے واں جلوہ نما ہے خطِ نگاری دوست — پُوچھ مت اس دلِ مجروح بلاکش کے مزے
رکھ یونہیں بے سروماں، نہ بکاؤں تو سہی — ٹھنڈی آہوں سے سحر زلفِ مشوش کے مزے
حافظا سب غم و شادیِ جہاں فانی ہیں — یہی بہتر ہے کہ لے خاطرِ دل خوش کے مزے

دوستاں وقتِ گل آں بہ کہ بہ عشرت کوشیم

دوستو! موسمِ گل ہے گہہِ عشرت کوشی — مشورہ پیرِ مغاں کا ہے کرو مے نوشی
ہے فرح بخش ہوا۔ بھیج خدایا کوئی — نازنیں چاند کا ٹکڑا پئے ہم آغوشی

ارغنوں سا ئہ ہے یہ دشمن دانائے فلک — کیونکہ فریاد و فغاں سے ہو یہاں خاموشی
فصلِ گُل جوش پہ اور ہم پہ نہ ایک چھینٹ پڑے؟ — لاجرم آتشِ حرماں میں ہے ایک سرجوشی
قدحِ لالہ سے پیتا ہوں شرابِ موہوم — چشم بددُور ہے بے مطرب و مے مینوشی
اُٹھ گئے اہلِ کرم، جانے کو بیٹھی ہے بہار — اب نہیں رہنِ مصلّے میں کوئی ناموشی
طُرفہ تر حال ہے حافظ یہ کہیں کس سے یہاں — ہم وہ بلبل ہیں کہ ہے عینِ گُل اور خاموشی

دوش بیماری چشم تو ببرد از دستم

چشمِ بیمار سے شب جی ہی چلا تھا از دست — لطف لب نے ہی رکھی جان بصد بند ولبست
عشقِ بندہ خطِ مشکیں سے نہیں آج کی بات — مدتیں گزریں کہ اس جام بلا لیں سے ہوں مست
میں ہوں میخانہ نشیں، ہر عملِ خیر سے دُور — اہل زندوں کی ہے کی جب سے ہُوا نیست سے ہست
عشق کی راہ میں آنسوئے فنا بھی ہیں خطر — مر کے بیکنٹھ ہُوا، رہ گیا اس راگ میں مست
دُرجِ یاقوت پہ اُس کے مجھے بوسہ ہے حلال — اِن جفاؤں پہ وفاؤں کو نہ ہونے دی شکست
رقصِ ثابت قدمی پر ہے کہ اُس کوچہ میں — میرے اُس پائے طلب نے کبھی جانی نہ نشست
دل کو اب تیرِ کجِ اندازِ عدو کا کیا غم — کہ ہے محبوب کماں ابرو سے اپنے پیوست
صنمِ لشکری دل لے کے ہوا ہو جائے — آہ کچھ داد نہ دے شاہ، پھروں باد بدست
مرتبہ دانشِ حافظ کا فلک پر ہے ولے — کس قدر اے غمِ بالائے بلند تجھ سے لپست!

دوش سودائے رخش گفتم ز سر بیروں کنم

سر سے سودائے رُخ اس کا جب کہا بیروں کروں — سُن کے بولا۔ لاؤ تو زنجیر ایک مجنوں کروں؛

سرو قد کہتے ہی بس غصّے سے سر اکڑا لیا
راست سے بھی گر ہو ٹیڑھا میں تمادی کیوں کروں؟

بات نا سنجیدہ کہہ دی، دلبرا کیجو معاف
عشوۂ تازہ دکھا پھر طبع کو موزوں کروں

طبعِ نازک سے ڈروں کیوں بے خطا نیلا پڑوں
ساقیا ایک جام دے چہرے کو میں گلگوں کروں

پا گیا مجھ کو نشانِ گنجِ بے پایانِ دوست
آپ جیسے سو فقیروں کو میں اب قاروں کروں

اے نسیمِ حضرتِ سلمیٰ خدا را تا کجا
بستیاں ویراں کروں، ویرانوں کو جیحوں کروں؟

اے مہِ نامہرباں رکھ اپنے حافظ کی تو یاد
میں ترے حق میں دعائے حسنِ روزافزوں کروں

دیدہ دریا کنم و صبر بصحرا فگنم

دیدہ دریا کروں کانٹوں میں کلیجا پھینکوں
دل کو آنکھوں سے بہا کر کوئی دریا پھینکوں

اس دلِ تنگ گنہ گار سے وہ آہ کروں
کہ اُٹھا کر گنہِ آدم و حوا پھینکوں

کمائے ہوں تیرِ فلک پی کے میں ہو جاؤں جو مست
توڑ کر بندِ کمر ترکشِ جوزا پھینکوں

جرعۂ جام ایک اِس سقفِ رواں پر چھڑکوں
غُل غَلِ چنگ سے ڈھا گنبدِ مینا پھینکوں

چشمۂ خوش دلی اُس جا ہے کہ دلدار جہاں
جست جھنجھلا کے کروں خود کو اُسی جا پھینکوں

برقع زلفوں سے ہٹا دے مہِ خورشید لقا
سرِ سودا زدہ کو وارِ سراپا پھینکوں

حافظا تکیہ بر ایام ہے سہو اور خطا
کل کے وعدے پہ نہ جو آج ہو بلتا پھینکوں

دیشب بہ سیلِ اشک رہِ خواب میزدم

دریا سا ایک شب کو گہہ خواب تھا رواں
نقشِ نگارِ دست سرِ آب تھا رواں

شکلِ حسیں تھی سامنے آنکھوں کے جا رہی
دُور ہی سے بوسہ بر رخِ مہتاب تھا رواں

ابروئے یار دیکھتے ہی خرقہ پھینک پھانک
ساغر بعینِ گوشہ محراب تھا رواں

آنکھیں کھلی تھیں حسن پہ نغموں پہ گوش وا
دل ان مزوں کے پیچھے کھلے باب تھا رواں

شاخِ طرب سے جھانکتا گر کوئی زاغِ فکر
بن کر ہما بطرّہ مضراب تھا رواں

ساقی نے اس غزل پہ چلایا تھا دورِ جام
رقص و سرود و رنگِ مئے ناب تھا رواں

نقشِ خیالِ یار سحر تک برین قرار
در کارگاہِ دیدۂ بےخواب تھا رواں

کیا خوش تھا حافظ اس گھڑی جو داؤ پھینکتا
لیتے ہی نامِ دوست براجاب تھا رواں

دیدار شد میسر و بوس و کنار ہم

دیدارِ یار حاصل و بوس و کنار بھی!
احسانِ بخت و منتِ لیل و نہار بھی!

زاہد الجھ نہ۔ بخت اگر بخت ہیں مرے
دیکھوں گا جام ہاتھ میں دستِ نگار بھی

دل ایک خبر سنائیں؛ ہوا دفع محتسب!
کثرت سے مے ہے اور بتِ میگسار بھی

رہتا نہیں ہے دیدۂ بد میں بھی تاک میں
دشمن فرار۔ بند ہیں آنسو کے تار بھی

کیوں رند و مست کہہ کے کسی کو ہوں طعنہ زن
لعلِ تپاں بہت ہے، مئے خوشگوار بھی

رکھنا دل انتشار میں کچھ زیرکی نہیں
مجموعۂ غزل ہو صراحی و یار بھی

اک جرعہ لب کا خاک نشینانِ عشق پر!
ہو جائے خاک لعل گوں اور مشکبار بھی

ہے آبروئے لالہ و گل تیرا فیضِ حسن
ابرِ کرم کا تشنہ ہے یہ خاکسار بھی

کل کائنات زندہ یہ تیری ہی بو پہ ہے
چمکا دے آفتاب دلِ ذرہ وار بھی

اہلِ نظر کو پہچانتا ہے کہ خدا کا خوف
اور خوف نہ دلِ آصفِ جم اقتدار بھی!

انور ہے رائے اس کی کہ ہر صبح آفتاب
کرتا ہے جان فدا و کواکب نثار بھی

گوئے زمیں تو کیا ہے کہ چوگانِ عدل سے — کرلے وہ فتح گنبدِ نیلی حصار بھی
جب تک کہ دَورِ طورِ فلک کے سبب ہیں — ق یہ روز و سال و ماہ و خزان و بہار بھی
قصرِ جمال میں یہ امیروں کے جمگھٹے — یہ ساقیانِ سرو قد و گلعذار بھی!
عزمِ سبک عناں سے ترے زلزلے میں ہوں — دایم یہ ارض و مرکزِ عالی مدار بھی
حافظ نے مدح میں کیے گوہر تو یہ نثار — دستِ کرم کے آگے رہا شرمسار بھی

روزِ عیدست و من امروز دراں تدبیرم

عید آئی ہے تو کیا فکر یہ تدبیر کریں — دے کے اجرِ رمضاں دست قدح گیر کریں
تیس (۳۰) دن ہوتے ہیں ساقی دمے و شاہد کو — کب تلک اور مدارات میں تقصیر کریں؟
اب نہ جھانکوں گا نہ جھانکوں گا کسی خلوت میں — لاکھ زاہد کہیں دھمکائیں کہ زنجیر کریں
واعظِ شہر کی ہو پند بزرگانہ ولے — ہم کہاں ان میں قبول اُس کی جو تاثیر کریں؟
پھسکڑا مارے جو بیٹھا ہے درِ میکدہ پر — وہ اگر آئے تو لیں اُٹھ کے قدم پیر کریں
میکشی ایسی کچھ اور اُس پہ مصلے بردوش — کیا کہے خلق اگر فاش یہ تزویر کریں
کہنہ پیروں کی نصیحت پہ عمل کیا حافظ — ریس میری مئے کہنہ کی نہ صدپیر کریں

روزگارے شد کہ در میخانہ خدمت میکنم

عمر گزری کب سے میخانہ میں خدمت کرتے ہیں — اس فقیری میں بھی کارِ اہلِ دولت کرتے ہیں
کوئی کبکِ خوش خرام آہی پھنسے گی اپنے دام — گھات میں ہیں انتظارِ وقتِ فرصت کرتے ہیں
بوئے حق بھی ناک میں پہونچی نہ زاہد کے کبھی — اُس کے منہ پر کہہ دیں ہم کیا کوئی غیبت کرتے ہیں؟

جوں صبا اُفتان و خیزاں جا رہے ہیں کوئے دوست
اے رفیقانِ سفر درخواست ہمت کرتے ہیں

تابِ زحمت اب نہیں تیری گلی کی خاک کو
بڑھ گئے بارِ الم تخفیفِ زحمت کرتے ہیں

زلفِ دلبر دامِ سنگیں، غمزہ ایک تیرِ بلا!
یاد رہے دل کب سے ہم تجھ کو نصیحت کرتے ہیں؟

دیدۂ بد بیں نہ دیکھے اے کریمِ عیب پوش
جرأتیں یہ سب جو ہم درِ کنجِ خلوت کرتے ہیں

حاش للہ! گر حسابِ حشر سے ہو کچھ ہراس
ہے شگن کل کیلئے جو آج عشرت کرتے ہیں

عرش کے پہلو سے آمیں کہتے ہیں روح الامیں
جب دعائے بادشاہ ملک و ملت کرتے ہیں

خسروا اُمیدِ اوج و جاہ ہے جس کے لئے
التماسِ آستاں بوسیِ حضرت کرتے ہیں

حافظ مسجد بھی ہم دُردیِ کشِ مجلس بھی ہم
شوخ ہیں دنیا سے رنگا رنگ صحبت کرتے ہیں

زدستِ کوتہ خود زیر بارم

ہے دستِ کوتہ سے سب زیر باری
بہی بالاؤں سے یہ شہر مساری

مری آنکھوں سے پوچھ احوالِ طالع
کہ شب تار و نہ ہے اختر شماری

پلادی کیا یہ اے پیمانۂ عشق
کہ بے ہوشی نہ باقی ہوشیاری

لبِ ساغر کے بوسے لے رہا ہوں
تبادی وضعِ دوراں اس نے ساری

ہیں اس بازو پہ مجھ کو ناز کیا کیا
نہیں ہے یہ کسی بھی دل پہ بھاری

سخن اِن میفروشوں کے بھی حق میں
نہیں کوئی بجز منت گزاری

لہو کے گھونٹ اس جنگل میں پیئے
سکھائے تو نے آہوئے تتاری

اُٹھائے خاک سے ہرگز نہ جھک کر
بجائے اشک ہو گر لعل باری

میں حافظ سا ہی ہوں سرمست لیکن
بھری اس سر میں ہے اُمیدواری

زلف بر باد مدہ تا نہ دہی بر بادم

زلف لہرا دی ہوا میں کہ یہ کی بربادی؟ ناز بنیاد کیے وہ کہ بنا ہی ڈھا دی
بل دیے زلف میں یا ڈال دیا پیچوں میں تاب طرے کو نہ دی بلکہ مجھے ایذا دی
رُخ فروزاں ہو کہ حاجت بہ گل و برگ نہ ہو قد نما ہو کہ ملے سرو سے بھی آزادی
شہرۂ شہر نہ ہو، کوہ میں ٹکراؤں گا شورِ شیریں سے ترے سیکھ نہ لوں فرہادی
ساتھ غیروں کے نہ پی۔ خون جگر ہوتا ہے رام ہو جا کہ نصیبوں میں ہو کچھ تو شادی
جی پہ بن جائے پہ کچھ وصل کی صورت نہ دکھائے دستگیری نہ کرے دیکھے کھڑا اُفتادی
یار بیگانہ نہ بنے دوست سے کر کے الفت کھائے تُو غیر کا غم ہائے مری ناشادی
رحم کر اس دل مسکین کے سن لے نالے درِ آصف پہ یہ دل جا کے نہ ہو فریادی
جور سے تیرے نہ حافظ نے کبھی نالہ کیا قید جب دن سے ہُوا اس کی گئی ایک آزادی

سالہا پیروی مذہب رنداں کردم

سالہا پیروِی مذہبِ رنداں کر کے ہو گئے عقل سے اب حرص کو زنداں کر کے
خود بخود منزلِ عنقا کی نہیں پائی راہ آئے ہیں پیروِی مرغِ سلیماں کر کے
دیکھ تو چل کے خلاف آمد و عادت تُو بھی سکھ کو پہونچائیں نشاں زلفِ پریشاں کر کے
بیٹھ اب اِس دل ویراں میں مرے گنجِ مُراد کی جگہ تیرے لئے خانماں ویراں کر کے
تَو بہ توبہ لب ساقی سے نہ مَیں نوش کروں؟ لب چبانے پڑے کیا گوش بہ ناداں کہہ کے!
رندہی و عاقلی کچھ بس کی نہیں یاروں کے حکم استادِ ازل پر رہیں "جی ہاں" کر کے

باغِ فردوس کی گل لطفِ ازل سے ہو اُمید | آج دربانیِ میخانۂ زنداں کر کے
یہ جو پیری میں میسّر ہے جمالِ یوسف | پھل ملا صبر دہ در کلبۂ احزاں کر کے
زیرِ محرابِ فلک عیش یہ سب نے کیے؟ | جھک گیا جن کو میں از بخششِ سلطاں کر کے
کیوں نہ دیوانِ غزل میں ہوں میں اب صدر نشیں | سالہا بندگیِ صاحبِ دیواں کر کے
تو بھی حافظ سا سحر خیز و سلامت جو ہو | جو کیا اُس نے کیا حفظ ہی قرآں کر کے

سرم خوش ست و بہ بانگِ بلند میگویم

سُرور میں ہے یہ ہانکے پکارے خوش گوئی | کہ روحِ زندگی ڈھونڈے پیالے میں کوئی
عبوسِ زہد خمارِ طلب میں تُند ملا | دل آیا دیکھ کے دُردی کشوں کی خوش خوئی
اگر نہ پیرِ مغاں کھول دیتا دونوں کواڑ | تو کھٹ کھٹانے کو دروازہ ہی نہ تھا کوئی
نہ خود رَدی پہ چمن میں خسوں کو نام رکھیں | کہ پرورش ہے کسی کی نہیں ہی خود روئی
خدا گواہ، وہی ہر جگہ رہا ہمراہ | میانِ مسجد و بُت خانہ کچھ نہ تھی دوئی
بشوقِ نرگسِ مستِ بلند بالا مست | تو لالہ با قدحِ افتادہ ہوں بہ لبِ جُوئی
کشیدہ ایک خمِ چوگاں ہو ابروئے جاناں | میں گویا گیند ہوں گرداں گیند کی ڈدئی
عبیرِ راہِ طلب کیمیائے دولت ہے | ہے صیدِ دل کے لیے تیر اُس کی خوشبوئی
سُنوں گا میں نہ نصیحت تو ناصحا سُن لے | خراب ہوتی ہے انساں کو عافیت جوئی
منگا کے بادہ بفتوائے حافظ از دلِ پاک | دیئے تڑ تڑے جو گر دریا تھی سب دھوئی

صوفی بیا کہ خرقۂ سالوس برکشیم

صوفی بس اب یہ مکر کا چولا اُتار دیں | اِس دلقِ پُرفریب کے اکر تار تار دیں

نذر و فتوح خانقہ دے کر شراب لیں — رنگِ ریائے خرقہ کو اُس میں نتھار دیں
اسرارِ غیب پردے میں جو مُنہ چھپائے ہیں — رُخ سے ہٹا نقاب وہ مستانہ وار دیں
ہُو کر کے کو دہی پڑیں خلوت میں شیخ کی — شاہد کو لیں دبوچ تو مے سب کار دیں
ہم کو نہ دیں وہ روضہ رضواں۔ تو غرفہ سے — غلمان و حور ہی کو نہ ہم کر فرار دیں
دیکھیں جو اُس کا وسمۂ ابرو ہلال دار — چوگانِ زر سے گوئے فلک ہی کو مار دیں!
لوگوں کے کام آئیں کہ بخشے خدا گناہ — جس روز الوداع جہاں کو پکار دیں
زیبا نہیں تعلیاں حافظ یہ ہے خیال — چادر سے اپنی پاؤں نہ باہر پسار دیں

صلاح از ما چہ میجوئی کہ مستانرا صلا گفتیم

صلاح اب ہم سے مت چاہو کہ مستوں کو صلا کہدی — سلامت مست نرگس! سب کو رخصت دی دُعا کہدی
مَیں بچشمِ مستِ ساقی سے خراب افتادہ ہوں پھر بھی — ہر اک تیرِ مژہ پر اُٹھ کے سَو سَو مرحبا کہدی!
کہا شمشاد قد اُس کو، خجل ہوں۔ یہ ثمر پایا — یہ تہمت حیف کیوں رکھدی۔ یہ پھبتی ہائے کیا کہدی
جگر اک نافہ خوں ہو گیا ہے، اور کیا ہوتا؟ — سزا اِس کی کہ چینِ زلف از راہِ خطا کہدی
نہ ہو تو مہرباں ہم پر۔ پشیمانی اُٹھائے گا — رہے دن یاد، پھر کہنا یہ کب اور ہم نے کیا کہدی
درِ میخانہ ہی کھٹکا۔ کھُلے گا خانقہ سے کیا — کرے باور دگرنہ بات جو تھی برملا کہدی
بھٹکا تک عشق میں حافظ دل اُس کا پر نہ گر پایا — بد عہدی گُل کی ہم نے صاف بروئے صبا کہدی

صنما با غم عشق تو چہ تدبیر کنم

غمِ اُلفت کی صنم کیا ترے تدبیر کریں — کب تلک غم یہ سہیں نالۂ شبگیر کریں

دلِ دیوانہ یہ اب قابلِ درماں نہ رہا
پھر اسی زلف میں باندھیں اِسے زنجیر کریں

مدّتِ ہجر میں جو کچھ کہ دل و جاں پہ بنی
سینکڑوں جِلد میں مشکل ہے کہ تحریر کریں

زلف سے جملہ پریشانیاں دل کی کہئے
حوصلہ کب کہ سراسر اُنھیں تقریر کریں

رند یک رنگ ہیں شاہد و مے سے صحبت
غیر ممکن ہے کہ ہم حیلہ و تزویر کریں

جان کس شکل کی ہے دیکھنا منظور ہو گر
ذہن میں نقشِ رُخِ خوب کی تصویر کریں

ہو اسی طرح اگر وصل کی اُمید تو ہم
دل و دیں ہار دیں کچھ اور بھی توفیر کریں

دُور ہو سامنے سے واعظا! آیندہ کبھی
کان گندے نہ ترے وعظ و تقریر کریں

نہیں امکانِ خلاص اب کوئی غم سے حافظ
کیا جو تقدیر میں یُوںہی ہو تو تدبیر کریں

عاشقِ حُسن جوان خوش نوخاستہ ام

عاشقِ حُسن جوانِ گُل نوخاستہ ہیں
خارِ غم راحتِ جاں کو بدعا خواستہ ہیں

رند و عاشق ہیں، نظر باز ہیں، کھُل کہتے ہیں
اب تو سمجھے ہمیں کن فعلوں سے آراستہ ہیں؟

حیف اُس خرقۂ آلودہ سے آئے نہ حیا!
جس کے ہر بخیے میں سو نار بھی پیراستہ ہیں

جل جلی ہے تو جل اے شمع کہ ہم بھی امشب
اِسی خدمت پہ کمر بستہ و برخاستہ ہیں

تاسحر وہ اُفقِ دل کے نگہبان رہیں
تیری رُویت کے جو طالب مہِ ناکاستہ ہیں

جائیں حافظ کی طرح ڈانٹ کے زرکار قبا
جو حریصِ کششِ دلبرِ نوخاستہ ہیں!

عشق بازی و جوانی و شرابِ لعل فام

عشق بازی و جوانی و شرابِ لعل فام
جلسۂ احباب و یاراں ہم نشیں شرب مدام

ساقی شکّر دہان و مطربِ شیریں سخن
ہمقریں سب خوب ہمدم خوش چلن اور نیک نام

مے لطیف و پاک گویا رشکِ آبِ زندگی
دلبر ایک حسن و لطافت میں بہ از ماہِ تمام

بادۂ گلرنگ تیز و تلخ، ہلکا، خوشگوار
نوش ہو لعلِ نگار اور نُقل ہو یاقوتِ جام

بزمگہ ایک دلنشیں ہم شکلِ فردوسِ بریں
درمیانِ خلد نقلِ روضۂ دار السّلام

صف نشیں سب نیکخواہ ہوں پیشِ خدمت با ادب
دوست مخلص رازدار و ہمقریں کُل دوست کام

تیغ کھینچے غمزۂ ساقی ہو پیرِ عقل پر
زلفِ دلبر ہو بچھائے صیدِ دل کو پیچ دوام

جو ہو اس صحبت کا طالب زندگی اُس پر حلال
جو نہ اس عشرت کا خواہاں زندگی اُس پر حرام!

نکتہ دانِ بذلہ گو ہے حافظِ شیریں سخن
بخشش آموزِ جہاں افروز ہے حاجی قوام

عمریست تا بہ راہِ غمت رُو نہادہ ایم

کب سے ہیں تیری راہ میں ہم رُو رکھے ہوئے
رُو رُو ریا سے آپ کو یکسُو رکھے ہوئے

ایک ماہِ عیدِ وصل کے ہیں ہم نظارگی
پہ چشمِ نظر میں وہ خمِ ابرو رکھے ہوئے

جاں نذر اُن دو نرگسِ جادو کو دے چکے
دل بھی ہیں رہنِ سنبلِ ہندو رکھے ہوئے

خوشبوئے زلف کے سر سودا خمار میں
شکلِ بنفشہ سر سرِ زانو رکھے ہوئے

پشتینی نیک نامی اجداد نیک نام
ہیں ٹھوکروں میں ساقیِ مہرو رکھے ہوئے

محراب و طاقِ مدرسہ، قیل و قالِ فضل
سب رکھ کے تیری راہ میں ہاں رُو رکھے ہوئے

کیا سحر ڈھائے آنکھ وہ بنیادِ کار ہم
بیٹھے ہیں بر کرشمۂ جادو رکھے ہوئے

دل ہوشیار رہ تُو ہی، اپنا تو نقدِ ہوش
ہر دم قرار ہے خمِ گیسو رکھے ہوئے

شکر ہے کب یہ ہم نے لیا ملکِ عافیت
کس بخت کو ہے قوتِ بازو رکھے ہوئے؟

ہو جائے ایک اشارہ پہ چشمِ امید ہم
کب سے ہیں تجھ پہ گوشۂ ابرو رکھے ہوئے

ہشیاری عاقلی ہے کہ خود دست و پا یہ ہیں
زنجیر و بند از خمِ گیسو رکھے ہوئے

گو رہی ہے عمر امید میں ایک نیم اشارہ کی
تجھ پر نگاہ نرگسِ جادو رکھے ہوئے

بارِ جہاں رکھا نہ دلِ ناتوان پر
ہیں ان غموں کو طاق پہ یکسو رکھے ہوئے

حافظ سے پوچھنا دلِ سرگشتہ کیا ہوا؟
کیا ہیں وہ تیرے حلقۂ گیسو رکھے ہوئے؟

عمریست تا من در طلب ہر روز گامے میزنم

ایک عمر سے ہوں در طلب بڑھ کر ہی گام ایک رکھتا ہوں
بہرِ شفاعت جستجوئے نیک نام ایک رکھتا ہوں

بے مہرِ دل افرادِ خود، کرنے بسر بدرِ روزِ خود
دام ایک نیا اور لالِ تو بھی زیبِ دام ایک رکھتا ہوں

شاید ملے کچھ آگہی سا ان میں ہی ہو سرِ دسہی
پوچھوں پھنک کر خوش قدو! پاس آؤ کام ایک رکھتا ہوں

ہر چند وہ آرامِ دل، بننے نہ دے گا کامِ دل
فالیں ہی دن بھر دیکھ کر امیدِ خام ایک رکھتا ہوں

اور رنگ کیا گل نکھر گیا۔ ذکرِ وفا و مہر کیا
میرا ہی ہے ملکِ عاشقی اب میں ہی نام ایک رکھتا ہوں

آخر ہوا آخر قصہ یہ، دھل جائے سب غم غصہ یہ
اس آبِ خوں افشاں سے میں جو صبح و شام ایک رکھتا ہوں

اپنے سے خود غائب ہوں میں حافظ سا ہی تا بیتِ میں
رہ جانیوں کی بزم میں۔ گہ شوقِ جام ایک رکھتا ہوں

غم زمانہ کہ ہیچش کراں نمی بینم

غمِ زمانہ کی حد و کراں نہیں کوئی
دوا سوائے مے ارغواں نہیں کوئی

نشانِ مردِ خدا عشق ہے، رکھ اپنے تک
شیوخ شہر میں اس کا نشاں نہیں کوئی

خمارِ خستہ کو دیں ایک گھونٹ۔ کیا مقدور!
یہ اہلِ دل سے ہی خالی جہاں نہیں کوئی

فروغِ جام میں ممکن ہے سیرِ اخترِ عیش — ستارہ اوج پہ اب فی زماں نہیں کوئی
نشانِ موئے میاں جس سے دل تھا وابستہ — نہ ہم سے پوچھئے، ہم خود یہاں نہیں کوئی
ہمارے دیدۂ حیراں پہ بھی ہزار افسوس! — کہ دُود دُود آئینے صورت عیاں نہیں کوئی
نہاں ہی جب سے وہ قد جویبارِ دیدہ — سوائے سرو جُز آبِ رواں نہیں کوئی
بڑھا سفینے کو حافظ یہ بحرِ عماں ہے — متاعِ یہاں سخن دُر فشاں نہیں کوئی

فاش می گویم و از گفتۂ خود دشادم

صاف کہتا ہوں یہ۔ اور کہہ کے بہت شاد بھی ہوں — بندۂ عشق وو دو عالم سے میں آزاد بھی ہوں
طایرِ قدس ہوں! کیا تم سے کہوں شرحِ فراق — بندِ دُنیا میں اسیرِ غم و بیداد بھی ہوں
میں مَلک تھا۔ مرا فردوس بریں میں تھا مقام — دستِ آدم سے اُجڑ کر یہاں آباد بھی ہوں
سایۂ طوبیٰ و دلداریِ حور و کوثر — تیرے کوچے کی قسم اب جو مجھے یاد بھی ہوں
لوحِ سینہ پہ ہے نقش ایک الفِ قامتِ یار — کیا پڑھوں اور پڑھاتے مجھے اُستاد بھی ہوں
پڑھ سکا کوئی منجم نہ مرے طالع کو — کچھ عجب وقت کا مولود میں ناشاد بھی ہوں
جب سے ہوں حلقہ بگوشِ درِ میخانۂ عشق — مژدۂ ہر غمِ تازہ سے بفریاد بھی ہوں
خونِ دل میرا روا مردمِ دیدہ کو کہ دُوں — دل جگر گوشۂ آدم کو نہ برباد بھی ہوں؟
پونچھ حافظ کے تو زلفوں سے یہ سیلِ سرشک — یُوں دمادم جو گریں بادمِ بنیاد بھی ہوں

گو فرصتے کہ خدمتِ پیرِ مغاں کنم

فرصت کہاں کہ خدمتِ پیرِ مغاں کریں — یا پندِ پیرمان کے طالع جواں کریں

برسوں رہے مجاورِ میخانہ دوستو — تھوڑی سی کے واسطے نہ ترکِ آستاں کریں
بوتل کا رنگ دیکھ نہ چھوڑے گا محتسب — جلدی سے زیرِ دلق طمع نہاں کریں
زہد و جوِ مے حرام ہے،، فرمایا شیخ نے — فرمائے جو وہ چاہیے بابہ چشم وجاں کریں
حافظ رقیب بھونکیں تو مت سہم تجھ کو دوست — چل اُس کے پاس داخلِ دارالاماں کریں

فتوے پیرِ مغاں دارم و عہدیست قدیم

مُرہے پیرِ مغاں کی بھی یہ فتوے ہے قدیم — مے حرام اُس کو جو دنیا میں ہو بے یار و ندیم
پھاڑ کر پھینکیئے یہ دلقِ ریا اور تو کیا — رُوح کو صحبتِ ناجنس ہے بس بارِ عظیم
اُڑ کے ایک چھینٹ ہی شاید لبِ جاناں کی پڑے — اس طمع پر میں ہوں منجانے میں مدت سے مقیم
حیف کیا صحبتِ دیرینہ فراموش ہوئی؟ — جا نسیمِ سحری، جاکے جتا عہدِ قدیم
چاہیئے اور کوئی چارۂ صحت اے دل — مرضِ عشق میں ناچار دوا اور حکیم
جمع کر گنجِ معارف کہ ترے ساتھ چلیں — ورنہ آدم کے تو بس کا نہیں شیطانِ رجیم
کہہ دیں غنچے سے کہ دل تنگ نہ ہو عسرت سے — ہاں مدد دیں گے دمِ صبح و انفاسِ نسیم
دل لیا سینکڑوں اُمید دلا کر خود ہی — ظاہرا عہد فراموش نہیں خلقِ کریم
ایک صدی بعد بھی گزرے وہ تو رقصاں اُٹھیں — گل کے مٹّی بھی ہوئی ہوں جو مری عظمِ رمیم
سیم و زر گر نہیں حافظ نہ سہی شکر بجا — تھوڑی دولت نہیں یہ لطفِ سخن، طبعِ سلیم،

گر ازیں منزلِ غربت بسوئے خانہ روم

جس دن اس منزلِ غربت سے سوئے خانہ چلوں — ٹھان رکھی ہے کہ رستے ہی سے میخانہ چلوں

اِس سفر سے جو پھروں زندہ وطن کو واپس
شک نہیں ہو کے بہت عاقل و فرزانہ چلوں

کیا پُراز کشف و مقامات ہے یہ سیرِ سلوک!
کیوں نہ گُن اِس کے میں گاتا ہوا مستانہ چلوں

آشنایانِ طریق اب تو کریں قتل بھی گر
ہُوں نہ مومن جو قدم بھر سوئے بیگانہ چلوں

پھر کے دیکھوں وہ اگر ابروئے محراب نما
سجدۂ شکر کروں بامتنانِ شکرانہ چلوں

آج سے پاؤں مرا اور وہ زنجیرۂ زلف
تیرے کہنے پہ کہاں تک دلِ دیوانہ چلوں؟

حافظا کون گھڑی ہوگی جو میخانے سے پھر
مَے پیے، ہاتھ لئے یار کا، کاشانہ چلوں؟

گرچہ از آتشِ دل چوں خمِ مے در جوشم

اُٹھتے ہیں دل میں خُمِ مے کی طرح جوش پہ جوش
خون کے گھونٹ پیے پھر بہ لبِ ہوں خاموش

خودکشی ہے لبِ جاناں کی تمنّا کرنا
خودکشی میں یہ عجب دیکھیے میں ہوں خودکوش

چھُٹ چکا وہ غمِ جاناں سے کہ ہر دم جس کو
ہندوئے زلف بنھاتے ہی رہیں حلقہ بگوش

بخدا میں نہیں مغرور ہوں اِس طاعت پر
گاہے ماہے قدح ایک دو جو کبھی کرُوں نوش

ہے توقع کہ علی الرغم عدو روزِ جزا
عفو اُس کا نہ رکھے بارِ گنہ ہی بر دوش

باوا آدم نے دو گیہوں پہ کیے تھے کوڑے
ناخلف ہُوں جو میں ایک جَو کو نہ ہوں خلد فروش

خرقہ پوشی یہ نہیں غایتِ دینداری سے
سینکڑوں عیبِ نہفتہ کا ہے خرقہ سرپوش

مَے پیوں غیر مرزوق! یہ نہیں ہو سکتا
ڈانٹ کر پیرِ مغاں کہہ چکا ایک بار نہ نوش!

رہزنِ عشق ہے مُطرب گر انہی ہاتھوں سے
شعر حافظ کے کیا چاہیں ہی پھر تو مدہوش

گرچہ افتاد ز زلفش گرہے در کارم

گرہِ زلف ہے گو پیچ میں دشوار لگی
چشمِ اُمید ہے تجھ پر کرم یار لگی

خونِ دل ہی جو بہا آنکھوں سے رخساروں پر
سُرخیِ اشک تمھیں سُرخیِ رُخسار لگی؟

فاش پردہ نہ کرے پردہ جو چھیڑا مطرب
قید پردے کی وہاں پہلے ہی ایک آ لگی

وائے حسرت کہ چلا چھوڑ کے اُوہ بیچ میں خضر
رہبری اس دلِ گم گشتہ کی دشوار لگی

یہ ہوں دہ شاعرِ ساحر کہ بافسونِ سخن
شہد و شکر کی قلم سے مرے انبار لگی

آنکھ طالع کی مرے نام کو سُن لگ ہی گئی
تجھ سے اب بوئے کرم ہو گی یہ بیدار لگی

بجز صبا کون کہے جا کے؟ اِدھر یہ مشکل
اُس کو ایک جھونکا ہوا کا۔ ہمیں تلوار لگی

بے تہی نکل رہا؟ دیکھ تو حافظ کی جبیں؛
خاک کس در کی ہی جز حضرتِ دیوار لگی؟

گرچہ ما بندگانِ بادشہیم!

یُوں تو ہم بندگانِ بادشہ ہیں
ورنہ شاہانِ مُلکِ صبح گہ ہیں

گنج در آستین و جیب تہی
جامِ گیتی نما و خاکِ رہ ہیں

ہوشیارِ حضور و مستِ غرور
بحرِ توحید و غرقِ گنہ ہیں

شاہدِ بخت جب کرشمہ پہ آئے
اُس کا آئینہ ہم مثالِ مہ ہیں

بس غنیمت سمجھ ہمیں بھی ہم
خواب میں بھی تجھے رکھے نگہ ہیں

شاہ منصور جانتا ہے ہمیں
ڈٹ کے ہٹ جائیں پھر جو ہم وہ نہ ہیں

دشمنوں کو پنھائیں لال کفن
دوستوں کو دیں فتح کی کلہیں

رنگِ تزویر ہم سے دُور کہ ہم
شیرِ سُرخ اور افعیِ سیہ ہیں

قرضِ حافظ کرا دے اُس سے ادا
لب نے حامی بھری تھی ہم گواہ ہیں

گر دست دہد خاکِ کفِ پائے نگارم

ہاتھ آئے اگر خاکِ کفِ پائے نگاری
پیشانی پہ جھٹ کھینچ لوں ایک خطِ غباری

پہونچے ترا پروانہ اگر جاں کی طلب میں
گردوں میں معاً شمع صفت جان بہاری

ہم خاک شدوں کو نہ جھڑک اور جھٹک یوں
اس در سے نہ مر کر بھی اُٹھے خاک ہماری

نکہت پہ اُس آغوش کی ہوں غرقۂ اُمّید
اللہ رے! اشکوں سے ہو یہ ناؤ کناری!

دلداریِ عشاق کا اقرار تھا زلفو
تم رے کے ہوئیں جملہ قرار اُن کا فراری؟

یہ قلبِ سیہ پرکھے اگر یار محک پر
ایک نقد رواں آنکھوں سے فوراً ہی ہو جاری

سرتاب وفا سے نہ کسی دن ہو، خدر کر
اُس شب سے یہ جب ہاتھ دعا میں ہوں بزاری

ساقی مجھے اُس جام سے ایک گھونٹ عطا ہو
بو جس کی شفا۔ دفع کرے رنج خماری

ہے جانِ عزیز اپنی لبِ لعل وہ حافظ
مدت سے لبوں پر وہ نہیں جان پیاری

گر دست دہد در خمِ زلفین تو بازم

ان ہاتھوں اگر پھر گرہِ زلف ہو باز ایک
سر چڑھ کے زمانے کے مَیں کرتا پھروں ناز ایک

وہ زلف مری عمرِ عزیز اور یہ دیکھو
ہاتھ آئے سرِ مُو نہ از آں زلفِ دراز ایک

پروانگی تجھ تک جو ہوا سے شمع تو امشب
دُوں شمع صفت دل کو ترے آگے گداز ایک

میں رند بھلا میری نمازوں میں کہاں نیاز!
میخانے میں بے شک ہو مجھے سوز و گداز ایک

مسجد ہو کہ میخانہ، ترے خیال میں دل کو
محرابِ کماں ابرو سے دایم رہے ساز ایک

جس شب مری خلوت میں تری جلوہ فروزی
اُس صبح جہاں میں مرے سر کو بھی فراز ایک

محمود ہو وہ عاقبتِ کار۔ جو رکھ دے
سر اپنا رہِ عشق میں رکھتا ہوا ایاز ایک

ہنستا ہوا دم دیدوں صراحی کی طرح میں
وہ مستِ دو ابرو مری پڑھوا دیں نماز ایک

حافظ غمِ دل کس سے کہوں، وقت یہ وہ ہے
جز جام نہیں چاہیئے اب محرمِ راز ایک

گر من از سرزنش مدعیان اندیشم

لاکھ مانع ہو مجھے سرزنشِ بد اندیش
عادتِ مستی و رندی سے تو کچھ چارہ نہ پیش

زہدِ رندانِ نو آموز ہے ایک راہِ غلط!
ہو یہ بدنامِ جہاں اور تو کیا خیر اندیش!

شاہِ شوریدہ سراں دیں کرتب بے ساماں
ایک عالم سے ہوں اس کم خردی میں بھی تو بیش

خونِ دل سے مرے ایک ٹیکا لگا ماتھے پہ
لوگ جانیں تو تری بھینٹ ہوں اے کافر کیش

شعرِ خونبار مرا یار کو اے دوست سنا
جس کے مژگانِ سیہ بھر رگِ جاں ہیں نیش

چھینٹ اڑ کر نہ پڑے اس کے لہو کی تجھ پر
اپنے دامن کو بچا جب یہ کھجائے دلِ ریش

حسنِ ظن اپنا دکھا جلد گو رہبرِ خدا
تا نہ دیکھے کہ ہوں اِس خرقہ میں کیا نادرویش!

رند ہوں، شیخ ہوں، کیا کام کسی کو کچھ ہوں
عارفِ وقت ہوں اور حافظِ رازِ دلِ خویش!

ما بر آریم شبے دست و دعائے بکنیم

ہاتھ اٹھا کر کسی شب یا تو دعا ایسی کریں
یا کوئی سعی جو دے اس سے بلا ایسی کریں

دلِ بیمار چلا۔ تھا منایا رو جب تک
چارہ گر آئیں۔ یہ جی جائے دوا ایسی کریں

خشک ہے بیخِ طرب۔ مے کے خرابات چلیں
پھر پنپ جائے وہاں نشو و نما ایسی کریں

بے خطا ہو کے خفا۔ تیر لگا چل جو دیا
آئے پھر ہو نہ خفا صلح و صفا ایسی کریں

سینہ بُت خانہ بنا۔ آہ کے ہی لے کر تیر — نفس اور اُس کے یہ بُت ڈھائیں غرض ایسی کریں
دل مدد خاطرِ زنداں سے طلب کر کہ مباد — کام نازک ہے بگڑ جائے خطا ایسی کریں
دَم چلا حافظؔ خوش لہجہ سُنا اپنی غزل — دل ٹھہر جائے معاً گوش صدا ایسی کریں!

ما بدرگاہ جلالت بہ پناہ آمدہ ایم

اپنے درگاہِ جلالت میں پناہ آئے ہیں ہم — شرم سے آب پئے عذرِ گناہ آئے ہیں ہم
تلملاتے ہوئے طے کر کے بہت دشتِ مغاک — نکلی پڑتی ہے زباں بر سرِ چاہ آئے ہیں ہم
نہیں اُمید پہونچنے کی سلامت بہ کنار — ایسے گرداب میں سب غرق تباہ آئے ہیں ہم
غیرِ تقصیر کوئی عذر نہیں لائے ہیں — عفو کر لب پہ لیے نالہ و آہ آئے ہیں ہم
شوقِ دیدار میں طے کر کے رہِ دُور و دراز — سر بہ ساماں ہے گُم گشتہ گراہ آئے ہیں ہم
حافظا خیر گنہ ہم سے بھلا کیا ممکن؟ — روزِ اوّل ہی سے خود نامہ سیاہ آئے ہیں ہم!

من نہ آں رندم کہ ترکِ شاہد و ساغر کنم

ہم نہیں اُن میں جو ترکِ شاہد و ساغر کریں — محتسب واقف ہے ایسے فعل ہم کمتر کریں
لالہ ساغر گیر، نرگس مست، ہم بدنام مفت — داد گر چاہیں الٰہی تو کسے داور کریں
عشق گوہر دانہ، ہم غوّاص، دریا میکدہ — غوطہ زن ہو کر یہاں اُونچا کہاں پھر سر کریں
گرد آلود فقیری ہیں مگر آتی ہے شرم — بر کنارِ چشمۂ خورشید دامن تر کریں
با وجودِ بینوائی۔ ہوں سیہ رُو مثلِ ماہ — گر قبولِ فیض خورشیدِ بلند اختر کریں
لطف جاناں چاہیے دوزخ میں قسم ہمپر حیف گر — تنگ چشمی سے نظر بر چشمۂ کوثر کریں

ہے گدائی میں بھی حاصل لطفِ سلطانی ہمیں / کیا خوشامد تیری اے گردونِ دوں پرور کریں
عہد و پیمانِ فلک کا کچھ نہیں ہے اعتبار / عہد پیمانے سے اور پیمان باساغر کریں
آج ملتی ہو بہشتِ نقد تو احمق نہیں / زاہد اگر وعدۂ فردا ترا باور کریں
شیوۂ رندی نہ تھا لایق ہمارے گو مگر / پڑ گئے اس میں ہی اب کیا پیشۂ دیگر کریں
گوشۂ محرابِ ابرو میں جگہ ہو گر نصیب / ہم بھی مجنوں وار بیٹھے درسِ عشق ازبر کریں
ہو عناں گیر ایک دم اے ترکِ شہر آشوب تا / راہ کو سجدے منقّش اشک پر گوہر کریں
کیسی کیسی لعل لب نے رات کی عشوہ گری / ہم نہ تھے اُن میں جو ایسے چٹکلے باور کریں
فصلِ گل میں توبہ کی تاکید آنکھوں پر شیخ / اتنی مہلت ہو صلاحِ شاہد و ساغر کریں
شبنمِ شفاف سے دھلتے ہوں جب اوراقِ گل / اُن دنوں ہونگے ہی کارِ درس یا دفتر کریں
توبہ فصلِ گل میں حافظ یہ بھی ایک سودا سمجھ / چاہیے پڑھ کر اعوذ، اندیشۂ دیگر کریں

ما سرِ خوشان مستِ دل از دست دادہ ام

خوش ہیں، مگن ہیں، مستِ دل از دست دادہ ہیں / ہم آشنائے عشق ہیں ہم رنگ بادہ ہیں
ہم پر بہت گمان و ملامت ہوا کیے / تب جا کے اب یہ ابروئے جاناں کشادہ ہیں
گل تجھ کو صبح جامِ صبوحی ہوا نصیب / ہم ہیں شقایقوں میں کہ باداغ زادہ ہیں
خالی ہے شکلِ لالہ قدح دیکھتے لیجئے / ایک داغ ہم بھی بر دلِ خونیں نہادہ ہیں
توبہ سے گر ہماری ہو پیرِ مغاں ملول / چھانے وہ بادہ عذر کو ہم ایستادہ ہیں
تیرے بغیر رہ نہیں پائیں گے رہنما / فریاد لے کے راہ سے دور اوفتادہ ہیں
کیا رنگ کیا خیال ہیں حافظ نہ پوچھئے / پڑھئے نہ گر غلط تو وہی لوحِ سادہ ہیں!

ما ورد سحر بر در میخانہ نہادیم

راتوں کے وظیفے صفِ میخانہ پہ چھوڑے
اوقاتِ دُعا سب درِ جانانہ پہ چھوڑے

خرقوں میں نہ رہ سکتے تھے بنیش اِس سے منافق
بنیاد رکھی شیوۂ رندانہ پہ چھوڑے

مجھ سے ہی ہیں سب بیدل و دیں شکر خدا کا
جو جو تھے گماں عاقل و فرزانہ پہ چھوڑے

ہر زاہد و عابد کا جلا ڈالیں گے خرقہ
یہ داغ جو روشن دلِ دیوانہ پہ چھوڑے

سلطانِ ازل نے مجھے دی عشق کی دولت
صد گنج زر ایک منزلِ ویرانہ پہ چھوڑے

اُمید نہیں کشتیِ سرگشتہ کو گرداب
ثابت طلب گوہرِ یکدانہ پہ چھوڑے

دل دخل نہ دے مِہرِ بُتاں کو، لبِ شیریں
ایک مُہر لگی دل کے درِ خانہ پہ چھوڑے

جو بوسہ لب ہاتھ لگے یار کے گِن کر
واپس یہ دیانت لبِ جانانہ پہ چھوڑے

قانع ہوں فقط خیال پہ آئینِ گدائی
حافظ نہ کوئی ہمّتِ شاہانہ پہ چھوڑے

ما بریں در نہ پئے حشمت و جاہ آمدیم

مانگنے ہم نہیں کچھ حشمت و جاہ آئے ہیں
ڈھونڈتے دستِ حوادث سے پناہ آئے ہیں

رہروِ منزلِ اُلفت ہیں عدم سے بوجود
جھیل کر فاصلے اور سختیِ راہ آئے ہیں

باغِ فردوس میں دیکھا تھا ترا سبزۂ خط
تجھ سے لینے وہی ہم مہر گیاہ آئے ہیں

گنجِ روح الامیں رکھتے ہیں پھٹے گدڑوں میں
جھولی ڈالے ترے دروازہ پہ شاہ آئے ہیں

لنگرِ حلم بڑھا کشتیِ توفیق اِدھر
تجھ میں اے بحرِ کرم غرقِ گناہ آئے ہیں

آبرو جاتی ہے اے ابرِ خطا پوش برس!
پیشِ دیوانِ عمل نامہ سیاہ آئے ہیں

دُور رکھ خرقۂ پشمینہ کو ہم سے حافظ ہم لئے قافلے میں آتشِ آہ آئے ہیں

ما ز یاراں چشمِ یاری داشتیم

ہم تو یاروں سے تھے یاری جانتے کیا غلط یہ بھی ہمارے دھیان تھے!

کب پھلے کیا جانیں نخلِ دوستی بو دیا ایک بیج یہ ہیں جانتے

گفتگو آئینِ درویشی نہیں ورنہ دل میں موجزن طوفان تھے

تیری آنکھوں پر برستی جنگ تھی صُلح سمجھے ہم بھی کیا نادان تھے

بحث تو اتنی بڑھے رنجش نہ ہو؟ پاسِ خاطر دونوں تھے پہچانتے

گلبنِ حُسن آپ کب دلکش بنا اِن دعاؤں کے کرم احسان تھے

دیکھ کر مائل تجھے اغیار پر بجھ گئے جو حوصلے ارمان تھے

دل دیا حافظ نے خود۔ اپنا قصور وہ مُحصّل بھیجتے تو مانتے

ما نگوئیم بد و میل بناحق نکنیم

عیب و بدگوئی طرفداریِ ناحق نہ کریں رُوسیہ کرکے کوئی چہرے کی رونق نہ کریں

بیدھڑک دفترِ دانش کی نہ کر دیں تغلیط سحر و اعجاز جدا چیز ہیں ملحق نہ کریں

نہ کریں غیبتِ درویش و غنی تھوڑی بھی ہر بُری بات مناسب ہے کہ مطلق نہ کریں

خوش گزر آئیں نظر دیکھنے والوں کو مگر رشکِ اسپِ سیہ زینِ مغرق نہ کریں

پاش کرتا ہے فلک کشتیِ اربابِ ہُنر قابلِ تکیہ نہیں بحرِ معلّق۔ نہ کریں

آب زنداں پئے شہ جو بہ آداب تمام تُو بھی اُس کی وہ مے صاف مُروّق کریں

کیوں بدی سے کسی حاسد کی پڑے رنج میں دوست
ہوشمندانِ جہاں گوش باحمق نہ کریں

برسرِ حق نہیں دشمن تو لڑیں کیوں حافظ
حق بجانب ہو اگر، سرزنشِ حق نہ کریں

مرا عہدیست باجاناں کہ تا جاں در بدن دارم

دیا ہے عہد جاناں کو کہ جبتک جان تن میں ہے
ہوا داری ترے کوچہ کی دم کے ساتھ من میں ہے

کرے شمعِ چگل سے دل فروزاں خلوتِ باطن
فروغِ دیدۂ ظاہر تو اُس ماہِ ختن میں ہے

بقدرِ آرزوئے دل ہمیں خلوت ہے خود حاصل
ہمیں کیا خوف بدگویوں سے اُس کی انجمن میں ہے

اگر صد لشکرِ خوباں چڑھ آئیں دل پہ کیا طاقت
وہ طاقت حسنِ نظر! میرے بتِ لشکر شکن میں ہے

خدارا اے رقیب آنکھ اپنی جھپکالے ذرا امشب
لبِ خاموش سے دل اُس کے پنہاں کچھ سخن میں ہے

خراماں گلشنِ اقبال میں ہوں جس کے حُسن اُس کا
نہ لالے میں، نہ نسرین میں نہ گُل نے یاسمن میں ہے

بجا اُس نقشِ لعل لب پہ دعوائے سلیمانی
پناہِ اسمِ اعظم میں ہوں ڈر کیا اہرمن میں ہے

وہ جامِ خوشگوار اپنا وہ ساقی کون ؟ یار اپنا
بتاؤ کس کا یار ایسا زمیں پر یا زمن میں ہے؟

مرے گھر میں ہے خود وہ سرو جس کی چھاؤں کی ٹھنڈک
نہ سرو بوستاں میں ہے نہ شمشادِ چمن میں ہے

نہ روک اے پیرِ فرزانہ مجھے جانے دے میخانہ
کہ قصدِ ترکِ پیمانہ دلِ پیماں شکن میں ہے

ہوا زندی میں حافظ شہرۂ تقووں پہ کیا ڈر ہے
مرا ابھی ہاتھ دامانِ امین الدین حسن میں ہے!

مرحبا طایرِ فرخ رُخِ فرخندہ پیام

خیرِ مقدم ترا اے نیک قدم نیک پیام!
جم جم آ۔ مژدہ سنا۔ یار کا کہنا کوتح و مقام؟

یارب اُس قافلے کا لطفِ ازل راہنما
جس نے دشمن کو تہِ دام ، کیا دوست کو رام

میرے اور اُس کے علاقے کا نہ پوچھو پایاں
جس کا آغاز نہیں اُس کا بھلا کیا انجام

کیا مرے دیدۂ خونبار کے آرام کی شکل
مَن لَہُ القتلُ دواءٌ عجبًا کیف ینام

مہرباں مجھ پہ نہ ہوگا نہیں ہوگا ہرگز
ذاک دعوای دھا انتَ وتلک الایّام

گُل کا اِترانا بڑھا حد سے دکھا رخ بخدا
سرو کا اینٹھنا اچھا نہیں۔ لِلّٰہ خرام!

شاخِ سدرہ پہ جو تھا نغمہ نوا طایرِ روح
دانۂ خال پہ تیرے ہی پھنسا آن کے دام

زلفِ دلدار تو زنّار پنہاتی ہی ہمیں
رکھ پرے شیخ! اتر اخرقہ ہوا تن پہ حرام

مَیل حافظ کو ہے گر جانبِ ابرو کیا ہے
طاق و محراب میں رہتا ہی ہے اللہ کا کلام

مردکہ در غمِ ہجرِ تو از جہاں برویم

ٹھہر کہ جاتے ہی تیرے ہم اپنی جاں سے چلے
یہ دیکھ اُٹھتے ہی اُٹھتے ترے جہاں سے چلے!

ہلا دے ہونٹ کہ قرباں اُن پہ ہو جائیں
دگرنہ ہم یونہیں بیکار اس جہاں سے چلے

روا نہیں کہ لبوں پہ ہو جان مر نہ سکیں
ذرا سا کام ہے یہ بھی نہ اُس دہاں سے چلے

الٰہی پھر بھی ہو ایک بار وہ دَہن پہ دَہن
یہ ہوش جائیں وہ تھامے۔ کہے۔ "کہاں سے چلے"

گدائے کوچہ ہے تیرا تجھی سے مانگتا ہے
ہزار حیف کہ محروم آستاں سے چلے

پتہ دے وصل کا جس راہ سے وہ ممکن ہو
پہونچ ہی جائیں گے اک دن جو اُس نشاں سے چلے

یہی نہ کہنا کہ "حافظ یہاں سے جا" للہ
جو اور حکم تھے اُن پر تو چشم و جاں سے چلے!

مزن بر دل ز نوکِ غمزہ تیرم

نہ مارے نوکِ غمزہ سے جو تیر ایک
دکھا دے چشمِ بیمار اور سریر ایک

نصابِ حسن کامل ہو چکا ہے
زکوٰۃ اب پائے مسکین و فقیر ایک

قدح بھر دے طفیلِ دولتِ عشق
جوان بختِ جہاں ہو جائے پیر ایک

فضائے سینہ ہے اور دوست ہی دوست
نہیں رکھتا یہ فکر اپنا ضمیر ایک

بجز جام و مطرب ہی ہو وہ بھی
جو نقشِ قلم کھینچے لکیر ایک

نہیں کچھ پوچھ جس غوغا میں۔ یہ دل
ترا پیرِ مغاں منت پذیر ایک!

وہ طایر ہوں جو ہر شام و سحر گاہ
سُنے عرشِ معلّےٰ سے صفیر ایک

اجارہ میفروشو! شرط یہ ہے:-
یہ ہاتھ اور جام۔ تا وقت اخیر ایک"

خوشا وہ دم! جب استغنا کا عالم
غرض رکھے نہ از شاہ و وزیر ایک!

بہت سے گنج سینے میں بھرے ہیں
نظر آتا ہوں دشمن کو فقیر ایک

اُٹھایا ہاتھ حافظ سے جو دیکھا
ہے ساقی اس کا یارانا گزیر ایک

مژدۂ وصلِ تو کو کز سرِ جاں برخیزم

مژدۂ وصل سنا دے غمِ جاں سے چھوٹوں
طایرِ قدس ہوں مَیں دامِ جہاں سے چھوٹوں

ابرِ بارانِ ہدایت کو خدا برسا دے
خاک اُڑ کر نہ میں گردابِ زماں سے چھوٹوں

قسم الفت کی پکارے جو تو بندہ کہہ کر
ہوسِ سلطنتِ کون و مکاں سے چھوٹوں

بے مے و نغمہ ہی آ گور پہ تا خوشبو سے تری
جی اُٹھوں، رقص کناں خوابِ گراں سے چھوٹوں

پیر ہوں بھینچ کے پہلو میں سلا لے شب بھر
ایک جواں صبح کو آغوشِ جواں سے چھوٹوں

سنگِ درِ جاں، یقیں مان تری چوکھٹ سے
زلزلوں سے نہ مَیں آفاتِ زماں سے چھوٹوں

سرو بالا جو دکھاوے بتِ شیریں حرکات
حافظ آزاد ہوں غمہائے جہاں سے چھوٹوں

من ترک عشقبازی و ساغر نمی کنم

اب ترکِ عشقبازی و ساغر نہیں کروں
سو بار توبہ کر لی مکرر نہیں کروں

باغِ بہشت و سایۂ طوبیٰ و قصر و حور
اُس در کی خاک کے بھی برابر نہیں کروں

کافی جہاں میں اہلِ نظر کو اشارہ ایک
ایک کر دیا اشارہ، دیگر نہیں کروں

سر کے بھی صبح ہوش نہیں ہوتے جب تلک
میخانہ میں بلند کہیں سر نہیں کروں

زاہد کہے بہ طعنہ زنی ترکِ عشق کو
"شایانِ جنگ نیست برادر" نہیں کروں

معقول بحث پیرِ مغاں ہے نہ کیوں سنوں
زاہد ترے محال کو باور نہیں کروں

پی جاؤں تو چیختا ہے واعظ کہ "مے مخور"
کچھ التفات بولے اگر خر نہیں کروں

تقویٰ یہ بس کہ واعظوں کی حرص سے کبھی
ناز و کرشمہ بر سرِ منبر نہیں کروں

حافظ جنابِ پیرِ مغاں ہو وفا کا گھر
ہرگز جدا جبیں ہے یہیں یہ در نہیں کروں

من کہ باشم کہ برآں خاطرِ عاطر گذرم

مجھ گدا کا ہو تری خاطرِ عاطر پہ گزر ؟
یہ عنایت! ترے قدموں ہی میں رکھ دیجئے سر!

دلبرا! بندہ نوازی یہ کہاں سیکھی تھی؟
پاس والوں نے سکھائی۔ یہ نہیں ہے باور

ایک دُعا بدرقۂ راہ کرائے طایرِ قدس
راہ مقصد ہے دراز اور میں ناکردہ سفر

اے نسیمِ سحری کہیو با آداب تمام
کہ فراموش دُعا میں نہ رہوں وقتِ سحر

شاد وہ دن کہ روانہ ہوں میں اس منزل سے
اور ترے کوچے میں پائیں رُفقا میری خبر

خلوتِ خاص تلک راہ نمائی ہو مری
نے ہیوں ساتھ ترے سارے غموں سے چھٹکر

پایۂ نظم بلند اور جہانگیر بھی ہے
شادِ بحرین ذہن میں مرے بھرے گوہر
گوہرِ وصل کی خاطر ہی یہ شایاں حافظ
دیدۂ بحرین نہیں غوطے لگیں آٹھ پہر

من دوستدارِ روئے خوش و موئے دلکشم

بھاتی ہے ہنس مکھی، مجھے بانکوں کی دلکشی
مدہوشی چشمِ مست کی گالوں کی بخشش
عاشق کو ناگزیر ہی ایک سوز مثلِ شمع
جلنے کو کیا جلائے گا اسے سوزِ آتشی
نہیں از معدنِ لبِ لعل اور کانِ حسن
ہیں جوہری مفلس و لاحق مشوشی
میں آدمِ بہشتی تھا یہاں آکے طرّہ شد
ہی اب گلے کا ہار حسینوں کی مہوشی
وہ چشمِ مست دیکھی ہی اِس شہر میں کہ بس
بے میکشی ہی رہتی ہے واللہ سرخوشی
ایک شہرِ پُر عجائب و نقش جہت سے حسیں
پیسے کے نام پاس نہیں گو کی تحتخشی
رازِ ازل کی پوچھنی چاہو گر ایک رمق
کروں میں پہلے ایک دو پیمانہ میکشی
حافظ عروسِ طبع کو ہے جلوہ آرزو
یہاں آرسی ہے آہ کی تا آسماں مشی

نمازِ شامِ غریباں چو گریہ آغازم

شروع شام سے غربت میں گریہ کا آغاز
بغیر گریہ ہی ہے دل کو ارادۂ پرواز
بیادِ یار و دیار اس قدر رہوں زار و نزار
کہ راہ و رسمِ سفر کا الٰہی ڈوبے جہاز
کہاں دیارِ حبیب اور کہاں بلاد رقیب!
دیار دیار کو پہونچوں میں آیا صاحبِ ناز
خضر خدا کے لئے کچھ مری مدد کر دے!
کہ قصرِ میکدہ ہی سے ہوں پھر علم افراز!
خردِ ضعیفی سے میری مواخذہ مت کر
ہی ایک طفلِ صنم پہ یہ دل محبت باز

سوا نسیم و صبا کس سے جان یا پہچان — بجز ہوا بھی ہے کوئی عزیز اور ہمراز؟
ہوائے منزلِ یار آبِ زندگانی ہے — صبا خدا کے لئے لیکے آ بوئے شیراز
بہا ایک آنسو، کیا راز فاش ہوا روپوش — گلہ کیا غیر کا حافظ جب اپنا خود غماز!

ہر چند پیر خستہ شدم ناتواں شدم

ہر چند پیر خستہ ہوا ناتواں ہوا — آیا ادھر وہ یاد اُدھر میں جواں ہوا
سادہ تھا کل ورق مرے حرفِ وجود سے — مکتب میں آج عشق کے میں نکتہ داں ہوا
تب سے ہی مجھ پہ سب درِ معنی کشادہ ہیں — جب سے میں ساکنِ درِ پیرِ مغاں ہوا
جب سے یہ تیری آنکھ کے فتنے بپا ہوئے — کم مجھ کو خوفِ فتنۂ آخر زماں ہوا
شکرِ خدا ملا جو خدا سے طلب کیا — تا انتہائے مقصدِ دل کامراں ہوا
در شاہراہِ دولتِ سرمد بتختِ بخت — ساغر بکف مرادِ دل دوستاں ہوا
قسمت اشارہ سوئے خرابات ہی کرے — ہر چند میں کہوں کہ چنیں اور چناں ہوا
پھولے پھلے سدا وہ مرا گلبنِ جواں — میں جس کے سائے بلبلِ باغِ جناں ہوا
میں سال و ماہ سے نہیں بوڑھا وہ بیوفا — گزرا جو تیر بن کے میں جھک کر کماں ہوا
شب مجھ کو دے گئی یہ بشارت بھی حافظا — باز آئیں مغفرت کا بھی ضامن وہاں ہوا

اے نورِ چشمِ من سخنے ہست گوش کن

اے نورِ چشم کہنا ہے کچھ تجھ سے گوش میں — لبریز جام ہو تو بہے ناؤ نوش میں
کہہ دی یہ آزمائی بزرگانِ پیر کی — بوڑھا ہو اے جوان جو رکھے اسکو گوش میں

دیکھی نہ ہوشمند پہ پڑتی کمندِ عشق
ہاتھ آئی زلفِ یار مگر ترکِ ہوش میں

تسبیح و خرقہ دیں گے نہ کچھ لذتِ سرور
یہ لطف پائیں گے عملِ مے فروش میں

حاضر ہو دوستوں کے لیے جان و مال سے
سر رکھ دے پائے یارِ نصیحت نیوش میں

سو اہرمن کے وسوسے ہیں راہِ عشق میں
ہشیار! گوشِ دل ہو پیامِ سروش میں

برگِ نوا تباہ ہوا سازِ طرب جلا
اے چنگ نالہ کش ہو تو آ دف خروش میں

ساقی بھرا پڑا ہے صافی سے تیرا جام!
ایک لطف کی نگاہ قدحِ دُرد نوش میں

سرمست جب قبائے زرافشاں پہن کے آئے
دے بوسہ نذرِ حافظِ پشمینہ پوش میں

افسرِ سلطانِ گل پیدا شد از طرفِ چمن

شاہِ گل کے تاج کی چمکی گلستاں میں کرن
گل کا آنا ہو مبارک تم کو اے سرو و سمن

کیا ہی زیبا ہو نشستِ خسروی اپنی جگہ
لوگ بھی بیٹھیں قرینے سے بجائے خویشتن

تا ابد آباد گھر یہ جس کے در سے دمبدم
بوئے رحمت سے ہم آغوش آتی ہے بادِ یمن

خاتمِ جم کو مبارک فالِ حسنِ خاتمہ
اسمِ اعظم نے کیا اُس پر سے دفع اہرمن

خنگِ چوگانِ فلک کو رام کر کے زیرِ راں
شہسوار آ کر ہوا میدان میں چوگان زن

کشت زارِ ملک کو رکھ تازہ آبِ تیغ سے
بو نہالِ عدل و داد اور ہو عدو کا بیخ کن

شوکتِ پورِ پشنگ اور اُس کی عالمگیر تیغ
شاہناموں میں ہے اب تک داستانِ انجمن

کیا عجب گر ہو شگفتہ تیری بوئے خلق سے
دشت سے ایران میں کے نافۂ مشکِ ختن

منتظر خلوت نشیں ایک جلوۂ خوش کے ہیں آ
رخ سے برقع بر طرف طرفِ کلہ میں ہو شکن!

ساقیِ بزمِ اتابک سے صبا جا عرض کر
جام بخشے ہم کو جامِ زر سے خود ہو کر مگن

عقل سے کی مشورت بولی کہ حافظ پی شراب — ہاں پلادے ساقیا المُستشارُ مؤتمَن !

اے خسروِ خوباں نظرے سوئے گدا کن

اے خسروِ خوباں نظر اک سوئے گدا ہو — رحم اِس سر و پا سوختہ پر بھی تو شہا ہو
حسرتِ دلِ درویش کو ہے ایک نظر کی — اس چشمِ سیہ مست سے گر دیکھ لے کیا ہو
ہے چاند کو دعویٰ کہ وہ ہم شکل ہے تیرا — منہ اپنا دکھا دے کہ وہ انگشت نما ہو
اے سروِ رواں بزم میں آجائے جو اک دم — ہر جامۂ صد چاک نیا بن کے قبا ہو
شمع و گل و پروانہ و بلبل ہیں سبھی جمع — تنہائی پہ اب تو مری دل نرم ذرا ہو!
دل باختوں پر جور و جفا تا کجے آخر — آہنگِ وفا، ترکِ جفا، بہرِ خدا ہو !
مت سن تو کسی دشمنِ بدگو کی خدارا — کر حافظِ مسکین سے اپنے جو وفا ہو

اے روئے ماہ منظر تو نو بہارِ حسن

صورت یہ چاند سی تری اے نو بہارِ حسن — یہ خط و خال مرکزِ لطف و مدارِ حسن
ہے چشمِ پُرخمار کہ جادو بھرے ہوئے — ہے زلف در فرار کہ ثابت قرارِ حسن
خوبی کے آسمان پہ چمکا تھا کب یہ چاند — اِس قد سا کب تھا سروِ لبِ جویبارِ حسن
شیریں تری ملاحتوں سے عہدِ دلبری — فرخندہ اِن لطافتوں سے روزگارِ حسن
اس دامِ زلف و دانۂ مشکیں سے دہر میں — ایک مرغِ دل نہیں نہ ہوا جو شکارِ حسن
ہونٹوں پہ تیرے کیوں نہ بنفشہ ہو تازہ تر — آبِ حیات پیتی ہے بر جویبارِ حسن
حافظ بھی ڈھونڈھ ہارا نہ پائی نظیرِ دوست — دیّار اور کون ہے تجھ میں دیارِ حسن ؟

اے لبت آبحیات و اے قدت سرو چمن

لب ترے آبحیات اور قد ترا سرو چمن
رُخ ترا خورشید خال و خط ترا مشکِ ختن

مثل ابرو دیکھا کن آنکھوں نے کس دن ماہ کو
لعل لب سا بھی عقیق اب تک پایا در یمن

رشتۂ جاں ہی کسی کا یا سر مو ہے ترا
درج گوہر ہی دہن دنداں ہیں یا دُرِّ عدن

ایک بوسہ پر بگڑ کر ہونٹ دونوں مت چبا
زخم پر چرکا نہ دے جانِ حزیں کو جانِ من

گُل نے گلشن میں تھا دیکھا رُخ ترا سرو رواں
چاک کرتے ہیں ہی ابتک شرم سے گُل پیرہن

تیری ہی صورت کا دیوانہ ہوں اے رہ دلنشیں
جانتے ہیں آشکارا اس کو یہاں سب مرد و زن

تیری اُلفت میں مُوا حافظ تو خوں تجھ پر ہوا
لے نہ تجھ سے اس کا بدلہ روزِ محشر ذوالمنن!

بالا بلند عشوہ گر سرو ناز من

کیا کہیے اُس شریر قدِ سرو ناز کو
کوتہ ہی کر گیا مرے زُہد دراز کو

کیا کی فضیحت آہ یہ پیری و علم و زہد!
دیکھا بھی میرے دیدۂ معشوق باز کو؟

اس آب دیدہ نے بھی لگائی ہی ایک آگ
آفاق بھر میں فاش کیا میرے راز کو

ایمان کی بھی خیر نہیں آتی اب نظر
محراب ابروسے وہ زلل ہیں نماز کو

وہ مست ہی کہ یاد بھی احباب کی نہیں
یادش بخیر! ساقی مسکیں نواز کو

یارب وہ کب چلیگی ہوا جسکی بوئے خوش
جنبش میں لائے اُس کرم کارساز کو؟

خنداں ہوں عینِ گریہ میں خود میں ہی مثلِ شمع
اُس سنگدل میں کیا ہوا اثر سوز و ساز کو

ثابت نشانِ گریہ ہیں ابتک تو نقش آب
کب دیکھیں دیں لباسِ حقیقت مجاز کو

محمود۔ پورا ہونے لگا جب ایاغِ عمر
میرا ایاز! کہتا سدھارا ایاز کو

زاہد تری نمازوں سے نکلا نہ کوئی کام
لا کام میری مستی و سوز و نیاز کو

حافظ کو غم نے کھا لیا دے کوئی اطلاع
اُس شاہِ دوست پرورِ دشمن گداز کو!

بہارِ گُل طرب انگیز گشت و توبہ شکن

بہار ہے طرب انگیز اور توبہ شکن
مٹائیں سیر سے گلشن کی خارِ غم کی چبھن

دمِ نسیم سے کیا کھِل کھلاتی ہیں کلیاں
ہوئی ہیں جامہ سے باہر ہی پھاڑ پیراہن

صبا کی شوخی نے گوندھے ہیں گردِ گُل پھندنے
شکنجِ گیسوئے سنبل ہیں زیبِ روئے سمن

عروسِ غنچہ لدی زیوروں میں اترائے
تو ہوشِ عقل ہیں پرّاں بوجہِ احسن

پکار بلبلِ شوریدہ کی نفیرِ ہزار
یہ وصلِ گُل کے لئے زور شورِ قلبِ حزن؟

طریقِ صدق کا لے آبِ آبجو سے سبق
سکھائے راستی آزادگیِ سروِ چمن

غمِ زمانہ نہ دے۔ لے جام ہاتھ میں حافظ
بقولِ مُطرب و فتوئے پیرِ صاحبِ فن!

بفگن بر صفِ زنداں نظرے بہتر ازیں

ڈال پھر کے سوئے رنداں نظر ایک بہتر ازیں
جانبِ میکدہ فرما گزر ایک بہتر ازیں

لطف سب خوب ہیں حق میں مرے ان ہونٹوں کے
مدعا اور ہے دل کا مگر ایک بہتر ازیں

غور سے جس کے گرہ کارِ جہاں کی کھُل جائے
پھر وہ فرمائے دوبارا نظر ایک بہتر ازیں

دل نہ کیوں روئے دلآرا یہ ہو غش کب دیکھا
پہلوئے دہر سے پیدا بسر ایک بہتر ازیں

ناصح کہتا ہے کہ جز غم ہی صفت عشق میں کیا!
تُو ہی بتلا دے نہ اچھا ہنر ایک بہتر ازیں

مان اے دل۔ جو کہوں، تھام قدح چوم لے جام،
دے سکے اور صلاح کیا بشر ایک بہتر ازیں
کلکِ حافظ ہے عجب شاخِ نباتِ شکّر
ہے کسی باغ میں میٹھا ثمر ایک بہتر ازیں؟

چو گل ہر دم بہ بویت جامہ بر تن

بنوں گُل ہو وہ نکہت جامہ، تن
کروں ٹکڑے گریباں تا بہ دامن
ترا تن دیکھ کے کپڑے کئے چاک
نہیں گُل مست ہے گویا بہ گلشن
وہ تن در جامہ گویا بادہ در جام
وہ دل سینے میں یا چاندی میں آہن
مجھے مشکل پچانا دل کا تجھ سے
تجھے کیا چیز لینا دل کا پُر فن
بقولِ دشمناں برگشتہ ہم سے؟
ارے دیکھا کہیں بھی دوست دشمن؟
چمک بھی اشکباری میں دکھا چشم
یہ سوزِ دل ہو لوگوں پر بھی روشن
نہ جا۔ سینے سے یہاں آہِ جگر سوز
نکل جائے نہ چھت میں کر کے روزن
نہ یوں سیپارہ دل رد نہ ظالم
ہے اِن کا سب سے اونچا سر پہ مسکن
دلِ حافظ ہے اٹکا اُس کے اندر
نہ سر سے پاؤں تک ہو زلف اُفگن

چندانکہ گفتم غم با طبیباں

احوال سُن سُن کھسکیں طبیباں
دیکھے نہ کوئی نبضِ غریباں
کہہ ڈالا اُس سے حال نہاں بھی
کہہ ڈالیں جیسے بیش طبیباں
ہاتھوں میں ہر دم کانٹا لیے ہے
صد شرم اے گُل از عندلیباں
درجِ محبت کی مُہر گم ہے
ہے ہے نہ ہو یہ کامِ رقیباں!

اے منعم آخر بر خوانِ نعمت — محروم کب تک ہم بے نصیباں؟
حافظ نہ ہوتا رسوائے عالم — سنتا اگر تو پندِ ادیباں

چوں شوم خاک رہش دامن بیفشاند زمن

بن جاؤں گر خاکِ گزر، دامن جھٹک کر ہو رواں — چاہوں اگر دیکھے ادھر اکدم چمک کر ہو رواں
منہ گر ہوں روں شمع ساں نہیں دے مجھ پر مثل صبح — رنجیدہ خاطر ہوں اگر بن کے رنگ کر ہو رواں
رخسار رنگیں تر زگل، ہر ایک کو دکھلاتا پھرے — کہدوں جو لازم ہے حیا منہ مجھ سے ڈھک کر ہو رواں
پیاسا وہ میرے خون کا میں تشنہ لب، دیکھیے — چھینوں میں بوسہ یا چھنے مجھ سے کھٹک کر ہو رواں
آنکھوں کو دی دل نے صلاح جی بھر کے اکدم دیکھ لو — بولیں ابھی ایک جوئے خوں ٹپ ٹپ ٹپک کر ہو رواں
فرہاد ہوں افسوس کیا تلخی سے گر میں جان دوں — شیریں قصص رہ جائیں یہاں شیریں شکر ہو رواں
حافظ سبق یہ عشق کے تجھ سے رہیں گے یادگار — گایا کریں گی بلبلیں اب تو چہک کر ہو رواں

خوشتر از فکر مے و جام چہ خواہد بودن

خوشتر اس فکرِ مے و جام سے کچھ اور بھی ہے؟ — بے خبر کر دے جو انجام سے کچھ اور بھی ہے؟
مے پئیں، کھائیں نہ غم، پندِ مقلد نہ سنیں — پوچھ تو اس سخنِ عام سے کچھ اور بھی ہے؟
غمِ دل کھانے ہی میں ختم پہ پہونچے ایام — ہو سکے فارغِ غم و ایام سے کچھ اور بھی ہے؟
مرغِ کم حوصلہ جا۔ دام کجا۔ رسم کجا! — تو نے جانا کہ غرض دام سے کچھ اور بھی ہے؟
پیرِ مےخانہ نے کل خوب نغمے میں کہا — پڑھ کے زرِ جام خطِ جام سے کچھ اور بھی ہے"
ہو پسینے کی کمائی تو کسی کام پہ صرف — ہے یہی جبکہ نہ ہو کام سے کچھ اور بھی ہے؟

دلِ حافظ بدف و چنگ و غزل بہلایا — جز سزا کیا مرے انعام سے کچھ اور بھی ہے؟

خدارا کم نشیں با خرقہ پوشاں!

چھٹیں للہ! یہ تجھ سے خرقہ پوشاں — ملیں رندانِ بے ساماں ۔ ہو کوشاں
بسی ان خرقوں میں بدبو ہے، ان سے — بسا خوشتر قبائے میفروشاں
تو نازک طبع ۔ تاب اس کی کہاں ہو — کہ جھیلے زورِ منتِ دلق پوشاں
کہاں کا درد ان صوفی وشوں میں — صفا تر ان سے دُردِ بادہ نوشاں
فریبوں سے ہو ان سالوسیوں کے — صراحی خوں بلب ۔ بربط خروشاں
بنا کر مست پھر مستور کیوں ہے؟ — نہ دے کر نوش ہو پھر زہر نوشاں
لبِ میگوں وچشمِ مست دِکھلا — تمنا میں مے علیں ہے جوشاں

حذر حافظ کی طبع گرم سے کر
ہے سینہ اُس کا مثلِ دیگ جوشاں

دو یار ہمدم واز بادۂ کہن دو من

دو یار ہم نشیں، اور بادۂ کہن، دو مَن — فراغت اور کتاب اور کوئی کنجِ چمن
یہ ہاتھ آئیں تو دنیا و عاقبت کو نہ دوں — زمانہ بھر مرے سر پر کیا کرے جھن جھن
بکے جو کنجِ قناعت یہ گنجِ دُنیا کو — فروختِ یوسفِ مصری ہو بے بہا دُشمن
خموش گوشے میں بیٹھا ہوا تماشہ کر — حوادثاتِ زماں با نباتِ قند دہن
بیانِ واقعۂ شرحِ غم شراب سے ہو — نہ ہو بھروسہ کسی پہ دریں زمان و زمن

ان آندھیوں میں حوادث کی کیا نظر آئے
گلاب و گل کہ سمن کیا کھلاتا ہے گلشن

یہ سطحِ آئینہ پر طرفہ نقش بندیِ غیب
کبھی زمانہ میں دیکھے نہ تھے یہ شور و فتن

چلے وہ صحنِ چمن میں سموم کے جھکڑ
نہ رنگِ گل رہا باقی یہاں نہ بوئے سمن

نگار اپنا کمینوں کے ہاتھ میں ہیہات!
یہی حقوق کا میرے صلہ تھا چرخِ کہن؟

نہ بیقرار ہوا ہے دل خدانخواستہ کیوں
ہوا ہرمن کی انگوٹھی میں وہ نگینِ یمن

نہ فرق لائیں گے رفتارِ کارخانہ میں
تمہارا اتقویٰ نہ میرے گناہ مشفقِ من

مزاجِ دہر ہے ناساز اس ہوا میں بلائیں
حکیم دانا کوئی، بیدوائے صاحب فن

پڑیں قلاوے وہاں گردنِ سگاں میں عجب!
گلے میں ڈالے نہ حافظ کے کوئی بٹ کے رسن؟

دانی کہ چیست دولت دیدار یار دیدن

دولت ہے کیا۔ وہ ہم کو دیدارِ یار دیدیں
ہم لیں گدائی تاجِ شاہی اتار دیدیں

دل تنگ کیوں ہوں گلشن میں، ہنس کے مثلِ غنچہ
پیراہنِ آبرو کو کر تار تار دیدیں

بادِ صبا سے جھک کر کچھ گوشِ گل میں کہہ دیں
بلبل سے رازِ الفت سن اشتہار دیدیں

آخر ملول ہوں وہ دانتوں سے ہاتھ کاٹیں
لب تک جو ہونٹ لا کر بوسہ نہ یار دیدیں

ملنا یہ صد غنیمت! پھر یہ دور راہِ منزل
ہرگز نہیں ملائے گو جانِ زار دیدیں.

جاں سے تو ہاتھ دھونا آساں ہو یار ولیکن
استغفا دوستوں کو کس طرح یار دیدیں

شاید بھلا ہی بیٹھا حافظ کو شاہِ منصور
یا و گدا پھر اُس کو پروردگار دیدیں!

دلم را در سرِ زلف تو مسکن!

مرے دل کا ہے تیری زلف مسکن — نہ موڑ اُس کو نہ بیچی چھوڑ پُرفن
جو دل پچلے زمیں پہ ہمرہِ زلف — سنبھالے پاؤں کی کرفے نہ روندن
اندھیرے میں جو تو اے شمع آ جائے — معاً ہو جائیں دونوں دیدے روشن
ارم درکار کیا ہے تیرے ہوتے — جدھر دیکھو اُدھر گلشن ہی گلشن
نہ وصفِ سرو قد سے بیٹھوں خاموش — ہمہ تن گر زباں میں بھی ہوں سوسن
نہ جھکے مورچھل کی جھپکیوں سے — مگس بیٹھے پہ اُڑ کر جائے فوراً
نہ موڑے پھر سے مُنہ ذرّہ ہرگز — ذرا جھانکے تو پھر از راہِ روزن
بجز حافظ کے لطفِ عشق بازی — کہے گا کون یوں بر وجہ احسن!

دلبر جاناں من بُرد دل و جان من

دلبر جاناں مرے۔ لیجا دل و جاں مرے — لیجا دل و جاں مرے دلبر جاناں مرے
اے لب جاناں مرے جانِ تن و قوتِ دل — جان تن و قوتِ دل اے لب جاناں مرے
روضۂ رضواں مرے ہیں در و دیوارِ دوست — ہیں در و دیوارِ دوست روضۂ رضواں مرے
دیدۂ حیراں مرے والہ و شیدا ترے — والہ و شیدا ترے دیدۂ حیراں مرے
یوسفِ کنعاں مرے مصرِ ملاحت ہے تُو — مصرِ ملاحت ہے تو یوسفِ کنعاں مرے
سرو گلستاں مرے قد و رُخِ دلستاں — قد و رخِ دلستاں سرو گلستاں مرے

حافظِ خوش خواں مرے جانِ کمالِ غیاث — جانِ کمالِ غیاث حافظِ خوش خواں مرے

ز در در آ و شبستانِ ما منوّر کُن !

اُٹھا دے برقعِ شبستانِ دل منوّر ہو — دماغِ مجلسِ روحانیاں مُعطّر ہو
ہاں بہ کیے دل و جاں تمکو چشم و ابروئے یار — اب ان میں وہ کے تماشائے باغ و منظر ہو
یہ حسن و لطف دتما اِل عطا جو تجھ کو ہوئے — ہماری بزم میں لا شمع پہ بھی افسر ہو
نسیمِ خلد ہماری ہی خاکِ مجلس کا — لے ایک شمّہ کہ اُس کا وہ عودِ مجمر ہو
طمع نہیں ہمیں نقدِ وصال کی تیرے — عطا ہمیں تو ذرا سی وہ لالِ شکّر ہو
ہیں شاہدانِ چمن جملہ زیردست نہ کیوں — سمن کے دُھترے اُڑیں نازِ برِ صنوبر ہو
گھٹا دمِ انجمِ ہجراں کی ٹمٹماہٹ سے — وہ شمع دیکھئے کب بام سے اُجاگر ہو
دکھا کرشمہ کہ دیقِ ریا سے دل عاری — چھلانگ مار کے صوفی منش قلندر ہو!
فضول طولِ حکایت کو دیتے ہیں ساقی — تو اپنے کام سے رکھ کام۔ مے ہو، ساغر ہو
مگر پیالہ دے جھلا کے مے پرستوں کو — کہ اس عمل سے مشامِ عقل کا معطّر ہو
جمال ہو نہ ہجومِ شعاع میں ادراک — مگر یہ خیمۂ خورشید تو منوّر ہو
پس از ملازمتِ عیش و عشقِ مہر دیاں — رہے یہ شغل کہ دیوانِ حافظ از بر ہو

شاہِ شمشاد قداں خسرِو شیریں دہناں

شاہِ شمشاد قداں خسرِو شیریں دہناں — نوکِ مژگاں سے اُلٹ دے جو دلِ صف شکناں
دامنِ دوست پکڑ۔ چھوڑ دے دنبالۂ غیر — مردِ یزداں ہو کہ پھٹکیں نہ قریب اہرمناں

مست درویش کے نزدیک سے کہتا گزرا
دیکھ اے چشم و چراغ ہمہ شیریں سخناں

سیم و زر سے تہی کیسہ ترا آخر کب تک
مان جا۔ لوٹ بہار دم سیم تناں

دل دِکھا۔ مہر کا طالب ہو، کم از ذرّہ نہیں
اُٹھ کے تا خلوتِ خورشید بھو نچ چرخ زناں

رکھ پُر از بادہ قدح تکیہ بر ایام نہ کر
رات دن زہرہ جبیناں ہوں تو نازک بدناں"

پیرِ پیمانہ کش اپنا کہ بزرگ باش رہے!
کر گیا منع نہ رکھ صحبتِ پیماں شکناں

چمنِ لالہ میں کل بادِ سحر سے پوچھا
کہہ تو کس کے ہیں شہید آہ یہ خونیں کفناں؟

بولی حافظ نہیں اِس سرّ سے سروکار ہمیں
کچھ مئے لعل ہو اور قصۂ سیمیں ذقناں

شرابِ لعل کش و روئے مہ جبیناں بیں

شرابِ لعل پی اور روئے مہ جبیناں دیکھ
بکا کرے کوئی، تو جانبِ حسیناں دیکھ!

چھپی ہیں زیرِ مرقع کمند ہائے دراز
بڑھائیں ہاتھ یہ جب کوتہ آستیناں دیکھ

نہ دولتِ دو جہاں کے لئے جھکیں ہرگز
غرور دکبرِ گدایانِ خوشہ چیناں دیکھ

کسی سے نام نہ عہدِ وفا کا آہ سنا
وفائے صحبتِ یارانِ ہمنشیناں دیکھ

اسیرِ عشق ہو تدبیرِ مخلصی یہ ہے
مآلِ عاقبت اندیش پیش بیناں دیکھ

غبارِ خاطرِ حافظ مٹا دے صیقلِ عشق
صفائے نیت پاکانِ پاک بیناں دیکھ!

صبحت ساقیا قدحے پُر شراب کن

ساقی سحر ہے اُٹھ کے قدح پُر شراب ہو
دَورِ فلک کو تاب نہیں ہے شتاب ہو

ہو جاؤں پہلے بادۂ گلگوں سے میں خراب
پھر چاہے جب یہ عالمِ فانی خراب ہو

خورشیدِ مے کا مشرقِ ساغر سے ہی طلوع
ہو عیش کا خیال تو بس ترکِ خواب ہو
کوزے ہماری خاک کے ڈھالینگے دورِ چرخ
پھر ایک دن یہ کاسۂ سر پُر شراب ہو
کیا جانیں زہد و توبہ و طامات ہم غریب
ہم سے تو جام و بادہ سے صاحب خطاب ہو
دیدے کھُلے نہیں ہیں قدح میں حباب ہیں
بُنیاد کارخانہ بھی شاید برآب ہو
ایامِ گُل ہیں عمر کی مانند تیز رو
ساقی کا دورِ بادۂ گلگوں شتاب ہو
حافظ نہ ملنے بادہ پرستی کو گر صواب
تو اُٹھ کے جلد عازمِ کارِ ثواب ہو

فاتحہ، چو آمدی بر سرِ خستہ بخواں

ڈھیر پہ گُشتے کے ہے تُو فاتحہ پڑھ لے یار یہاں
ہونٹ ہلا یہ لعلِ لب مُردے میں ڈالدیں گے جاں
بہرِ عیادت آیا تھا جاتا ہے پڑھ کے فاتحہ
دم ہی نہیں کہ روح بھی ساتھ کو ساتھ ہو رواں
دیکھ طبیبِ خستگاں میرے زبان و چہرہ کو
سانس یہ اور مُنہ کی بھاپ آتشِ دل کا ہے دھواں
آبِ دو دیدہ سے دے ایک چھینٹا مرے بخار کو
دیکھ تو نبض میں کہیں زندگی کا بھی ہے نشاں؟
گرمیِ مہر استخواں سوختہ کر گئی مرے
سردیِ مہر سے بھی تو سرد پڑی ہیں ہڈیاں
حال مرا کہ خال ہے آتشِ رخ پہ در سکوں
جسم علیلِ چشمِ یار، زار و نزار و ناتواں
دے جو مدام شیشہ دہ بادۂ لعل سے بھرا
پیشِ طبیب بار بار جائیں کیوں میری شیشیاں
شربت و آبِ زندگی شعر ہیں تیرے حافظا
طاق پہ رکھ طبیب کو اپنا علاج کر میاں!

کرشمہ کُن و بازارِ ساحری بشکن

دکھا کرشمہ کہ بازارِ ساحری ٹوٹے
ادا سے رونقِ بازارِ سامری ٹوٹے

رہے خبر سرِ دستار کی نہ عالم کو — کُلاہ گوشہ جو بر طرزِ دلبری ٹوٹے
سنوار زلف کو آئینِ سرکشی چھوڑیں — لگا وہ طرّہ کہ قلبِ ستمگری ٹوٹے
وہ کر خرام کہ سب مات ہو کے رہ جائیں — غرورِ حُور و پرِ نخوتِ پری ٹوٹے
ہوا میں آئے جو خوشبوئے کاکلِ سنبل — در اُس کی کھولدے ایک زلفِ عنبری ٹوٹے
یہ مرگ نین کریں شیرِ آفتاب کو صید — خمیدہ ابروؤں سے قوسِ مشتری ٹوٹے
ہے عندلیبِ فصاحت بنا ہُوا حافظ — ذری تو بول دے زعمِ سخنوری ٹوٹے

گلبرگ را ز سنبلِ مشکیں نقاب کُن

گلبرگِ تر پہ سُنبلِ مشکیں نقاب ہو — تُو مُنہ چھپا۔ بلا سے جو دُنیا خراب ہو
عشوہ دکھادے نرگسِ مستِ خراب کا — جل کر حسد سے نرگسِ رعنا کباب ہو
بوئے بنفشہ سونگھ کے زلفوں کو چھیڑیے — لالہ کا رنگ دیکھ کے دَورِ شراب ہو
رُخسار پر عرق ہو تو صحنِ چمن تمام — ایک ڈُبڈُبایا شیشۂ رنگِ گلاب ہو
عادت ہوا اور رسم ہو عاشق کُشی تری — ق — پھر کیوں نہ دشنہ دل کے لہو سے خضاب ہو
بخت اپنے اور خُو تری خوب آزمائے ہیں — اوروں کے ساتھ میکشی ہم پر عتاب ہو
حافظ وصال مانگ اُٹھا کر دعا کے ہاتھ — یارب دعائے خستہ دلاں مستجاب ہو

ما سرخوشیم بادۂ ما در پیالہ کُن

سرخوش ہیں ہم ہمیں تو عطا ایک پیالہ ہو — بدمست ہوں تو غمزۂ ساقی حوالہ ہو
جب آفتاب بادہ ڈھلے ماہِ جام میں — دِن پر نقابِ سنبلِ شبگوں نے ڈالا ہو

اے پیرِ خانقاہ کبھی میکدے میں بھی
ایک شوب لے کے توبہ ہفتاد سالہ ہو

لے تیغ دیکھ شمع ہے مجلس میں زار زار
بسمل ہیں ہم ترا ابھی رواں آہ و نالہ ہو

حافظ جو دخترِ رز ہو یہ راضی نکاح پر
دونوں جہان مہر میں درجِ قبالہ ہو!

مرغِ دلم طایریست قدسی عرش آشیاں

دل ہے ہمارا طایرِ قدسی عرش آشیاں
تن کے قفس سے دل ملول سیرِ طبیعت از جہاں

چھوڑ کے خاکدان یہ طایرِ قدس جب اُڑے
پھر وہی ہو نشیمن اور پھر وہی شاخِ آشیاں

سایہ فگن ہما ہو پھر عالمِ بد نصیب پر
گر وہ بلند آشیاں جھاڑ دے بال و پر یہاں

تول کے پر اُڑے تو ہو شاخ پہ سدرہ کی مقیم
اڈّہ ہے اُس عقاب کا تمسۂ عرش آسماں

جائے نہ معدن اور نہ کان گھر ہی کوئی نہ کچھ مکاں
جائے وَرائے دو جہاں، کان و مکان، لا مکاں

عالمِ علوی جلوہ گہہ مرغِ ہمائے دل کی ہے
دانہ و آب دیتے ہیں خُلد و ارم کے باغباں

وحدت اگر بسائے تو تفرقہ چھوڑ حافظا
ایک ہوں سب نگاہ میں وحش و طیور انس و جاں

منم کہ شہرۂ شہرم بعشق ورزیدن

میں ہی ہوں شہرۂ آفاق عشق ورزی میں
میں ہی ہوں بد سے نظر پاک جس کی پتلی میں

وفا دکھائیں، ملامت اُٹھائیں شاد رہیں
ہے کفر دین میں اپنے کہ میل ہو جی میں

ڈبونا چاہتا ہوں نقشِ خود پرستی کو
بہا کے نفس کو بے طرح مے کی ندی میں

کہا جو پیرِ مغاں سے کدھر ہے راہِ نجات؟
اُٹھا کے جام دکھایا کہ مے پرستی میں

چلو بھی میکدے۔ واجب بھی تو نہیں سننا
نہ وعظِ بے عملاں کچھ جگہ کرے جی میں

بدستِ مردمِ چشم اس کے رخ سے گل چینی — ہے اور کام ہی کیا سیرِ باغِ ہستی میں
ہو دل ہی بستۂ الطافِ زلف۔ اُدھر سے کشش — نہیں تو فائدہ کیا ہے فضول کوشی میں
سبق لے مہر، خطِ خوب روئے جاناں سے — ہے گردِ عارضِ محبوب عیش گردی میں
نہ چوم جز لبِ معشوق و جامِ مے حافظ — خطا ہے زہد فروشوں کی دست بوسی میں

میسوزم از فراقت روا از جفا بگرداں

جاتی ہی ہجر میں جاں۔ للہ جفا کو چھوڑے — ہجراں بلا ہے میری، ہے ہے بلا کو چھوڑے
اے سبزۂ فلک پر نکلا تو رخش پر آ — ایک ایڑ دے کہ غش ہو بدر اس ادا کو چھوڑے
یغمائے عقل و دیں کو مستِ خرام آجا — کج گوشہ کلہ ہو نیچا قبا کو چھوڑے
سنبل کی ضد پہ گھنگرو کاکل میں ہوں تو خوشبو — گردِ چمن پھرا کر گرہ صبا کو چھوڑے
دیدہ فروزِ مستاں ہے عینِ انتظاری — نے لے کے دورِ ساغر دے رقص پا کو چھوڑے
خطِ عارضِ بتاں پہ لکھ دے زمانہ یارب — بندہ پہ مشقِ تحریر بدنما کو چھوڑے
لکھی جو خوبرویوں سے تھی وہ بلائی حافظ — حکمِ قضا کو بدلے تب تو رضا کو چھوڑے

نکتۂ دلکش بگویم خالِ آں مہ رو ببیں

نکتۂ دلکش تو سن! خالِ رخِ مہرو تو دیکھ! — عقل و دیں دونوں بندھے ہیں حلقۂ گیسو تو دیکھ
دل کو سمجھایا کہ کیا وحشت ہے ہرجائی نہ بن — بولا آنکھیں نیم مست اور ان میں وہ آہو تو دیکھ
دیکھ کر پوجیں اُسی کو بندگانِ آفتاب — اے نصیحت گر خدارا۔ رُو تو دیکھ ابرو تو دیکھ
سہم مژگاں سے ہیں لرزاں جملہ دست و پائے مہر — خونِ جگر نافوں کے ہیں۔ وہ زلفِ عنبر بو تو دیکھ

حلقۂ زلف ایک تماشا گر ہؤا نے کر دیے
گیسے گیسے مَن چلے بستہ ہیں تارِ مُو تو دیکھ!

پھانسی گردنِ صبا کی بھی ہے زلف دل پسند
یہ ہوا داروں پہ ظلم کا فسِ ہندو تو دیکھ

جستجو میں جس کی میں خود عقل سے بیگانہ ہوں
اُس کا ثانی بھی نہ پائے پھر کے تو ہر سُو تو دیکھ

منہ نہ پھیرا اے آسماں عزمِ شہِ منصور سے
برقِ شمشیر اُس کی کھا کر قوتِ بازو تو دیکھ

ہیں روا حافظ کو سجدے اُس خمِ محراب میں
اے نصیحت گر خدارا دیکھ، وہ ابرو تو دیکھ

یارب آں آہوئے مشکین ختن باز رساں

ہائے وہ آہوئے مشکینِ ختن پھر آئے!
وہ سہی سرو پئے سیرِ چمن پھر آئے!

بہرِ تسکینِ دلِ غمزدہ ایک بھیجے نسیم
تا کہ وہ جاں جو گئی چھوڑ کے تن پھر آئے

ماہ و خورشید کو لے آتا ہے واپس تُو ہی
یارِ مَہ رُو بھی مرا خالقِ مَن پھر آئے

زندہ رہنا نہیں بس بات یہی اُس کے بغیر!
نامہ بر پہلے یہ پہونچائے سخن پھر آئے

پہلے مذکور مرا پیکِ ہمایوں دولت
پیشِ عنقا سخنِ زاغ و زغن پھر آئے

اثرِ گریہ سے ہوں لعل تو کنکر پتھر
گھر نہ ایک گوہرِ رخشانِ یمن پھر آئے

ہے وطن جس کا دل و دیدۂ حافظ یارب
بامُراد اپنے سفر سے وہ وطن پھر آئے

اے آفتاب آئینہ دارِ جمالِ تو

خورشید تیرا آئینہ دارِ جمال ہو
مشکِ سیاہ سوختہ اسپندِ خال ہو

تجھ سی نہ شکل بن سکے آمادہ گرچہ خود
طغرا نویس ابروئے مشکیں مثال ہو

حلقہ بگوش تا بفلک ہو۔ اگر ادھر
جھکتی سی کچھ وہ ابروئے رشکِ ہلال ہو

نازونعم کے اوج پہ ہے بادشاہِ حسن
اس آفتاب کو نہ الٰہی زوال ہو

استادہ پیشِ تخت ہوں میں تہنیت کناں
جلدی کوئی تعینِ جشنِ وصال ہو

آئی لپٹ گلوں کی لپٹ جا گلے سے آ
اپنی بہار وہ لبِ فرخندہ فال ہو

مسکینِ دل کی خیر ہو! اس چینِ زلف سے
آئے صبا پلٹ کے تو آشفتہ حال ہو

کتنا ہی صحنِ دیدہ کو دھویا کرے کوئی
گھر بھی تو اس کے درخورِ خیلِ خیال ہو

کہہ خدمت وزیر میں کیا پہلے عرض ہو؟
اس دل کا شوق یا تری وجہِ ملال ہو؟

حافظ کمندِ زلف میں سرسرکشوں کے ہیں
سودائے کج پکانے کی کس کو مجال ہو!

اے پیکِ راستاں خبرِ از سرودِما بگو

اس سرو کی سناؤ اے پیکانِ راستگو
مژدہ دو گل کا بلبلِ بستاں سرائے کو!

جو محرمانِ خلوتِ خاص ان سے پردہ کیا
ہم آشناؤں سے خبرِ آشنا کہو

اس محتشم کے خط کو سُنے یہ فقیر بھی
دو کچھ گدا کو بھی خبرِ شاہ دوستو

جب زلفِ مشکبار وہ ہوتی تھی پُرشکن
کہنا خیال اس کے جو ہم سے تھے موبمو؟

جب اس نے گرد جھاڑی تھی دامانِ طرہ سے
گزری جو دلِ غریب پہ آخر سنیں تو وہ؟

جاؤ جو پھر کے تم درِ دولت سرائے پر
بعد از ادائے خدمتِ آداب عرض ہو

در راہِ عشق فرقِ غنی و فقیر کیا
گر بادشاہِ حسن گدا سے بھی گفتگو

کہتے تو ہو کہ خاکِ درِ دوست توتیا
دیکھو ملا کے آنکھ ہماری طرف بھی تو

شاہانہ بخش دیجو خطائیں فقیر کی
بڑ ہیں مگر بدوں میں نہ ہم کو گھسیٹیو!

مرغِ چمن تھا گریہ پہ کل میری زار زار
کیا وجہ تھی صبا ہمیں معلوم کچھ تو ہو؟

کب تک بسوہیں صوفی کے دل سے کھلاڑیاں — چھلکے گی کب قدح میں بتاؤ تو ساقیو؟
اے وہ جو ہم کو منع خرابات سے کریں — جا کر ہمارے شیخ سے یہ گفتگو کرو
بس جانفزا ہے قصۂ اربابِ معرفت — اک شمّہ بھی کہوں تو بڑی داستاں ہو
حافظ گر اس کی بزم میں تجھ کو بھی بار ہو — مَے بیجو از برائے خدا زرق چھوڑ دو

اے خونبہائے نافۂ چیں گردِ راہ تو

قدموں کی تیرے نافۂ چیں خاکِ راہ ہو — خورشید سایہ پرورِ طرفِ کلاہ ہو
حد سے بڑھی ہیں شوخیاں نرگس کی دیکھ لے — تجھ پر یہ جاں نثار اے چشمِ سیاہ ہو
کر دے مجھے حلال بنا کر دیکھیں یہ جمال — کب اُن سے پھر رقم کوئی تیرا گناہ ہو
آرام و خوابِ خلقِ جہاں کا سبب ہو تو — کیوں چشم و دل مرا نہ تری تکیہ گاہ ہو
کیوں دن میں تارے گننے کی نوبت نہ ہو مجھے — او جھل نظر سے گر وہ رخِ رشکِ ماہ ہو
یارانِ ہم نشین ہوئے ایک ایک جدا تمام — اب میں ہوں اور وہ درِ دولت پناہ ہو
کل روزِ حشر پیش ہوں سب کے حساب جب — میری طرف بھی تھوڑی سی تیری نگاہ ہو
مایوس ہو کرم سے نہ حافظ کہ آخرش — سوزندہ سازِ غم کا یہی دودِ آہ ہو

اے قبائے بادشاہی راست بر بالائے تو

زیب دہِ پوشاکِ شاہی کو قدِ بالا ترا — زینتِ تاج و نگیں ہے گوہرِ والا ترا
آفتابِ صبح ہر دم جس سے ہوتے ہیں طلوع — ہے تری طرفِ کُلہ رخسارِ مہ سیما ترا
جلوہ گاہِ طائرِ اقبال بن جائے جہاں — ڈال دے سایہ ہمائے چترِ گردوں سا ترا

ہوں ہم شرعِ وحکمت میں ہزاروں اختلاف
چوک جائے نکتہ کیا ممکن دلِ دانا ترا

ٹپکے منقارِ بلاغت سے نہ کیوں آبِ حیات
طوطیٔ شیریں سخن ہے کلکِ شکر خا ترا

ہے یہ خورشیدِ فلک چشم و چراغِ گل دیے
اُس کی آنکھوں کا بھی سُرمہ ہے غبارِ پا ترا

وہ جسے مانگے سکندر اور نہیں دے روزگار
تھا وہ ایک چلّو زلالِ جام روح افزا ترا

عرضِ حاجت کی در حضرت پہ کیا حاجت مجھے
علم جز و کل سے روشن قلب ہے شاہا ترا

خسروا حافظ کے پیری میں جوانی کے مزے
اُن کا باعث ہے فقط عفوِ گنہ فرسا ترا

اے درچمنِ خوبی رویت چو گلِ خود رو!

اے در چمنِ خوبی ہم رنگِ گلِ خود رو
چینِ شکنِ کاکُل یا نافۂ چینِ خوشبو!

رُخ مہ ہے کہ دن نکلا، ہے مُشک وہ مو یا شب؟
ہے سیم وہ تن یا عاج ہے سنگ وہ دل یا رُو؟

لعلوں میں دُرِ دنداں ہے خستہ لبِ پستہ
زلفوں نے خمِ چوگاں میں گھیر لیا دل کو

خوشبو ہے یہ زلفوں کی یا لخلخۂ عنبر
یا غالیہ سا گلشن میں خود گلِ خوبی وہ

کہتے ہیں کہ راز اپنا مت یار سے تو کہنا
اے کاش اِسی عنواں ہو رُوئے سخن مجھ کو

بد گو ہے محبت سے جو منع کرے تجھ کو
ہو یار اگر پَریا سُن مت سخنِ بد گو

مِل ہم سے بطن بہتر تا راز نہ کھل جائے
کچھ چوری نہیں اس میں۔ ہو دل شدوں کا دلجو

استادِ غزل سعدیؔ تسلیم ہر اک کو ہے
لیکن سخنِ حافظؔ ہے بر روشِ خواجو

بجانِ پیرِ خرابات و حقِ صحبتِ او

قسم ہے پیرِ مغاں کے حقوقِ صحبت کی
مدام دل سے لگی تو ہے اُس کی خدمت کی

دوام شعشۂ برقِ شراب تاباں باد — اِسی سے دل میں لگی آگ یہ محبت کی!
نہ دیکھ چشمِ حقارت سے رند کو زاہد — کہ نیکی اور بدی تابع ہے ایک نیّت کی
سر آستانۂ میخانہ پر دھرے ہے کوئی — پڑے نہ پاؤں۔ خبر کیا کسی کی نیّت کی
گناہگاروں کا مانا نہیں مقام بہشت — منگاؤ بادہ کہ اُمید ہے شفاعت کی
منگاؤ بادہ سُناتا تھا شب کو ہاتفِ غیب — نوید سب کو کسی کے عمومِ رحمت کی
صلاح و تقویٰ پہ ہرگز یہ دل نہیں مایل — دُھائی بادشہ ہی کے وزیرِ دولت کی
گرو ہی خرقۂ حافظ رہا۔ ازل میں گر — تھی خاک میکدہ ہی سے کسی نے طینت کی

تاب بنفشہ مید ہد طرۂ مشکسائے تو

دیکھ بنفشہ جل بھرے۔ طرۂ مشک سائے دوست — پردۂ غنچہ کھول دے خندۂ دلکشائے دوست
پھونک پھنکے تہک کے گل۔ بلبلِ زار کا نہ دل — بھرتی ہو دل سے رات بھر بیٹھی دُم علائے دوست
دشمن دوست کیا بتا جس سے ہو تیری کچھ غرض — جورِ جہاں اُٹھاؤں گا تا کہ ہو مدعائے دوست
خرقۂ زہد و جام سے، مجھ سے نہیں مناسبت — سانگ بھرے ہیں رام ہو تا دل ہو وفائے دوست
سانس ملائکہ کا پھانس جس کی تھا طبعِ ناز کو — قال و مقالِ دو جہاں سُنتا ہو اب برائے دوست
بہر مری سرشت اور دوست کا در مری بہشت — عشق ہی میری سرنوشت شاد ہوں در رضائے دوست
گدڑی میں مستِ عشق کی لعل چھپے ہیں دیکھنا — ہے وہ فقیر بادشاہ ہو جو یہاں گدائے دوست
دردِ فراق و سوزِ عشق بھاگتے ہی دکھائی دیں — ہاتھ لگے جو بہرِ سر سنگِ درِ سرائے دوست
شاہ نشینِ چشم ہے تکیہ گہِ خیالِ یار — سر بسجود ہی دعا دوست ہو اور یہ جائے دوست!
گل چمنِ عذار ہے رُخ نہیں تو بہار ہے — حافظِ خوش کلام ہے بلبلِ خوشنوائے دوست

خطِ عذارِ یار کہ بگرفت ماہ ازو

خطِ عذارِ یار سے گہنایا ماہ بھی! / کیونکر بدر رہو اس سے کوئی اِس کی راہ بھی؟

طاقِ مُرادماں ہے ابروئے یار کو / ماتھا رگڑ یہاں پہ، ہو کچھ عرض خواہ بھی

اے دُردِ نوشِ مجلسِ جم سینہ صاف رکھ / دھندلا کرے گی جامِ جہاں بیں کو آہ بھی

سُلطانِ غم کرے جو ستم کر سکے ہمیں / خمخانے میں ہے بادہ بھی غم سے پناہ بھی

پیروں کے ہتھکنڈوں کے ہیں مظلوم مے پرست / گمراہ ہے اِس دھوئیں میں یہ نامہ سیاہ بھی

ساقی! چراغِ مے سے بتا راہِ آفتاب / چُندھیا رہا ہے مشعلۂ صبحگاہ بھی

چھینٹا دے ایک نامۂ اعمال پر مرے / دُھل جائے جس سے نقطۂ حرفِ گناہ بھی

آخر اسی عمل سے تجھے اے گدائے شہر / آئے وہ دن کہ یاد کرے بادشاہ بھی

حافظ سے ٹھاٹھ مجلسِ عشاق کے ہیں ٹھیک / خالی رہے نہ اُس سے تری بزمگاہ بھی

گفتا بروں شدی بہ تماشائے ماہِ نَو

کہتا ہے۔ جائے دیکھنے باہر تُو ماہِ نَو؟ / شرم اِن ہلال ابروؤں سے آئے نہ چل، برو

آیا گیا نہ ہو دلِ یاراں کہاں تلک / کِن مدتوں سے ہے وہ پڑا زلف میں گرو

ہندوئے زلف سے نہ کر عطاریاں تُو عقل / وہ ایک ہزار نافوں کی قیمت دے نیم جَو

اِس کشت زارِ عشق میں تخمِ وفا وُ مہر / پھُولے پھلے گا آئے گا ایک موسمِ دِرَو

ساقی پلا دے بادہ کہ سب راز کھول دوں / کیا ہیں یہ اخترانِ کہن سال و ماہِ نو

شکلِ ہلال یاد دلاتی ہے ماہوار / تاجِ سیامک اور کبھی طرفِ کلاہِ زَو

حافظ ہے کوئے پیرِ مغاں مکتبِ وفا — یہ سیکھے یہاں سے درسِ وفا تازہ نو بہ نو

گلشنِ عیش می دمد ساقیِ گُل عذار کو

گلشنِ عیش پھولا ہے ساقیِ گلعذار ہو — بادِ بہار بھی چلی بادۂ خوشگوار ہو
ہر گُلِ نو سے گلرخ ایک۔ یا دِ چمن میں آئے ایک — گوشِ سخن شنو ہو یا دیدۂ اعتبار ہو
جلسۂ عیش میں مہک پائیں گُلِ مُراد کی — عطرِ دمِ نسیمِ صبح نافۂ زلفِ یار ہو
حُسن فروش ہو وہ گُل صبر کروں میں اے صبا — بہرِ خدا مجھے بھی چل لے کے جہاں نگار ہو
شمع جو بزم میں سحر رُخ کی کرے برابری — تیز زباں دراز پر خنجرِ آبدار ہو
بوسۂ لب کی بدگماں کہتا ہے چھوڑ دی آرزو؟ — جان اِسی ہوس میں دی ہی۔ کاش یہ اختیار ہو
حافظا اِس طرح رہے صرفِ خزینہ دارِ نقد؟ — چھوڑے غم زمانہ بھی وہ تو سخن گزار ہو!

مزرعِ سبزِ فلک دیدم و داسِ مہِ نَو

مزرعِ سبز فلک کی ہے درانتی مہِ نَو — یاد دِلواتی ہے کِشتِ عمل و وقتِ دِرَو
لاکھ سوتا رہا ہر چند نکل آیا دن — جی مگر ہار نہ اے دوست رکھ اُمیدیں سو
تکیہ بر اخترِ شبگرد نہ کر یہ عیار — تاجِ کاؤس اُڑا دے کمرِ کیخسرو
تو بھی اُٹھ پاک و مجرّد بمثالِ عیسےٰ — سینکڑوں نور ترا مہر پہ ڈالے پرتَو
دُون کی لے نہ اے گردوں دُوں دیکھے ہیں ترے — کاسۂ ماہ میں ایک خوشۂ پروین میں دو جَو!
دَورِ خوبی گزراں ہے یہ مرصّع بالا — سُن نصیحت تجھے کرتا ہے پکڑ کان کی لَو
جس نے سینے میں نہ کی تخمِ وفا کی کھیتی — زرد رُوئی کے سوا کچھ نہ ملا وقتِ دِرَو

چشمِ بد دور بڑھا پیادہ بہ درعرصہ حسن
دے گئی مات مہ و خور کو ترے خال کی ضو

رہ بجا دائرے میں ف کی طرح حلقہ بگوش
سہ جفا اور گفا جتنی پڑے تو بر تو

حافظا زرق و ریا خرمنِ دیں پھونکیں گے
پھینک کر خرقۂ پشمینہ رواں ہو رہرو

مرا چشمیست خوں افشاں ز چشم آں کماں ابرو

بنائی چشم چشمہ خوں فشاں چشم کماں ابرو
ایک آشوب زمانہ چشم ایک آشوب زماں ابرو

کیا مجھ کو اسیر اس ترک کے خوش خواب مستی نے
نگاریں گلشنِ رخ پر تھے مشکیں سائباں ابرو

نہ ہوں کاہیدہ مثلِ مہ، غمِ طغرائے مشکیں ہیں؟
دکھائے اس کے ہونے یوں ہلالِ آسماں ابرو

کمانِ حسن چشم مست کی پیوستہ زہ پر ہو!
اسی کی شہ پہ مہ پر تیر کھینچے ہی کماں ابرو

جبیں جانِ حزیں کے واسطے ایک طرفہ گلشن ہو
سمن زاروں میں ہیں جس کے خراماں جہاں ابرو

رقیبوں کو خبر کیا ہر دم اس چشم سیہ سے ہیں
پیام ایک ایک سے دلچسپ تر اور درمیاں ابرو

ترے نقشے کے آگے کیا پری اور حور کا چرچا
کب اس کی ایسی آنکھیں اس کی ویسی ہی کماں ابرو

نقاب ایک چہرہ پر ڈالے رہے کافر کہ ڈرتا ہوں
مرا قبلہ نہ بدلے پھیر کر وہ دلستاں ابرو

جو تھا مرغانِ دانا سے بھی زیرک عشق میں حافظ
سہامِ غمزہ نے کر ہی لیا صیدِ کماں ابرو

مطرب خوشنوا بگو تازہ بتازہ نو بہ نو

گائیں بجائیں خوش گلو تازہ بتازہ نو بہ نو
بادہ ہو گشت و آبجو تازہ بتازہ نو بہ نو

ایک صنم حسین ہو، پردے میں ہم نشین ہو
بوسہ ہو جائے گفتگو تازہ بتازہ نو بہ نو

ساقیِ سیم ساق دے رنگ برنگ کے بھرے
ساغر و جام مشکبو تازہ بتازہ نو بہ نو

فایدہ کیا اگر جئے، جو نہ مدام یوں پئے   ہاتھ میں جام دل میں تُو تازہ بتازہ نَو بہ نَو
شاہدِ دلربا مِرے، میرے ہیں واسطے ترے   نقش و نگار و رنگ و بُو تازہ بتازہ نَو بہ نَو
بام پہ ہوگا وہ پری بادِ صبا سُنا ذری   قصۂ حافظ اُس سے جو تازہ بتازہ نَو بہ نَو

ساقیا سایۂ ابرست و بہار و لب جو

ساقیا دیکھ یہ ابر اور بہارِ لب جو   مَیں کہوں؟ اس کی ضرورت کیا، سمجھ آپ ہی تو
کان دھر سُن کہ سُناتی ہے فغانِ بُلبُل   سونگھ لے آہ مہکتی گُلِ توفیق کی بُو!
شکر کر اُس کا کہ پھر تجھ کو دکھائی یہ بہار   یہ ثمر پایا تو ایک تخمِ سعادت بھی تو بو
اُس کے دیدار کا طالب ہے تو مانجھ آئینے کو   سطح رو میں سے اُگیں گے گُل و نسرین نہ کبھو
خاکِ میخانہ ہو بننا تو تجھے لازم ہے   سر کے بل راہ میں میخانے کی چندے تگ و پو
ایک نصیحت ہے یہ صد گنج گہر سے بھاری   عیب جُو گر نہ ہو لوگوں کا رہے عشق میں تُو
بوئے یکرنگی نہ اِس قوم میں پائی واللہ   دلقِ آلودۂ صوفی کو مئے ناب سے دھو
اے جہاں دیدہ ثباتِ قدم اِس منزل میں؟   ماں شغلہ ہے جہاں اِس کا نہ احسان لے تُو
اپنے حافظ سے کہا بوئے ریا آتی ہے؟   خوب تھنوں نے ترے سونگھنی جانی خوشبُو

از خونِ دل نوشتم نزدیک یار نامہ

دل کے لہو سے لکھتا ہوں نزدِ یار نامہ   اِنّی رأیتُ دھراً فی الھجر کالقیامہ
محتاجِ شرحِ حالِ زخمِ دروں نہیں ہے   اُس کو کرے گا ظاہر خود آب چشم خامہ
ہیں ہجر کی ایک آیت دیدے بصد علامت   لیسَ الدُّموعُ عینی ہٰذا لنا علامہ

ہر چند آزمایا پر نامفید پایا
من جرّب المجرّب حلّت بہ الندامہ

ہو گر طوافِ جاناں کرنے میں ہو ملامت
واللہ ما رأینا حبًّا بلا ملامہ

بادِ صبا نے ناگہ یوں وہ نقاب لٹا
کالشمس فی الضحاہا تطلع من الغمامہ

حافظ ندیدہ آیا ایک جام دے کے ٹالو
حتی یذوق منہ کاساً من الکرامہ

اے از فروغ رویت روشن چراغ دیدہ

روشن ہے نورِ رخ سے کیا کیا چراغ دیدہ
ان مست انکھڑیوں کا ہے ایک جہاں ندیدہ

یہ تجھ سا نازنیں ایک سر تا بہ پا لطافت
دیکھا کہاں ہے کس نے ہے کون آفریدہ؟

دیکھے گر اس کے یاقوت مینفروشں زاہد
سجادہ چھوڑ دُور سے پیمانے پر ہی سیدھا

ابرو میں قصدِ خوں میں آنکھوں بھری شرارت
بیٹھی ہو یہ کمیں میں اور وہ کماں کشیدہ

کب تک کبوترِ دل تڑپے گا نیم بسمل
اتنا تو تیرا ہجراں سے رہ چکا طپیدہ

سوزش سے دل کی شعلے سرِ دماغ سے ہیں
عود دا گر سا کب تک آتش میں آرمیدہ؟

کر جلد ۔ اضی نامہ نالش نہ کردے حافظ
کہتا تھا کے گیا دل دے کر فریب دیدہ

از من جدا مشو کہ توام نور دیدۂ

مجھ سے نہ ہو جدا کہ مرا نور دیدہ ہے
آرام جان و مونس قلب رمیدہ ہے

دامن پکڑ کے ابنہیں چھوڑیں گے اہلِ دل
داماں صبر تیرے ہی ہاتھوں دریدہ ہے

اس شکل دلبری کو الٰہی نہ ہو نظر
ایک حسن تا نہایت خوبی رسیدہ ہے

کر منع اس کے عشق سے اے مفتیِ زماں
دیکھا نہیں ہے اس کو یونہی بدعقیدہ ہے

حافظ بجا ہو اُس کی شکایت بھی دیکھے
چادر سے پاؤں کس قدر آگے کشیدہ ہے؟

اے کہ با سلسلۂ زلفِ دراز آمدہ

ے کے ایک سلسلۂ زلفِ دراز آ ہی گیا
دل کا اللہ رکھے دیوانہ نواز آ ہی گیا

آبِ آتش کا دکھاتے ہیں تماشہ لبِ لعل
چشمِ بد دُور بَن ایک شعبدہ باز آ ہی گیا

مرحبا اہلِ دلی پر تِری چھوڑا نہ ثواب
اپنے کُشتے کی تو پڑھنے کو نماز آ ہی گیا

صبر اب کیوں گئے رہے۔ زہد کی ہستی کیا ہے
مست طناز بخلوت گہِ راز آ ہی گیا

ناز بھی چھوڑ دے اپنے یہ خلافِ عادت
گرپئے پرسشِ اربابِ نیاز آ ہی گیا

صُلح کے واسطے بیٹھا کہ اُٹھا لڑنے کو
ڈھلکے سانچے میں ہر انداز سے ناز آ ہی گیا

خرقہ حافظ ترا پھر دیکھا شراب آلودہ
کیا کہیں یار دل کے مشرب ہے تو باز آ ہی گیا

چراغ روئے تو گشت است شمع پروانہ

چراغِ رُخ پہ رہی اُس کے شمع پروانہ
کبھی نہ عشق میں یُوں ہم نے خود کو گردانا

کرے جو قیدِ مجانینِ عشق پیرِ خرد
ہُوا ہے حلقۂ زلفِ پری کا دیوانہ

صبا سے سُن کے ہوئی دم میں شمع شادیٔ مرگ
کہ شمعِ رُخ سے تِری پایا ایک پروانہ

نثارِ زلف یہ اک جاں ہُوئی بلا سے ہوئی
ہزار جانیں پیاری فدائے جانانہ

سپندِ آتشِ رُخ کا نہ بن سکا کوئی
سوائے خالِ سیہ بس وہی تھا ایک دانا

دکھا کے اپنے کمالات اُس کو کیا پایا
مِرے فسُوں ہوئے سب اُس کے آگے افسانہ

کسی کا ذرِ دہن دے رہا ہے یہ پیماں
زباں پہ آئے نہ کچھ جُز حدیثِ پیمانہ

غریب دل تو غضب دیکھ کر یہ ڈھے ہی گیا
دھرے ہے یار کے کاندھے پہ ہاتھ بیگانہ

ہے نام خانقہ و مدرسہ زباں پہ حرام
لگی ہے تجھ کو وہ حافظ ہوائے میخانہ

خنک نسیم معنبر شمامۂ دلخواہ

وہ ٹھنڈی ٹھنڈی نسیم عنبری کہ آہ واہ
چلی جو جھوم کے پہونچی یہاں قریب پگاہ

تو خضر راہ ہوائے طایر خجستہ خصال
ہوا ہے آب یہ دیدۂ حسرت درگاہ

غریق خون دل اس جسم زار کو دیکھے
پڑی ہلال کے پیچھے ہو کیا شفق میں نگاہ

قسم ہے عشق رخ یار کی کہ بعد وصال
کھلے گلاب مری قبر پر اگے نہ گیاہ

میں ہی ہوں ہجر کی اس زندگی سے شرمندہ
تو ہی معاف کرے ورنہ کیا ہے عذر گناہ

ملال خاطر نازک میں تیری راہ نہ پائے
چلا یہ حافظ اسی نکتہ بول بسم اللہ

زریں قبا ہمے شد شرب زرکشیدہ

زریں قبا چلا وہ دامن بچائے سیدھا
حسرت سے ہاتھ سب جیب کتاں دریدہ

آثار گرمی مے رخسار سے نمایاں
یا برگ گل پہ شبنم روشن کئے رکھتی دیدہ

یاقوت جانفزا وہ۔ زائیدۂ لطافت
شمشاد خوش خرامی ایک ناز آفریدہ

روئے لطیف و دلکش، قد بلند و بالا
آواز نرم و شیریں آنکھیں بڑی کشیدہ

دلچسپ ہونٹ دیکھو، ہنسنا ذرا سنو تو!
دو دو قدم وہ چلنا۔ ہر جا نا آرمیدہ

بچ کر گیا ہے مجھ سے یہ آہوئے سیہ چشم
یارب رہے گا کیونکر اب یہ دل رمیدہ

کیا کیا نہ مانوں احساں لے میرے خوجہ تیرے
آئے جو ہاتھ میرے وہ میوۂ رسیدہ

کب تک عتاب ہوں گے۔ یہ نیم خواب ہوں گے | اے چشم بس کرم کر۔ اے نورِ ہر دو دیدہ
ہرگز نہ تنگ کیجو اہلِ نظر کو حسن سے | دُنیا تو بے وفا ہے یہ دوست برگزیدہ
خوش ہو کہ توبہ کر لی اُس نے کہے سُنے سے | حافظ سے گر طبیعت تیری ہو کچھ کبیدہ

دوش رفتم بدرِ میکدہ خواب آلودہ

شب میں پہنچا درِ میخانہ پہ خواب آلودہ | خرقہ تر دامن و سجّادہ شراب آلودہ
نکلا غصہ میں بھرا مغبچۂ بادہ فروش | بولا ہشیار ہو اے رہروِ خواب آلودہ"
جا بدل کپڑے نہا دھو کے خرابات میں آ | تجھ سے ہو جائے نہ یہ دیر خراب آلودہ"
دُھن میں شیریں دہنوں کی یہ کریگا کب تک | جوہرِ رُوح کو یاقوت مذاب آلودہ"
باطہارت گزر اس منزلِ پیری سے کر | جامہ پیری کا بہ اوضاعِ شباب آلودہ"
اس سمندر میں رہِ عشق کے دانا اُترے | غوطہ زن پار ہوئے پر نہ ہوا آب آلودہ"
پاک کرتا ہے جو ایک آبِ رواں کا پانی | صاف کرتا نہیں وہ آبِ تراب آلودہ"
پوچھا اے جانِ جہاں دفترِ گُل آج ہے کیا | موسمِ گُل میں کرے گر مے ناب آلودہ"
بولا یاروں سے تو یہ فقرے نہ چل جا حافظ | ہائے یہ لطف اور اس درجہ عتاب آلودہ"

سحرگاہاں کہ مخمورِ شبانہ

اُٹھا میں صبح مخمورِ شبانہ | پیا ساغر بنا نے سے ترانہ
یہ ہر دو زادِ رہ دانش کو دے کر | کیا ہستی کے کوچے سے روانہ
نگارِ مے فروش ایک پڑھ کے افسوں | بھلا دیتی ہے سب فکرِ زمانہ

کماں ابروئے ساقی کہہ رہی ہے   ملامت کا مجھے کرکے نشانہ
کمر کی طرح گم ہو تیری ہستی   اگر ہستی کو اپنی تُو نے مانا"
پھنسا اِس دام میں پڑی کوئی جا   کہ عنقا کا ہے اونچا آشیانہ
وہی مطرب ہی ساقی وہی گُل   یہ شکلیں ظاہری ہیں سب بہانہ
اُمید فائدہ اُس حسن سے کیا   رہے جو محو اپنا جاودانہ
نہ جز ایک کشتیِ مے پار ہوگا   یہ دریا جس کا غایب ہے کرانہ
مکاں خالی ہی بیگانوں سے ہے مے نوش   ہے تُو ہی تو نوائے مردِ یگانہ
وجود اپنا ہے حافظ وہ پہیلی   کسی نے بُوجھ ہی جس کو نہ جانا

عید است و موسمِ گُل ساقی بیار بادہ

عید اور موسمِ گُل۔ دے بھر کے یار بادہ   دیکھا نہ آج کے دِن خالی قدح بِنا دہ
اِس زُہد و اتقا سے افسردہ ہو رہا ہوں   ساقی قدح دے بھر کر۔ ہو جائے دل کشادہ
واعظ جو کل تلک تھا ناصح ہم عاشقوں کا   آج اُس مست کو دیکھا پھینکے ہوئے لبادہ
ایامِ گُل جو باقی ہیں اس طرح سے گزریں   عاشق ہوں اور مزے ہوں! در ساقیان سادہ
پینے میں صبح کی ہو یہ شرط خوبصورت   ساقی کا رُخ بھی جھلکے چھلکے جو جامِ بادہ
چلدی بہار یارو غافل نہ اب تو بیٹھو   بے ساز و راگ و رنگ و بے یار و جامِ بادہ
مطرب بھی سُر ملائے اچھا ہے کچھ جو گائے
منجملہ شعرِ حافظ در بزمِ شاہزادہ'

عیشم مدامست از لعل دلخواہ

اُس لب سے دایم ہے عیشِ دلخواہ
صحبت ہے قایم الحمدللہ!

طالع پہ ہی بس، ہے شیخ اُس کو اور کس
چکھ میوہ نورس پی جامِ دلخواہ

رندی میں مجھ کو کرتے ہیں شہرہ
پیرانِ جاہل شیخانِ گمراہ

از قولِ زاہد۔ اللہ توبہ
وز فعلِ صوفی۔ استغفراللہ

کیونکر بیاں ہو۔ حالِ شبِ ہجر
آنکھوں سے آنسو ہیں دل سے ایک آہ

کافر نہ دیکھے وہ غم جو دیکھا
اے سرو قامت اے عارضِ ماہ

زنار رہ ہے مکارہ گدڑی
کیا جانے صوفی یہ رسم یہ راہ

شب اُس کے رخ سے کیا خوش گزرتی
ہاں وصلِ جاناں! صد لوحش اللہ

تیری خوشی میں بھولا ہے حافظ
وردِ شبانہ درسِ سحرگاہ

گر تیغ بارد در کوئے آں ماہ

برسے تو برقِ شمشیر اے ماہ
گردن جھکادیں الامر للہ

ہم رند و عاشق لیں نام توبہ
استغفراللہ! استغفراللہ

آیینِ تقوے سب جانتے ہیں
لیکن کریں کیا ہے بخت گمراہ

کیا شے ہے شیخ اور کیا چیز زاہد
دے یار بادہ کر قصہ کوتاہ

اے دل نہ کر غم گر وصل چاہے
پی گھونٹ خوں کے ہر گاہ و بیگاہ

الصبر مرٌ والعمر فانی
یا لیت شعری حتی متی القاہ

پگھلا نہ ہم پر گہہ بھی بن کر
آئینہ رو کا آہن دل اے آہ

حافظ نہ ہوتا اتنا بھی بیدل | سنتا اگر تو پندِ بہی خواہ

ماہِ من پردہ بر انداختہ یعنی چہ؟

اے قمر پردہ بر انداختہ کیوں کیا معنی | مست بے پردہ بروں تاختہ کیوں کیا معنی
شاہ خوباں ہے فقیروں کا ہے منظورِ نظر | جان کر مرتبہ نشناختہ کیوں کیا معنی
زلف کھاتی ہے ہوا گوش بہ پیغامِ رقیب | ساز غیروں سے یہ بے ساختہ کیوں کیا معنی
سلسلہ زلف کا تو نے ہی سنبھالا تھا جنھیں | اب وہی نظروں سے انداختہ کیوں کیا معنی
مُہرہ پھر لئے تیرا ہر ایک کھیلتا ہے | آہ ہر ایک پہ دل باختہ کیوں کیا معنی
رمزِ لب فاش کریں، الکوے یہاں رازِ کمر | تیغ ہو سر پہ مرے آختہ کیوں کیا معنی
اس دلِ تنگ میں حافظ ترے کیا یار سمائے | خانہ از غیر نہ پرداختہ کیوں کیا معنی؟

گفتم اے دوست شدم عاشقِ آں زلفِ سیاہ

بے طرح ہو گئی دل کو مرے زلفِ سیاہ | بولا۔ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہ
چاہیئے از سرِ نو تجھ سے نیا عشق کروں | اس محبت کی تو اب اُٹھ گئی سب میں افواہ
آفتابِ رخِ زیبا کی نہ یہ دھوپ ڈھلے | سوکھ کر اس میں میں جاؤں بنا پرِ کاہ
مار کر حافظِ مسکیں کو نہ یوں رسوا کر | حیف دھکے کسی مسکین کو دلوائے نہ شاہ

نصیب من چو خرابات کردہ است الہٰ

نصیب جب کہ خرابات خود کرے اللہ | تو بول زہد اتو ہی کہ میرا کون گناہ؟

ازل میں دیدیں جسے جامِ مے اُسی سے پھر
بروزِ حشر ہو پرسش گناہ کی، اے واہ!

عجب ہیں زاہدِ سالوس خرقہ پوش دورُو
دراز دستیاں یہ کچھ اور آستیں کوتاہ

ہوس کے پیچھے ہوا ہے تو خرقہ پوش مگر
کہ بندگانِ خدا کھائیں دھوکے، ہوں گمراہ

غلامِ ہمّتِ رندانِ بے سروپا ہوں
جہاں نگہ میں ہے جن کی حقیر ایک پرِ کاہ

مُراد چونکہ خرابات سے ہوئی حاصل
لہذا مدرسہ و خانقہ کی چھوڑ دی چاہ

چلے گدائے درِ ہر گدا بنے حافظ
یقیں ہے پائے جو یُوں مانگتا پھرے للہ!

وصال او ز عمرِ جاوداں بہ

وصالِ اُس کا کہ عمرِ جاوداں خوب
خداوندا وہ دے سب سے جو یہاں خوب!

نہ کھا کر زخم دل کہنا کسی سے
ہے، رازِ دوستِ دشمن سے نہاں خوب

دکھا کر پوچھتا تھا کس نے دیکھے
دُرِ اِن دو گوشواروں سے یہاں خوب؟

نہ زاہد خلد کی دعوت دے ہم کو
ہر ایک سیبِ زنخ از بوستاں خوب

غلامی کا نشاں ہو اور وہ در ہو
قسم اُس کی یہ از مُلکِ جہاں خوب

جو گُل اُس سرو کے قدموں سے پامال
نہیں نکلے ہے اُس کے ارغواں خوب

خدارا اے طبیبو کچھ تو بولو
کہ ہُوں گا کب میں زار و ناتواں خوب؟

جوانو! پندِ پیراں سے نہ بھاگو
کہ رائے پیر از بختِ جواں خوب

گہرِ اُس منہ کی باتیں شعرِ حافظ
گہر سے بھی پڑے دُرجِ دہاں خوب

اکنوں کہ زگل باز چمن شد چو بہشتی

پھر ہے گل و لالہ سے چمن تازہ بہشت ایک / ساقی ہو مے لعل و زمرد بھری کشت ایک
زنگِ الم دل مے گلرنگ سے دھل جائے / سن تو بھی مجھے کہتا تھا یہ پاک سرشت ایک
کاسے پہ ترے محتسب اٹھا ہے لئے سنگ / سر توڑنے کو اس کے اٹھا تو بھی تو خشت ایک
یکساں ہے فلک کو ترا علم اور مرا جہل / آنکھیں ہی نہ ہوں جس کے اسے خوب و زشت ایک
یہ بخششِ نقد آج ہی زاہد ہے میسر / ایک حور کا ٹکڑا ہے مکاں مثلِ بہشت ایک
ترسا بچے بھی کہتے ہیں افسوس ہے حافظ! / ہر روز تجھے سوجھتی ہے تازہ کنشت ایک

اے باد نسیم یار داری

مس کر کے نسیمِ یار تجھ کو / کر دیتا ہے مشکبار تجھ کو
طرے سے نہ کر دراز دستی / چھوڑ اس سے ہو کون کار تجھ کو
مشکِ تر رخ کے رشک سے گل / حاصل ہے جگر میں خار تجھ کو
ریحاں خطِ سبز کے مقابل / آئینے سے ہے غبار تجھ کو
نرگس تو ان آنکھوں سی کہاں ہے / وہ مست ہیں اور خمار تجھ کو
اس قامتِ خوش کے سامنے سرو / کیا باغ میں اعتبار تجھ کو
عشق اس کا اگر بجا ہو تو عقل / کس چیز پر اختیار تجھ کو؟

وصل ایک نہ ایک دن ہو حافظ
ہو طاقتِ انتظار تجھ کو!

اے بادشہ خوباں داد از غم تنہائی

دے بادشہ خوباں. دادِ غمِ تنہائی! — آ. وقت ہے۔ دَم نکلا، مرجائیں گے بن آئی
ہے دردِ ترا درماں ہوں نزع میں جب ارماں — اور یادِ تری مونس در عالمِ تنہائی!
یہ شوق یہ مہجوری! اِس حد سے بڑھی دُوری — چھٹتا ہے کوئی دَم میں دامانِ شکیبائی
ساقی! چمنِ گُل ایک کھل جائے ترے رُخ سے — شمشاد خراماں ہو۔ سمجھیں کہ بہار آئی
اِس شیشۂ مینا سے خونِ جگر سی دے — حل ہو گی نہ یہ مشکل بے ساغرِ مینائی
اِس باغ میں گُل دائم شاداب نہیں رہتے — کام آئے ضعیفوں کے طاقت ہے اگر پائی
صد بادِ صبا جیسے چکر میں ہیں خود کیسے — ہمرہ ہیں یہ سب تیرے کر بادیہ پیمائی
پرکار کا نقطہ ہیں گھیرے میں ہیں کیا بولیں — جو بات کہی تُو نے بس خوب ہی فرمائی!
فکر اپنی، سمجھ اپنی، رندی میں نہیں چلتی — ہیں سخت گنہ اِس میں خود بینی و خودرائی
یہ نکتۂ الٰہی ہم حل کس سے کریں جا کر — دکھلائی نہیں دیتا۔ پھرتا تو ہے ہرجائی؟
زلفوں کا تری شکوہ کرتا تھا صبا سے شب — بولی کہ غلط ہے سب، بن تُو بھی نہ سودائی!
حافظ شبِ فرقت میں خوشبوئے سحر سُونگھی — شادی یہ مبارک ہو اے عاشقِ شیدائی!

اے بیخبر بکوش کہ صاحب خبر شوی

اے بیخبر یہ چاہ کہ صاحب خبر ہو تُو — بن دیکھے راہ کے نہ کہیں راہبر ہو تُو
مکتب میں معرفت کے پڑھ اُستادِ عشق سے — اب وقت ہو کہ پھر تو پسر سے پدر ہو تُو
مردانہ وار چھوڑ خیالِ مس وجود — اور کیمیائے عشق سے مَس ہو کے زر ہو تُو

پھینکا ہی خوابِ خور نے تجھے دُور عشق سے — چاہے جو قُربِ دوست تو بیخواب و خور ہو تو
گر نورِ عشقِ حق ہو دل و جان میں ترے — واللہ آفتاب سے بھی خوب تر ہو تو
نورِ خدا بنے بخدا سر سے پاؤں تک — رستے میں ذوالجلال کے بے پا و سر ہو تو
بنیادِ ہستی ہونی ہے زیر و زبر ضرور — جُن مت مُحَل ہوا میں کہ زیر و زبر ہو تو
حافظ وصال کی ہوا گر جی میں کچھ ہوس — لازم کہ خاکِ درگہِ اہلِ بصر ہو تو!

اے از رُخِ تو پیدا انوارِ پادشاہی

رُخ سے ہیں تیرے پیدا انوارِ بادشاہی — ہر فکر میں ہیں پنہاں صد حکمتِ الٰہی
نوکِ قلم سے ماشاءاللہ! مُلک و دیں میں — صد چشمۂ آبِ حیوان جاری ہو ، وشنائی
انوارِ اسمِ اعظم کیا چمکیں اہرمن پر — تاج و نگیں ہیں تیرے ہو تیری بات چاہی
شک شوکتِ سلیماں میں لائیگا جو انساں — عقل اور سمجھ پہ اسکی ہنس دینگے مُرغ و ماہی
کانِ یمن پہ بھی گر برسے یہ تیغ تیری — رنگِ عقیق کو بھی کر ڈالے سبز کاہی
زاری پہ شب نشینوں کی دل ترا بھر آئے — پوچھے تو حال کہہ دے سب بادِ صبحگاہی
لینے دے ہم کو ساقی آب از چہِ خرابات — خرقوں سے ہم کو دھونا ہی عُجب خانقاہی
یوں باز کے بھی سر پر دیکھی کلاہ لیکن — مُرغانِ قاف ہی پر سجتا ہی تاجِ شاہی
آدم کے گھر میں جب سے یہ راج پاٹ آیا — ہی علم سلطنت کا تجھ کو ہی بس کماہی
یا ملجاءِ البرایا۔ یا واہبِ العطایا — عطفاً علیٰ مقلٍ حلّت بہ الدّواہی
خوش خطِ قلم و وتیرا درحقِ دوست دشمن — تو یدِ جانفزا ہے ، افسونِ عمر کاہی
آدم صفی پہ ٹوٹی بجلی گناہ کی جب — پھبتا نہیں کسی پر دعوائے بیگناہی!

خِلقت ہوئی ہی تیری اکسیر آبرو سے
دولت کو تیری کیا ہو اندیشہ تباہی

اندھیر ہوں فلک کے تو وہ مَلک صفت ہے
چھوڑے نہ نام ظلمت تیری جہاں پناہی

کرتا ہی تجھ کو حافظ گہ گہ وہ یاد پھر کیوں
بدبخت کی شکایت؛ واجب ہی عذر خواہی

اے دل آں بہ کہ خرابِ مےِ گلگوں باشی

اے دل اب رہیے خرابِ مےِ گلگوں ہو کر
عیش ہی عیش ہیں پھر مفت میں قاروں ہو کر

صدر کرتے ہیں فقیروں کو جہاں ہمّت سے
ہم بھی واں سب پہ رہیں فایق و افزوں ہو کر

تاج شاہی کی ہوس ہے تو دکھا جوہر ذات
بار پائے گا نہ یہاں ابنِ فریدوں ہو کر

منزلِ اُلفتِ لیلےٰ میں بہت خطرے ہیں
اوّلیں شرط یہ ہے آیئے مجنوں ہو کر

کارواں چلدیا سوتے میں دِلا کیسی کروں!
کس سے پوچھوں کدھر اس دشت میں جاؤں ہو کر

چُٹکلا ہے یہ فقیروں کا اگر یاد رہے
در بھی دیکھے گا مگر در سے بیروں ہو کر

ساغر ایک آپ بھی پی دورِ فلک پر بھی چھڑک
ورنہ بہتا ہے کوئی دم میں جگر خوں ہو کر

حافظا فقر سے نالاں نہ ہو یہ شعر ترے
کسی خوش دل کو نہ خوش آئیں گے محزوں ہو کر

اے دل بکوئے عشق گزارے نمی کنی

پھیرا گلی میں دوست کی یار ایک نہیں کیا؟
ساماں سارے جمع تھے کار ایک نہیں کیا؟

ٹھونکی نہ گیند ہاتھ میں بلّا لئے رہا؛
شہباز ہاتھ پر تھا شکار ایک نہیں کیا؟

یہ موجِ خوں رہی ترے سینے میں موجزن
رنگ اس سے لے کے نقش نگار ایک نہیں کیا؟

شلِ صبا تجھے دم تسکیں نہ کیوں ملا؟
اُس کے گزر میں تو نے گزار ایک نہیں کیا؟

اوروں نے دے کے جاں غمِ جاناں خریدا ہی
اِس فائدہ کا تونے تو کار ایک نہیں کیا؟
صد ساغرِ لطیف بلا ڈالے خاک میں
اندیشۂ بلائے خمار ایک نہیں کیا؟
ڈر ہے کہ گُل سے جھاڑ کے دامان نہ جائیو
برداشت اِس چمن میں جو خار ایک نہیں کیا؟
حافظ روا نہیں ہی کہ طاعت میں دوست کی
سب ہیں یہ تُونے سجدہ بھی یار ایک نہیں کیا؟

اے دل اگر از چاہِ زنخداں بدر آئی

دل چھوڑ کے گر چاہِ زنخداں نکل آئے
ہر بزم سے ہو زُود پشیماں نکل آئے
ہُشیار! نہ پڑ وسوسۂ عقل میں۔ مت بھول
آدم سے چُھٹا روضۂ رضواں نکل آئے
کب تک میں صبا کی طرح پڑھ پڑھ کے کروں دم
غنچے سے وہ گُل خرّم و خنداں نکل آئے
فرقت کی شبِ تار میں دَم گھٹنے لگا ہے
اب کب تلک اللہ مرا ہاں نکل آئے!
دم جانے کو ہے لعلِ روان بخش کے پیچھے
ظلمات سے خورشیدِ درخشاں نکل آئے
شاید تجھے گرداب سے گردُوں یہ بچالے
گر تشنہ لب از چشمۂ حیواں نکل آئے
جل تھل کئے ہمنے ترے دروازے کے آگے
شاید کبھی تو سروِ خراماں نکل آئے
دن بھرتا ہے خانۂ محنت میں کہاں تک
اِس قید سے اب حکمِ دے سلطاں نکل آئے
حافظ نہ کر اندیشہ۔ چھُٹے یوسفِ مصری
تجھ سے بھی چھُٹے کلبۂ احزاں نکل آئے

اے قصّۂ بہشت ز کویت حکایتے

جنّت کا ذکر۔ تیری گلی کی حکایت ایک
آبِ حیات تیرے ہی لب سے کنایت ایک
اعجازِ عیسوی، ترے ہونٹوں کی ایک ادا
حُوروں کا حُسن، تیرے ہی رُخ کی رِوایت ایک

پاتا نہ بار مجلسِ روحانیاں میں عطر! — خوشبو نے تیری گل سے یہ کی ہو رعایت ایک
اے خاکِ آستاں کی تمنا۔ جلا دیا! — تُو نے بھی کی صبا نہ ہماری حمایت ایک؟
ہوں اُس کی یادِ رُخ میں جلائے ہزار بار — دوزخ سے مجھ کو ہو گی نہ ہرگز شکایت ایک
بُوئے کبابِ دل نے بسایا جہان کو — اس آتشِ دروں میں بھی دیکھی سرایت ایک
اے دل لُٹوائے دانش و دیں مفت کھو دیئے — سرمائے کیسے کیسے کہ ہوتا کفایت ایک
سیپارہ دل۔ ہر ایک پُر از شرحِ غم و لے — ہر سطر تیری یاد میں رحمت کی آیت ایک
سمجھے بھی آہ و نالہ سے حافظ کا مدعا؟ — لطف ایک کرے وزیر شہنشاہ عنایت ایک

اے ز شرمِ عارضت گُل کردہ خوئے

شرمِ عارض سے پسینا گُل کو ہے — پانی پانی لعل لب سے جامِ مے
اوس ہے لالہ میں یا گُل میں گلاب — آب و آتش یا پسینہ رُخ پہ ہے
وہ کماں ابرو تھی اوجھل ہو رہی — دل بھی پیچھے پیچھے گُم تھا پئے بہ پئے
میں نہ اُٹھوں گا پڑی جب تک ہے لغت — کہہ مؤذن جس قدر کہنا ہو "حے"
ہاتھ میں لے چنگ کو مطرب ذرا — رگ دبا ایسی کہ چیخے پے بہ پے
نَے دمے لب بر لبِ مطرب اُدھر — ناخنوں سے چنگ میں جاری ہوئے
ایک چُلّو پر میں دیتا جان ہوں — جان لے کر مجھ سے دیدے جامِ مے!
ہوں بنی عامر میں مجنوں سینکڑوں — حے میں بتلاؤ کوئی لیلےٰ بھی ہے؟
شعبدے اب چرخ دکھلاتا رہے — ہے پناہِ حضرتِ دارائے رَے
خسروِ آفاق بخشش کی عطا — کر چکی ہے شہرتِ حاتم کو طے

غم نہ کھائے پی کہ حافظ تجھ کو کیا کون تھے؟ کب تھے؟ جم و کاؤس و کے؟

اے کہ بر مہ از خط مشکیں نقاب انداختی

خطِ مشکیں ڈالدی رُخ پر نقاب اچھا کیا لے لیا سائے میں اپنے آفتاب اچھا کیا
ہٹ گئی تو ہٹ گئی چہرے سے تھوڑی سی نقاب چھُپ گئے حور و پری درپسِ حجاب اچھا کیا
گنج عشق اپنا چھپایا اس دلِ ویران میں کردیا معمور یہ کُنجِ خراب اچھا کیا
پیچ کیا لاتے ہیں اب وہ سنبل پیچاں کے بل رنگ نرگس نے تو نیرنگِ خوشاب اچھا کیا
صیدِ دل کے واسطے ڈالی گلے زنجیر زلف سب یہ احسان لے مالکِ رقاب اچھا کیا
شورِ دُزد و پاسباناں پر رکھا خوب اتہام کر کے بیخواب ہم کو تونے لاجواب اچھا کیا
نصرت الدیں شاہ یحییٰ اس کے پائے بوس کو جھک گیا تا خاک تاج آفتاب اچھا کیا
آفریں تو بڑھ گیا سب سے جہانِ حسن میں! جام خسرو لے کہ چت افراسیاب اچھا کیا
سیر آبِ تیغ سے شیرانِ تشنہ لب کئے خوں نہنگوں کو پلایا جائے آب اچھا کیا
تختِ جم پر جامِ عالم بیں ہے رہ اب بادہ نوش شاہدِ مقصود کی کھولی نقاب اچھا کیا
شمع رُخ سے اس کے یوں تو عام ہی ہر دل کو لاگ پر نے پروانے کے خاص ایک اضطراب اچھا کیا
رندیاں مجھ مست کی طاعت سمجھ کر ہوں قبول تیرا چاہا تھا بامیدِ ثواب اچھا کیا
نرگسِ مخمورِ چشم بادہ کش نے دے فریب حافظِ گوشہ نشیں کو بھی خراب اچھا کیا

اے کہ دایم بخویش مغروری

خود بخود یہ مدام مغروری عشق تجھ کو نہیں، ہے معذوری

پیچھے مجنوں عشق کے مت پڑ
عقل پائی خدا سے گر پوری

مستی عشق ترے سر میں نہیں
مست ہے پی کے آبِ انگوری

روئے زرد اور نالۂ پُر درد
عشق کے ہیں گواہ رنجوری

چھوڑ اس ننگ و نام کو حافظؔ
مانگ ساغر ہٹا یہ مخموری

اے کہ در کشتنِ ما ہیچ مدارا نہ کنی

قتل میں کوئی مروت جو گوارا نہ کرے
گھر بھی تاراج کرے پھونک دے پروا نہ کرے

غم کے مارے ہیں ترے زہر ہلاہل پیتے
خون اس فرقہ کا مہلک ہے خدا را نہ کرے

رنج اپنا اگر ایک نیم نگہ سے جائے
شرط انصاف نہیں چشم ادھر وا نہ کرے

دیدے بہہ بہہ کے مرے راہ میں دریا ہو جائیں
تو کبھی سیر کو قصدِ لبِ دریا نہ کرے

تیرے اخلاق و کرم کی یہ حکایاتِ ستم
بکتے ہیں اہلِ غرض۔ تو کبھی ایسا نہ کرے

میرے شاہد کی اگر دیکھے صورت زاہد
اور کچھ جز مے و معشوق تمنا نہ کرے

سجدہ و حافظؔ اسی محرابِ دو ابرو میں درست
ہو مسلماں نہ اگر سجدہ اسی جا نہ کرے

اے کہ در کوئے خرابات مقامے

ساکنِ کوئے خرابات۔ مقام اچھا ہے
ہے جم وقت ہی گر ہاتھ میں جام اچھا ہے

رخ و گیسو ہی میں دل شام و سحر ہے تیری
ہو اسی طرح اگر صبح سے شام اچھا ہے

تشنہ لب جو تری رہ میں سسکتا ہے صبا
لا دے ایک یار مسافر کا پیام اچھا ہے

لبِ خندانِ قدح سے بوئے جاں آتی ہو
دیکھ تو سونگھ کے تیرا بھی مشام اچھا ہے

مہرباں ہوگیا کی ترک فلک نے تو جفا
اب تو اس طرز میں تیرا ہی خرام اچھا ہے
کیا عجب تجھ سے جو بن آئے کوئی کارِ غریب
کون ہے شہر میں ایک تیرا ہی نام اچھا ہے
گر وفا کو نہیں کچھ تیری قرار اور قیام
ہو اگر جور و جفا ہی کو دوام اچھا ہے
خالِ سرسبز سے کیا اور تو اُمیدِ فلاح
بر کنارِ چمن ایک دانہ بدام اچھا ہے
سینکڑوں وردِ سحر حافظِ جاں ہیں تیرے
یہ ترا حافظ شب خیز غلام اچھا ہے

اے کہ مہجوری عشاق روا میداری

تُو ہی مہجوریِ عشاق روا رکھتا ہے
کوئی آقا بھی غلاموں کو جدا رکھتا ہے؟
تشنۂ بادیہ کو بھی تو ڈبجیورہ میں ایک گھونٹ
اے کہ اُمید ملاقات خدا رکھتا ہے!
دل لیا تو نے۔ دیا میں نے۔ مگر اے مشفق
نہ سُنوں یہ کہ تُو مجھ سے بھی بُرا رکھتا ہے
تیرے ساغر سے پئیں غیر۔ یہ ہو وجہ ملال
ہم کو برداشت نہیں تُو ہی روا رکھتا ہے
کہہ دو سیمرغ کے میداں میں منڈلائے مگس
گر عزیز اپنا وجودِ سر و پا رکھتا ہے
اپنی کوتاہی سے جاتا ہے تو محروم یہاں
کس کی فریاد ہے اور کس کا گلا رکھتا ہے؟
اے دلِ خام طمع۔ شرم کر اُس عوے سے!
کیا کرے کام جو اُمیدِ عطا رکھتا ہے
ہے مگر جور و جفا عادتِ خوباں حافظ
تُو ہی اس فرقہ سے اُمیدِ وفا رکھتا ہے

ایں خرقہ کہ من دارم در رہن شراب اولے

یہ جُبہ یہ عمامہ ہو رہنِ شراب اچھا
مہمل یہ سند نامہ غرقِ مےِ ناب اچھا
ہے بے سر و پا جب تک یہ وضع فلک باقی
سر میں ہوسِ ساقی توق مےِ ناب اچھا

زیبا نہیں درویشی میں عافیت اندیشی
دیدہ بھی پر آب اچھا سینہ بھی کباب اچھا

سب عمر تبہ کر کے دیکھا جو نگہہ کر کے
ایک رندِ خراباتی افتادہ خراب اچھا

رازِ دل زاہد یوں سن لینے میں کیا لذّت
کھلتا ہے یہ افسانہ بر چنگ و رباب اچھا

دل تجھ سے دلِ آرا سے پھرنے کا نہیں گاہے
کچھ بے رُخی گر پائے تُو نے زلف کو تاب اچھا

بُوڑھے ہوئے اب حاؔفظ میخانے سے رخصت ہو
پینا یہ مزے کرنا تھا عہدِ شباب اچھا

با مدعی مگوئید اسرارِ عشق و مستی

کہنا نہ دشمنوں سے اسرارِ عشق و مستی
مرنے دو اُن کو غافل در رنجِ خود پرستی

با وصف ناتوانی مثلِ نسیم خوش رہ
بیمار و دست رہنا بہتر کہ تندرستی؟

کچھ علم پر نظر ہے تو بے خبر گزر رہے
ایک نکتہ ہے سمجھ لے۔ ہاں اپنی کچھ نہ ہستی

عاشق ہو ورنہ ایک دن نے بوجھے نقشِ مقصد
چھوٹیں گے سب یہ ساماں اور کارگاہِ ہستی

سستی ہے کارِ دیں میں ایک کفر کی علامت
رندو تمھیں ہو زیبا چالاکی اور چُستی

یہ آسماں نہیں ہو۔ ہے آستانِ جاناں
اس کی بلندیوں سے ہرگز نہ ہو گی پستی

کانٹا ہو کر کھٹکتا گُل معذرت ہے کرتا
تلخیِ مے گوارا کرتا ہے ذوقِ مستی

گوشے میں عافیت کے کب تک پڑے سڑ ینگے
نرگس سے چل کے لیجے درسِ رموزِ مستی

حلقے میں پیرِ مے کے شب مغبچہ بھی چرُ نا
ملئے نہ کافروں سے۔ یا کیجے بُت پرستی

اے سلموں کے والی! زلفوں نے دھوم ڈالی!
کب تک کریں گے ہندو ہم پر یہ چیرہ دستی؟

دیکھے تھے تب ہی بر پا فتنے یہ سب کیے ہم سے
رَم کرنے کو تھی ہر دم گردن تری اُکستی

آتا جو دیکھے خرقہ۔ مشغولِ کارِ خود رہ
جو قبلہ ہیں یہاں وہ مشغولِ خود پرستی

صوفی پیالہ کش ہے قاضی لیے قرابا — اے کوتہ آستینو! ہیں یہ دراز دستی؟
کیا دیکھیے دکھائے طوفانِ عشق اے جاں — بجلی کی کشمکش سے چھوٹیگی تو نہ کشتی!
حافظ نے دیکھ ہی لی ایڑی تلک وہ چوٹی — کن سربلندیوں سے آخر کو پائی پستی!

بجانِ او کہ گرم دسترس بجاں بودے

قسم تمہاری روا گر ہلاکِ جاں ہوتا — کمینہ پیش کشِ نذرِ بندگاں ہوتا
پھنسا نہ ہوتا جو بے طرح زلفِ یار میں دل — مقام اُس کا نہ یہ تیرہ خاکداں ہوتا
بہائے خاکِ کفِ پائے یار کہہ دیتا — جو زندگی کا یہ سرمایہ جاوداں ہوتا
وصال کیسا کہ وہ خواب میں نہیں آتا — نہ آتا کاش مجھے خواب ہی یہاں ہوتا
نہال قد کا ترے سرو معترف ہوتا — جو مثلِ سوسنِ آزاد دہ زباں ہوتا
سرود و ساز میں سنتے نہ نالۂ حافظ — اگر نہ ہمدمِ مرغانِ صبح خواں ہوتا

بہ چشم کردہ ام ابروئے ماہ سیمائے

بھویں بسی ہوئی آنکھوں میں ماہ سیما کی — کبھی خیال ہیں تصویر ایک سراپا کی
دماغ خیرہ ہوا چشمِ انتظار فنا — ایک آرزو ہیں کسی ماہِ مجلس آرا کی
خیالِ رُخ میں یہاں چاند پورا غایب ہو — کسی تارے نے جھلمل سی کی بھی تو کیا کی
زمام دی دلِ مسکیں نے اپنے ہاتھ میں اب — نہ تخت و تاج کی جس نے کسی کے پروا کی
دو دستی غمزۂ خوباں کی جب چلے تلوار — نہ پُوچھ قدر سرِ افتادہ در پا کی
دکھاتا آگ ہوں خرقہ کو، ہو گیا بیزار — تماشا دیکھ لے لت ہو جسے تماشا کی

بجائے تختۂ تابوت چوبِ سرو رہے
جلا ہُوں آرزو میں ایک بلند بالا کی

زہے ستم! مرے وارِثِ جُرمِ اُلفت پر
ترے کمانچۂ ابرو کی نقل طغرا کی

فراق و وصل ہیں کیا۔ کر رضائے دوست طلب
کہ حیف اُسی سے اگر غیر کی تمنا کی

نکالیں سیپیاں سر سطحِ آب سے اُوپر
کرے جو کشتی میں حافظؔ تو سیر دریا کی

بلبل ز شاخ سرو بہ گلبانگ پہلوی

بلبل کی شاخ سرو سے گُلبانگِ پہلوی
کھولے ہوئے ہے درس مقاماتِ مثنوی

چمکی برنگِ آتش موسےٰ بہارِ گُل
روشن ہوئے شگوفوں سے اسرارِ معنوی

مرغانِ باغ قافیہ گو اور بذلہ سنج
مے نوش ہو جیے بہ غزلہائے پہلوی

جمشید کا نشاں ہے فقط قصہ جام کا
دھوکا نہ دیں تجھے بھی یہ اسبابِ دنیوی

لذتِ فقیری بوریے سُکھ نیند چین کی
یہ عیش تھے نہ در خورِ اورنگِ خسروی

درویش ہوں، گدا ہوں، برابر مگر نہیں
کمبلی مری کلاہ کے سَو تاجِ خسروی

مے پی لے میرے شعر و سے دل تنگ تُو نہ ہو
دل خوش نہیں تو خاک ہیں سب عیشِ دنیوی

وہ چشم مست کر چکی برباد خانماں
کرنے بیٹھے اب نہ مِنّت کی مخمور پیروی

اِن تخت وارگوں کی حکایت عجیب ہے
اُلٹا حلال کر گئے انفاسِ عیسوی!

ساقی دیا وظیفۂ حافظؔ میں بادہ کیا؟
پھُولا ہُوا ہے طرۂ دستارِ مولوی!

تنہا با ما گرازاین کینہ داری

صنم ہم سے نہ تُو یہ کینہ رکھے
جو پاسِ صحبتِ دیرینہ رکھے

نصیحت سُن ہو اُس موتی سے خوش آب — حفاظت سے جو در گنجینہ رکھے
خمارِ مفلساں کی بھی دوا کر — خدارا اگر مئے دوشینہ رکھے
وہ ہم جلیسوں سے کیونکر رُو برو ہو — جو مہر و ماہ سا آئینہ رکھے
ملامت شیخ کر رندوں کو بیشک — اگر حکمِ خدا سے کینہ رکھے
نہ ڈر بندے کی آہِ آتشیں سے — ہزار ایک خرقہ پشمینہ رکھے
ترے اشعار بہتر سب سے حافظ — گواہ قرآں ترا خود سینہ رکھے

بیار بادہ و بازم رہاں ز رنجوری

پلا دے بادہ کہ ہو دفع دل سے رنجوری — سوائے بادہ نہیں کچھ علاج مخموری
نہیں ہے اور کوئی سازِ رونقِ مجلس — سوائے روئے نگار اور شرابِ انگوری
صلاح و تقویٰ گیا سب فریبِ اوّل ہیں — دریغ ہو گئی کُل مالِ دین کی چوری
ادیب! عشق سے کبتک کریگا منع مجھے؟ — خلاف ادب کے ولے عرض ہے مجبوری
ہیں عشق ہی سے تو زندہ جہاں میں صاحبدل — جو عشق ہی نہیں تجھ کو تو خیر۔ معذوری
ملی یہ راحتِ وصل اور چھُٹی وہ محنتِ ہجر — ہماری کشورِ دل پھر ہے رو بہ معموری
نہ سحرِ غمزۂ فتّاں پہ ہو بہت مغرور — میں آزما چکا بے فائدہ ہے مغروری
ہر ایک سے کہنے کے لائق نہیں ہو حافظ راز — سنا اُسی کو جو کھینچے ہو محنتِ دُوری

بہ صوتِ بلبل و قمری اگر نہ نوشی مے

نہ پی جو بلبل و قمری کے کُوکتے ہی مَے — علاج کچھ نہیں جز "آخر الدّوائے الکیٔ"

نقابِ گُل کے اُٹھی ساتھ ہائے وہ ہُوئے چمن
پیالہ تُو بھی اُٹھالے نہ کر بہت ہے ہے

ذخیرہ کر لے غنیمت ہیں رنگ و بُوئے بہار
لگے ہیں رہزنی کرنے کو ساتھ بہمن و دَے

پیا نہ دے کے جو۔ وہ کیا دیا زمانے نے ؟
نہ جانے سفلہ و ناکس تواضع ہے کیا شے

میّسر آبِ حیات اور تشنہ مر جائے ؟
فَلَاتَمُتْ کہ مِنَ الماءِ کُلُّ شَیْءٍ حَیّ

حرام رکھنا حفاظت سے مالِ متروکہ !
بقولِ مطرب و ساقی بفتوئے دفؔ و نےؔ

رقم ہے بر سرِ محرابِ جنّتُ الماوےٰ
مرے جو عشوہ دُنیا پہ ہائے ہائے رے وَے !

تکوہِ سلطنت و حکم کے گھڑی کے ہیں
ہے ذکرِ تختِ جم اور قدر سے یادِ افسرِ کَے

ہے امر طے شدہ ساقی سخا نہیں باقی ،
پلا وہ جام پھڑک اُٹھے رُوحِ حاتمِ طےؔ

بخیل بوبھی نہ بخشش کی پائے ، آحافظ
پیالہ تھام . کہا مان . الضّمان علےٰ"

بچشمِ مہر اگر با من مہم را ایک نظر بودے

اگر اُس ماہ کو اک مہر کی ہم پہ نظر ہوتی
تو اُس سیمیں بدن سے مِل کے یہ تقدیر زر ہوتی

سہر پُرشوق رکھتے اُس کے قدموں میں پڑے رہتے
ہماری مقدرت یا رب نہ اتنی مختصر ہوتی

نقاب اُٹھ کر اگر وہ چاند سا چہرہ نکل آتا
تو کیسی مست نرگس سے زمیں پر شورِ شر ہوتی

کبھی تو ماہِ خوباں مجھ پہ شاید مہرباں پاتا
مرے اِس درد کی اک دن اُسے کی تو خبر ہوتی؟

جو نوبت وصل کی ہوتی کسی دن روزِ ہجراں سے
مُبارک ہوتی ساعت ! کیا ہی اچھا تھا اگر ہوتی !

نہ کہتا کوئی شیریں تر سخن حافظ سے دُنیا میں
گر اِس طوطی کو بھی حاصل اُن ہونٹوں کی شکر ہوتی

برو زاہد بامیدے کہ داری!

بڑھا زاہد امیدوں کی سواری
وہی ہم ہیں وہی امیدواری

پیالہ رہ گیا در دستِ لالہ
لے آ ساقی جو باقی ہو وہ ساری

جکڑ میرے بھی دیوانوں کی رسی
ہے بیہوشی سے بدتر ہوشیاری

کرو پرہیزگارو مجھ سے پرہیز
کئے ہوں توبہ پرہیزگاری

دل آئے اور خمِ گیسو میں پھنس جائے
اگر چاہے خلاص و رستگاری

بہار آئے تو توبہ توڑ دیجے
نہیں اس فصل میں کچھ پائیداری

عزیزو! نو بہارِ عمر گزری
نکل جیسے گئی بادِ بہاری!

سن اب حافظ یہ کڑوی کڑوی باتیں
بہ غفلت عمر کیوں ناداں گزاری!

بگرفت کارِ حسنت چوں عشق من کمالے

تو حسن میں ہو کامل یہاں عشق میں کمال ایک
ہونے نہ دیں گے مل کر ہم ایک کو زوال ایک

ہو جائے رحم اب تو مہرِ رخِ حسیں سے
یہ جسم گھلتے گھلتے اب رہ گیا ہلال ایک

ہو حظِ عمر حاصل گر عمر بھر میں ایک دن
اور ایک دن میں بھی ہو گر لمحۂ وصال ایک

میں تیرے پاس ہوں تو ایک سال ایکدن ہے
اور پاس تو نہیں تو ایک روز بھی ہو سال ایک

تیرا خیال چھوٹا دل سے نہ خواب میں بھی
آنکھوں کو ہو گیا ہو گو خواب بھی خیال ایک

جو وہم میں نہ آئے کیا عقل میں سمائے
کیا اور اس سے بہتر ہو سکتی ہو مثال ایک

مایوس ہو نہ حافظ گر وصلِ یار چاہے
اس سے برا نہیں ہو الفت میں احتمال ایک

بفراغ دل زمانے نظرے بماہ رُوئے

بفراغِ دل بس ایک دم نظرِ ایک ماہ رُو میں
نہ کہ ساری عمر تختِ شہی چترِ ہائے وہُو میں

بخدا خود اپنی آنکھوں سے ہو کیوں نہ رشک مجھ کو
کہ نگہ نہیں گنہ ہے نظر اُس لطیف رُو میں

گیا دل تو پھر بتا کیا مرے لال تجھ پہ گزری؟
ہوئی عمر پھر نہ آیا تجھے ڈھونڈھا چارسُو میں

دمِ آخر اور لبوں پر۔ تجھے آنکھ بھر نہ دیکھا
تجھے دیکھتا ہی اور کیا مری باقی آرزو میں

نہ کرائے صبا مشوّش مرے گیسوئے پریرُو
ہے ہزار جانِ حافظ بندھی ایک تارِ مُو میں

پدید آمد رسومِ بے وفائی!

جدھر دیکھو ظہورِ بے وفائی
نہیں باقی نشانِ آشنائی

ہنرور ہر خسِ دُنیا کے آگے
ہیں پھیلائے ہوئے دستِ گدائی

زمانے بھر کا گر فاضل ہے کوئی
نہیں غم سے اُسے اک دم رہائی

مگر جاہل کو کیا کیا نعمتیں ہیں
جہالت نے بھی کیا قیمت ہے پائی!

سُنائے لاکھ شاعر شعر خوش آب
کہ ٹھنڈک دل کو دیں اور روشنائی

نہ دیں ایک جَو مگر خسّت کے مارے
اگر شاعر ہوں خود حضرت سنائی

خرد نے کان میں میرے کہا رات
کہ جھیلو صبر سے یہ بے نوائی

بگوشِ دل سُن اے حافظ کہ جس نے
گرایا خود کو فوقیّت بھی پائی!

تُرا کہ ہر چہ مُرادست در جہاں داری

مُرادِ دل ہے جو دامن بھرا ہیاں رکھئے
کہاں وہ یادِ غمِ زار و ناتواں رکھئے

یہ جانِ دل بھی یہ روح و رواں بھی کرئے حوالے
جو تیغ بہ سرِ آزادگاں رواں رکھئے

لطیف روح اگر ہے تو پی مدام حریف
علی الخصوص اگر غم سے سرگراں رکھئے

بیاضِ رخ کی بھلا کیونکر بن سکے تصویر
سوادِ زلف مرکب بار غواں رکھئے

نہ ہو عتاب زیادہ نہ جورِ ان کے سوا
روا ہو چاہے وہ خشک بے گماں رکھئے

ہزار تیرِ جفا کا ہے اختیار لگائے
نہ جانِ خستہ پر ایک تیرِ بے کماں رکھئے

اُٹھائے جورِ رقیباں بہ خندہ پیشانی
کہ عشق سہل ہے گر یارِ مہرباں رکھئے

وصالِ دوست جو صرف ایکدن ہی حاصل ہو
وہ عمر بھر کے مزے اور چکھوتیاں رکھئے

لبوں کی دل نے حکایت پہ ہونٹ چاٹ لئے
تری تو بات بھی شیریں مری زباں رکھئے

ہلا نہ پی گو دو تو بچوں سے بھر چلے حافظ
بجائے نالہ و فریاد با غباں رکھئے

تو مگر بر لبِ جوئے زہوس نشینی

بیٹھ کر آبِ رواں پر یہ بھلا رنگینی
اُٹھ کہ کیا فتنہ بپا کر دے تری خود بینی

ہرگز یہ دہ ہے توجہ کا تجھے اس کی ہی قسم
کیا جگر میری کسی غیر نے دل میں چھینی

کیا کروں جورِ رقیباں پہ نہ گر صبر کروں
عاشقوں کے لئے کیا چارہ ہے جز مسکینی

ادب و شرم سے تو خسروِ مہرویاں ہے
صد مبارک ہے تری شرم یہ بھینی بھینی

ہمنشیں خار کا ہو گل کی لطافت سے عجب!
ہے کوئی مصلحتِ وقت یہ بے آئینی

سخن بے غرضِ بندۂ مخلص سُن لے
اے کہ منظورِ بزرگانِ حقیقت بینی

نازنین تجھ سا یہ پاکیزہ رُخ ونیک نہاد
مردمِ بد کا قریں؟ تجھ کو چھوئے بدطینی؟

حیف گر تُو ہو خراماں بہ تماشائے چمن
خوشتر از گل گُل ونسریں کی کرے ہمچینی؟

شیشہ بازیٔ سرِ اشکوں کی چپ و راست سے دیکھ
آ، کر اس منظرِ بینش میں تماشا بینی

یہ تری دلکشی و نازکی اے مایۂ حسن
اِس کے لائق ہے جگہ بزمِ جلال الدینی

پھر رہی میں ہوں ہی کوچۂ عشق و کشکول
کیا گزارہ ہے فقیروں کا بجز مسکینی

بہ سلامت جو پہونچ جائے امانت بھر پائے
بیدلی سے گزر آساں ہو نہ ہو بیدینی

صبرِ حافظ کا بہائے گیا سیلِ سرِ شک
بلغ الطاقۃ یا مقلۃ عینی بینی!

جاں فدائے تو کہ ہم جانی وہم جانانی

جاں فدا تجھ پہ کہ جانی بھی ہو اور جانانی
سر رکھے در پہ ترے جاتی ہے سرگردانی

سر سری اُٹھ نہیں سکنے کا سر اس چوکھٹ سے
کارِ دشوار نہیں ہوگا بایں آسانی

خام کو طاقتِ پروانۂ پر سوختہ کیا
نازنینوں کے نہیں بوتے کی جاں افشانی

وقتِ آرام نہیں۔ بیٹھے ہیں چھکے چھوٹے
دیدے گستاخ نہیں۔ چھا گئی ہے حیرانی؛

رازِ دل فاش رقیبوں پہ ہوا آخر کار
چھپ کے رہ سکتی کہاں تک خبر پنہانی

میرے دیدوں پہ جگہ دے جو نہالِ قد کو
تر و شاداب رکھے چشموں کا ان کے پانی

دیکھ کر زلف کے پھندوں میں جو دل سے پوچھا
کیا گزرتی ہے تو کب چھوٹے گا اے زندانی؟

بولا ہاں ہاں تجھیں کیوں رشک نہ ہوگا مجھ پر
کس گدا کو یہ ملا مرتبۂ سلطانی؟

سچ ہے حافظ تو نہیں قابلِ صحبت اس کے
تیرے لائق فقط اس کوچہ کی ہے سگبانی

جائے حضور و گلشنِ امن است ایں سرائے

آنند بھون! جھروکۂ روشن! محل سرائے
آئے جو اس مکاں میں سراسر طرب میں آئے

اے قصرِ دولت! آہ تو کس کا مکان ہے؟
شاخیں درختوں کی کہ ہما ہیں پروں کو چھائے

آب و ہوا ہیں آتشِ موسے کی خاصیت
اور خاک آبِ خضر ہی جو زندگی بڑھائے

تازہ شگفتہ پھول۔ رواں بخشِ ہر چمن
زلفِ بنفشہ دل سے صبا کی گرہ مٹائے

سنبل کی بانکڑی میں مہک جو کڑی بھرے
اور جائے خاک زلفِ صبا مشک ہی اڑائے

ہر صبح اس آستانہ پہ جمشیدِ تختِ چرخ
بھرِ صبوح جامِ جہاں بیں کھڑا لیجائے

حافظ یہاں سے جا نہ کہیں عیش کر یہیں
ایسی بہشت میں بھی نہیں ہو گی کوئی جائے

جاناں خیال روئے تو دارند ہر کسے

جاناں! خیال میں ترے رہتا ہے ہر کوئی
لیکن نہ ہو گا مجھ سے تو مشتاق تر کوئی؟

گر آفتابِ حسن وہ طالع ہو بام پر
لائے نہ آنکھ میں کہیں حسنِ قمر کوئی

افواجِ غم ممالکِ دل میں دھڑلے سے
تاراج کرتی ہیں نہیں ہوتا خبر کوئی

اس دل پہ جو گزرتی ہے دستِ فراق سے
دل جانے یا خدا نہیں واقف بشر کوئی

گم ہو کسی کا مجمعِ خوباں میں نقدِ دل
رکھتا ہے کیوں تجھی پہ گماں اس کا ہر کوئی؟

حافظ سمایا سودا بھی سر میں تو ایسے کا
جس سے کہ لے گیا نہ سلامت ہی سر کوئی!

چہ قامتی کہ ز سر تا قدم ہمہ جانی

نہیں وہ جسم، سراپا تمام جان ہی ہے
کہاں یہ صورتِ آدم غلط۔ گمان ہی ہے

نہ جانیں رخ بھی گُلِ گلستانِ جنّت ہے
نہ مانیں قد بھی۔ کہ خود سروِ بوستان ہی ہے

حکایتوں میں سُنا تھا بہت حسین تجھے
مگر جو دیکھا تو اک حُسن کا جہان ہی ہے

نہیں ہوں بیٹھنے والا میں جستجو سے تری
اگرچہ بیٹھنے کو گر یہ سے مکان ہی ہے

نہیں اُٹھے گا ترے نقشِ پا سے سر اپنا
پھرا لے ہجر میں تُو، پھر یہ آستان ہی ہے

وہ گر سپہر جفا پیشہ، حال اپنا بھی
ہے روزگار کہ ویرانی جس کی شان ہی ہے

علیلِ چشم کی مانند جسم بھی ہے نڈھال
نہ صرف زلفِ پریشان کی دلیل نشان ہی ہے

براہِ لطف و کرم ہی نجات دے جو نہیں
یقین مصیبت حافظ کا خوش گمان ہی ہے

چون در جہان خوبی امروز کامگاری

حاصل ہو گر جہاں کی خوبی و کامگاری
عاشق کی دو لبوں سے کر مدعا بر آری

ہم عاشقوں سے کبتک آخر یہ ناز ہوں گے
مسکیں دلوں پہ کب تک ہو گی جفا و خواری

کبتک ان انکھڑیوں سی یہ عین ناتوانی
اُن کاکلوں سی کبتک بیتابی بیقراری

جو جو ستم اُٹھائے جو درد دل نے پائے
جانے اگر ذرا بھی آنسو ہوں تیرے جاری

صہبائے وصل کی گر اک چھینٹ اُڑ کے پڑ جائے
پھر عمر بھر نہ جانوں کیا شے ہے ہوشیاری

ہو ہی چکا تھا میں تو فرقت میں گر نہ آتی
اُس باغ بوستاں سے بوئے امیدواری

میں ایک بندہ عاجز۔ تو قادر و توانا
کیا زور کے مقابل تیرے ہو میری زاری

دوکانِ عاشقی کو سرمایہ چاہیئے ہے ‏— دل میں ایک آگ روشن آنکھوں سے آب جاری
جی تو اٹھوں گا محشر میں ہوئے وصل پا کر — چھوڑے گی سر نہ میرا بالینِ شرمساری
بس رحم کے ہو قابل اب حالِ زار حافظ — کب تک یہ نامرادی کب تک یہ رنج و خواری

چو سرو گر بخرامی دمے بگلزارے

وہ سروِ ناز جو گلشن میں آ گیا بارے — یہ گل کے دل میں چبھے خار چیخ ہی مارے
ہے کفرِ زلف سے ہر حلقہ میں بپا محشر — جدھر اٹھاؤ نظر سحرِ چشم کے مارے
نثارِ نقشِ قدم جان ہو گو اس کے لئے — رواں وہ درہم و دینار ہیچ ہیں سارے
نصیب ہوئے کہ ہے چشمِ مست یار کو خواب — بپا ہیں چار سو بیدار دل کے جیکارے
نہ ہانک شیخیاں ان دلبروں کی زلفوں کی — جو تیرہ رائے ہوا دل تو دیکھے گا تارے
لگایا سر بھی ولے سر ہوئی کبھی نہ مہم — پھنسایا دل تو اسے خیال بھی ہوا بارے؟
کہا جو نقطہ بن آ حلقہ میں فقیروں کے — ہنسا کہ حافظِ پرکار سرنگوں جائے

چہ بودے گر دل آن ماہ مہرباں بودے

برا نہ ہوتا جو وہ ماہ مہرباں ہوتا — چنیں نہ ہوتی یہ حالت وہ گر چناں ہوتا
نسیمِ طرۂ جاناں کے بھاؤ بتلاتا — ہر ایک موئے بدن گر یہ صد زباں ہوتا
الٰہی عیشِ جہاں تھڑ نہ جاتا گر میں یہاں — ہر زماں سے ہی فی الجملہ در اماں ہوتا
اگر میں ہوتا بھی دنیا میں تاجدار و عزیز — تو پھر بھی تخت تو میرا وہ آستاں ہوتا
خیال سدرہِ اشک ہو گیا ورنہ — ہزار چشمہ ہر ایک سمت میں رواں ہوتا

کسی نے مجھ کو کوئے دوست کا نشاں نہ دیا
دگر نہ ہیچ یہ سب باغ و بوستاں ہوتا

نکل وہ پردے سے آتا تو جائے سیلِ سرشک
اُسی کا حکم ہر ایک آنکھ سے رواں ہوتا

ہو بے نظیر رُخ مہرِ آسماں کیا کام
بہ طبع کاش کہ ایک ذرہ مہرباں ہوتا

تھی راہِ دایرہ عشق چو طرف مسدود
دگر نہ حافظِ بیدل بھی درمیاں ہوتا

خوشتر از کوئے خرابات نہ باشد جائے

ہو نہیں سکتی خرابات سے خوشتر جائے
اپنی تو قبر بھی اے کاش یہیں بن جائے

شیشہ و بادہ و کنجِ چمن و روئے حسین
کہہ دے تجھ سے بھی جو جو تجھے مرے من بھائے

جائے تو، دیرِ مغاں. لطف وطن بھلوا دے
رائے تو۔ رُوئے بتاں۔ کیا ہی مبارک رائے؟

کون کہتا ہے جہاں میں نہیں مجھ سا عاشق؟
بُوالہوس کا ہے مقولہ نہ یقیں فرمائے!

صنما دل میں جگہ تیرے سوا کس کی ہے
صرف تیری ہو نہیں اور کسی کی جائے

ہے ادب شرطِ محبت نہ نکالے منہ سے
کلمہ دیر کا جز برہمنِ دانائے

کر ترحم دلِ مجروح پہ حافظ کے اگر
آج تو مانے کہ ایک کل بھی یقیناً آئے

خوش کرد یاوری فلکت روز داوری

کی جنگ و داوری میں خدا نے تری یاوری
اب دیکھنی رہی تری شکرانہ آوری

اُس کی گلی میں شوکتِ شاہانہ ہیچ ہے
اقرارِ بندگی کر د اقبالِ چاکری

گرتے ہوؤں کا دیکھ خدا بھی ہے دستگیر
اے بندے تو بھی سیکھ لے افتادہ پروری

ساقی پہونچ یہاں بھی کوئی لے کے خوشخبر
ہو ایک دم تو شاخِ دل غمزدہ ہری

رہرو ہو اس کٹھن میں سبکبار چاہیے — خطروں سے شاہ راہِ بزرگی کی ہے بھری
سلطان و فکرِ لشکر و افکارِ تاج و گنج — درویش و جمع خاطر و گنجِ قلندری
یکساں ہے دخل دونوں کو نیلِ مرام میں — شاہوں سے نذر خیر، فقیروں سے یاوری
کہتا ہوں مشفقانہ کہ اے نورِ دل معاف — "اصلح خیر،، جنگ میں دیکھی نہ بہتری!
حافظ نہ گردِ فقر و قناعت جبیں سے پونچھ — شرمندہ خاکساری سے ہے کیمیاگری

در ہمہ دیرِ مغاں نیست چو من شیدائے

چھان لی دیرِ مغاں مجھ سا نہیں ہے شیدا — خرقہ ایک جا ہے گرد علم کا دفتر ایک جا
لے چکا لب سے یہ پیاں صنمِ بادہ فروش — نہ پیوں دیکھوں نہ جب تک وہ رخِ دل آرا
دل کے آئینہ شاہی پہ تو جم جاتا ہے زنگ — دے خدا اور کوئی عقل کا روشن تارا
کی ہیں دیدوں نے رواں دامنِ تر سے نہریں — ان کناروں پہ لگا تا کوئی سروِ بالا
کون جز شمع زباں راز پہ کھولے اپنے — وہ تو کہیے نہیں پروانے کو مطلق پروا
کشتیِ بادہ کوئی لائے کہ بے دوست یہاں — دل نے آنکھوں سے رواں کر دیئے غم کے دریا
ذکر کچھ اور سنوں گا ہی نہیں خلد پرست — مے ہو، معشوقہ ہو، بس اور نہیں کچھ منشا
جانہ نرگس کی تو ہم چشمی کی بکواس پہ سن — کوئی بینا نہیں جاتا ہے پسِ نا بینا!
کیا ہی دلچسپ لگی صبح درِ میکدہ پر — ق نغمہ زن با دف و نے گاتا تھا طفلِ ترسا

یہی اسلام ہے حافظ کہ جو تیرا اسلام
وائے گر آ سے کوئی آج کے پیچھے فردا

دیدم بخواب دوش کہ ماہے برآمدے

ایک چاند شب کو خواب میں پیشِ نظر ہوا
پرتو میں جس کے عرصۂ ہجراں بسر ہوا

تعبیر پائی یارِ سفر کردہ آئے گا
کیوں آج سے بھی کاش نہ یہ پیشتر ہوا

کیا خوب ہوتا خواب کے آجاتا ماہم قدم
جھونکا ہوا کا بھی نہ کوئی راہبر ہوا

جانیں فدا میں کرتے ہم اُس دلنواز پہ
وہ رُوح بن کے بھی نہ کبھی جلوہ گر ہوا

جس نے سکھائی سنگدلی اُس کو اے خدا
پتھر پہ پاش پاش نہ کیوں اُس کا سر ہوا

ہو گی نہ پھر مجال رقیبوں کو ظلم کی
کوئی ستم رسیدہ جو فریاد پر ہوا

اے دل وہ دن بھی یاد ہیں جب ہر گھڑی وصال
ایک یار کا پیام براہِ دگر ہوا؟

یادش بخیر ساقیٔ فرخندہ فال وہ
دروازہ جب کھلا وہیں پیشِ نظر ہوا

خامانِ رہ نرفتہ کو کیا ذوق عشق کا
دریا دلوں دلیروں سے یہ گھاٹ سر ہوا

آبِ خضر نصیبِ سکندر ہو کیا ضرور
ایسا بھی کیا جہاں میں بھلا زورِ زر ہوا

مقبولِ طبع شاہِ سخن پرور آئے گا
حافظ جو شعر غیرتِ تر ہی طرز پر ہوا

رفتم بہ باغ تا کہ بچینم سحر گلے

پہونچا میں صبح باغ، جھکا چننے کو گل ایک
ناگاہ آئی کان میں فریادِ بلبل ایک

مجھ سی ہی وہ غریب بھی ایک گل پہ تھی فدا
برپا فغاں سے اُس کی تھا گلشن میں غلغل ایک

پھرتا رہا میں باغ میں پہر پہر کے بھی رہا
دل میں بہار و گل و بلبل تامل ایک

ہر فصلِ گل ہزاروں ہی کھلتے ہیں باغ میں
خالی خلش سے خار کی پایا نہیں گل ایک

گل یارِ خار دیکھا تو بلبل قرینِ عشق
ہرگز تغیر اس میں نہ اس میں تبدل ایک

رودادِ عندلیب اثر دل میں کر گئی
باقی نہ مجھ میں نام کو چھوڑا تحمل ایک

حافظ مدارِ چرخ سے پھر کیا فلاح کار
اس میں بھی دیکھتے ہیں جھڑا گوکھرو گل ایک

روزگاریست کہ ما را نگراں میداری

کون مدت سے ہمیں تو نگراں رکھتا ہے
مخلصوں کو بھی بوضعِ دگراں رکھتا ہے

گوشۂ چشمِ رضا سے کبھی دیکھا نہ ہمیں
بس یہی حرمتِ صاحب نظراں رکھتا ہے؟

داغِ غم سے ترے گل باقی نہ بلبل چھوٹی
اس کو صد چاک اُسے نعرہ زناں رکھتا ہے

گل و بلبل پہ صبا حسن ترا کھول گئی
اہلِ گلشن کو بھی تو دل نگراں رکھتا ہے

رندی۔ آوارگی سب ہیر اگنہ ہے لیکن
تو بھی باعث ہے یہ ایک دوست گماں رکھتا ہے

نرگسِ باغِ نظر چشم و چراغ اے دلبر
اپنے دل خستہ سے کیوں طبع گراں رکھتا ہے؟

طمعِ مہر و وفا بچوں سے؟ لاحول ولا!
عقل اے پیرِ خرد اپنی کہاں رکھتا ہے؟

کاسۂ جامِ جہاں بیں کی تھی طینت کچھ اور
تو تمنائے گلِ کوزہ گراں رکھتا ہے

کیسۂ سیم و زرِ نقد کو جھڑکا کے تو دیکھ
جی میں گر کچھ ہوسِ سیمبراں رکھتا ہے

دیں گے یہ دلقِ ملمع نہ کوئی ذوقِ حضور
آرزوئے بصر از بے بصراں رکھتا ہے

دین و دل دونوں دوں اور سچ بھی نہ بولوں ہے ہے
کہ تو اس حالتِ بد سے مجھے یہاں رکھتا ہے؟

چوڑی اس ہاتھ میں کیا چاہیئے کنگن ہیں یہی
خونِ اربابِ ہنر کے جو نشاں رکھتا ہے

شکر کے دن یہ شکایت میں گزریں حافظ
کیا گئے گزرے زمانے کا دھیاں رکھتا ہے

زین خوش رقم کہ بر گل رخسار می کشی

دکھلایا خط یہ بر گُل رخسار کھینچکر — خط بر صحیفۂ گُل و گلزار کھینچکر
ہی ہی یہ دل بچیگا نہ ابرو و چشم سے — تانے کماں ہیں بر سر بیمار کھینچکر
بادِ صبا یہ ڈال کے ڈورے وہ بوئے زلف — بیکار کو بناتی ہے با کار کھینچکر
آ آکے یاد وہ لب میگون چشم مست — خلوت سے لائیں خانۂ خمار کھینچکر
اُس کے حرم نشیں کو پس ہفت پردہ سے — اس طرح تو نہ لا سر بازار کھینچکر
مت بھاگ چشم بد سے بچاؤنگا میں تجھے — دامن ترا نہ پھاڑیگا یہ خار کھینچکر
دنیا کی اور آرزو حافظ جو ہو تبا — مے پی کے اور وہ طرۂ طرار کھینچکر

زگوئے یار می آید نسیم باد نوروزی

وہ آئی کوئے جاناں سے نسیم باد نوروزی — کریں اُس کی ہواداری سے دل کی شمع افروزی
نکل آ پردے سے اے گُل سخن در پردہ کہتا ہوں — زیادہ پانچ دن سے کب ہی حکم میر نوروزی
جو ہو زردار مثل گُل خدارا عیش کو دے کُل — غلط پر تھا غلط قاروں کا سودائے زراندوزی
طریق کامیابی کیا ہے ترکِ کام خود کرنا — کُلاہِ سروری یہ ہے نہیں ٹوپی وہ زردوزی
غرورِ علم سامانِ طرب سے باز رکھتا ہے — سُن اے عالم! کہ جاہل کو زیادہ ملتی ہو روزی
مے صافی ہی میری جاں۔ رہا صوفی وہ بدبیں ہے — نصیب اُس عیب چیں جیسی نہ ہو عاقل کو بہ روزی!
سمجھنا نوحۂ قمری کا مطلب جو بیاروں میں؟ — مگر مجھ سا ہی غم اس کو بھی ہے شاید شبا روزی
طریقِ عشق گر سیکھو تو بلبل سے گلستاں میں — سنو حافظ کو مجلس میں جو چاہو شعر آموزی

زاں مے صاف کز و پختہ شود ہر خامے

اُس مے صاف سے جو پختہ ہو پی کر خام ایک
ہو جو ماہِ رمضان ہے، ملے ساقی جام ایک

روزے پر روزہ گیا، پائی نہ اِن ہاتھوں نے
ساقِ شمشاد قدو ساعدِ سیم اندام ایک

رمضاں گرچہ ہے مہمانِ عزیز اپنا دل
اُس کا جانا ہی غنیمت سمجھ اور انعام ایک

رسم ہی ہے یہ زمانے کی بکا کیوں زاہد
جبکہ ہر صبح کے پیچھے ہی لگی ہے شام ایک

مرغِ زیرک تو نہ پھٹکے گا کبھی خانقہ میں
ہی ہر ایک وعظ کی مجلس بھی تو گویا دام ایک

یارِ گلشن میں ہو جب سیرِ چمن میں مشغول
اُس کو پہونچا یہ صبا جا کے مرا پیغام ایک

یہ حریفوں میں شب و روز مے صاف کے دور؟
بھول کر بھی کبھی یاد آئے نہ دُردآشام ایک؟

خسرو عہد نے ہی داد نہ دی جب حافظ
داد کیا دے گا وہ دشوار پسند خود کام ایک!

سحر باد با دمی گفتم حدیث آرزومندی

صبا سے صبح، مَیں تھا اور بیانِ آرزومندی
ندا آئی کہ واثق رہ بالطافِ خداوندی

سنوارا ایک زلفِ لیلیٰ تُو بھی کارِ عشقِ مجنوں کر
زیاں عاشق کو کرتے ہیں خیالاتِ خردمندی

جہاں ایک زالِ رعنا اور جبلّی بیمروت ہی
توقع اس سے شادی کی ہی ایک مہملِ خنابندی

یہاں پس لنغ میں دیکھا تو ایک درویش خرم کو
الٰہی مجھ کو کیجو شاہِ درویشی و خرسندی

قلم کا مُنہ ہے کیا کھولے زباں رازِ محبت پر
ہے باہر حدِّ گویائی سے شرح آرزومندی

ہونا اہلوں پہ ضایع حیف تیرا سایۂ دولت
ہما یہ تجھ سا عالی قدر اور یہ ٹدّیاں گندی؟

دعائے صبح و شام اے جاں کلیدِ قفلِ مطلب ہے
یہی دلدار تک سیدھی ہی راہِ رشتہ پیوندی

یہ سحر غمزۂ قتاں کہ دیں درد اور دوا بخشیں — دلآویزیِ زلفِ تمسک فشاں کیا کہ دلبندی
اے او یوسفِ مصری! اغر در سلطنت آتنا — خبر لے باپ کی! آخر ہوئی کیا مہرِ فرزندی؟
کلامِ حافظِ شیراز گاتے رقص کرتے ہیں — سیہ چشمانِ کشمیری و تُرکانِ سمرقندی!

سلامے چو بوئے خوشِ آشنائی

سلام ایک مہکتا گلِ آشنائی — تجھے پہونچے اے آنکھ کی روشنائی
دُرود ایک نورِ دلِ پارسا سا — لے اے شمعِ خلوت گہِ پارسائی
نظر کوئی آتا نہیں ہمدموں سے — ہُوا غم سے دل خون ساقی دُہائی!
رفیقوں نے توڑا ہے یوں عہدِ صحبت — کبھی جیسے تھی ہی نہیں آشنائی
وہ صوفی فلن مے کہاں بیچتے ہیں — نہیں دل میں اب تابِ زہدِ ریائی
عروسِ جہاں حسن کی حد کو پہونچی — کہ حد سے بڑھا شیوۂ بے وفائی
نہ پھر میکدے سے، وہ کُنجی وہیں ہے — لقب جس کا مفتاحِ مشکل کُشائی
ہو بیچارہ اور چُور زخموں سے تب بھی — نہ سنگیں دلوں سے لے دل مومیائی
جو تُو چھوڑ دے مجھ کو اے نفسِ طامع — گدائی میں کیا کیا کروں پادشائی!
بتا دوں تجھے کیمیائے سعادت؟ — بُرے ساتھیوں سے جُدائی جُدائی!
نہ کر جورِ گردوں کی حافظ شکایت — تُو کیا جانے اے بندہ کارِ خدائی!

سحرم ہاتفِ میخانہ بدولت خواہی

ہاتفِ میکدہ کل از رہِ دولت خواہی — بہ لامت جاکہ تُو دیرینہ ہوا درگاہی

جرعہ کش جم سا ہو اور جان لے سرِ ملکوت
دیکھ لے جامِ جہاں بیں میں جہاں کی تھاہی

بہ ادب پیش ہو ہر دُرد کشِ میکدہ سے
سرِّ حق سے تجھے سالک ہو اگر آگاہی

درِ میخانہ کے یہ رندِ قلندر اکثر
دے کے لے لیتے بھی ہیں افسرِ شاہنشاہی

خشت بالیں ہوں یہ جب فرقِ فلک پر ہو قدم
دستِ قدرت کا تو پھر اُن کے بیاں ہو کیا ہی

سلطنت فقر کی گر تجھ کو عطا ہو جائے
کمتریں مُلک ترا مہ سے ہو تا ماہی

طے نگہ ہو گی یہ منزل نہ بلا خضر کے ایک
ہے اندھیرے میں زیادہ خطرِ گمراہی

سر ہو یہ اور درِ میخانہ منڈیر یہ جس کی
آسماں پار ہیں ہر چند نگیں کوتاہی

آئے در فقر کا کھٹکا نہ تجھ کو تو نہ چھوڑ
مسندِ خواجگی و مجلسِ توراں شاہی

اے سکندر نہ نکل کوششِ بیہودہ نہ کر
آبِ حیواں نہیں ملنے کا بزورِ شاہی

حافظِ خام طمع شرم بھی کچھ آتی ہے
کیا عمل ہیں؟ دو جہاں جن کی یہ قیمت چاہی؟

سحر گہ رہروے در سرزمینے

دو رہرو ساتھ تھے ایک سرزمیں میں
کہا ایک نے یہ گوشِ ہم قریں میں

کہ اے صوفی! یہ ہے شیشے کے اندر
تو مے ہوتی ہے صاف ایک اربعیں میں

گر انگشتِ سلیماں میں نہیں ہے
تو پھر کیا خاصیت نقشِ نگیں میں

خدا اُس خرقہ پر صد با ہی لعنت
رکھے جو سینکڑوں بت آستیں میں

دروں تیرہ ہیں روشن خمیب سے ہو
دِیا کوئی دلِ خلوت نشیں میں

مروت عنقا ہو بارِ گراں ہو
نہیں کچھ بوجھ نازِ نازنیں میں

تجھے صد آجرا اے دارائے خرمن
نظر کر رمز کی ایک خوشہ چیں میں

حسینوں میں تو ٹھیری تند خوئی — مگر کیا عیب ہے قلبِ حزیں میں؟
درِ میخانہ کھل جائے تو دیکھوں — مآلِ کارِ جامِ پیش بیں میں
نشاط و عیش کا بھی گم نشاں ہے — کوئی درمانِ دل نے سعیِ دیں میں
نہیں ہمت کو اجرِ سربلندی — دعا بیتاب قفلِ آہ نہیں میں
نہ کچھ حافظ کا قرآں میں لگے جی — رہا عالم تو وہ ڈھل مِل یقیں میں

ساقی بیا کہ شد قدحِ لالہ پُر زمے

ساقی چل آ۔ پڑی قدحِ لالہ میں بھی مے — طامات کب تلک یہ خرافات تابکے!
چھوڑ اپنے کبر و ناز کو۔ دیکھے جہاں نے ہیں — چین قبائے قیصر و طرفِ کلاہِ کے
ہشیار ہو کہ مرغِ چمن مستِ صبح ہیں — بیدار ہو کہ خوابِ عدم آنے ہی کو ہے
کیا اعتماد ہو نظرِ مہرِ چرخ پر — جو اس کے عشوے پر مریں افسوس! ہائے وے!
کیا کیا لچکتی ناز سے ہے شاخِ نو بہار — یارب اسے تو چھو بھی نہ جائے ہوائے دے
جاہ و حشم پہ گل کے نہ جا دل؛ پچھائے گا — فراشِ باد ہر ورقِ گل کو زیرِ پے
دے مجھ کو یادِ حاتمِ طے میں بڑا سا جام — کر دے سیاہ نامہ بخیلوں کا آج طے
وہ مے کہ جس کا رنگ طبیعی ہے ارغواں — لالہ کا لال جس کے پسینے سے رنگ ہے
وہ دیکھ مطربانِ چمن سر ملاتے ہیں — بجتے ہیں سن تو بربط و طنبور و چنگ و نے
مند لگی ہے سبزے کی چل باغ میں وہاں — استادہ سرو ہے تو کمربستہ آگے نے
بادِ سحر نے یاد لڑکپن دلا دیا — لا وہ دوا دے غم کی جو دارو ہو اے بنے
اشیائے روزگار ہوں رہنِ شراب سب — مردانِ راہ کچھ نہیں رکھتی عزیز شے

کل بھی شراب و کوثر و حور اپنے واسطے
ہو آج کیوں نہ ساقیِ مہرو و جامِ مے
جا پہونچی دھوم حافظِ جادو کلام کی
تا حدِ چین و شام و با قصائے روم و رے

سینہ مالامال درد است اے دریغا مرہمے

سینہ مالامال ہے زخموں سے کچھ مرہم تو ہو
دم گھٹا تنہائی سے یارب کوئی ہمدم تو ہو
آدمِ خاکی اِس عالم میں نہیں ہے دستیاب
عالمِ نَو کے لئے بھی چاہیئے آدم تو ہو
چاہِ غم میں جلتا ہوں شمعِ چگل کے واسطے
شاہِ ترکاں بھی ہو غافل پر کوئی رستم تو ہو
عشق میں کس کام کے خامانِ وقفِ عیش و ناز
ایک جہاں کو پھونکدے اللہ یہ دم خم تو ہو
عیش و آسائش طریقِ عشقبازی میں کہاں
چور ہی زخموں سے یارب طالبِ مرہم تو ہو
اس سپہرِ گرم رو سے کیا اُمیدِ عافیت
جامِ مے ساقی کہ تسکینِ قلب کو اِیکدم تو ہو
عقل بھی ہنس دی مری ہیتی پہ بولی بوالعجب
درد ایسا درد ـ غم ایسا کسی کو غم تو ہو!
بُوئے جوئے مولیاں آتی ہو جس کی سمت سے
دیں دل اس ترکِ سمرقندی کو وحشت کم تو ہو!
گریۂ حافظ کرے کیا پیشِ استغنائے دوست
گریہ کو طوفاں ہیں قدرِ قطرۂ شبنم تو ہو

سلام اللہ ما کرّ اللیالی!

سلام اللہ ما کرّ اللیالی
علیٰ مُلکِ المکارمِ و المعالی
علیٰ وادی الاراک و من علیھا
ودارِی بالّلوا فوق الرّمالی
دعا گوئے غریبانِ جہاں ہو
وادعوا بالتّواتُرِ والتّوالی
نہ گھبرا دل ـ کہ وہ زنجیرِ گیسو
ہے دلجمعی، نہیں آشفتہ حالی
اَموتُ صبابۃً یا لیتَ شعری
متیٰ نُطقَ البشیرُ عنِ التّوالی

فحبک راحتی فی کل حین — و ذکرک مونسی فی کل حالی
سویدائے دل شوریدہ تا حشر — نہ ہو اس شورش سودا سے خالی!
وصال ایک تجھ سے شاہ کامراں کا — میں بدنام اور رند لاابالی
فزوں خط سے ہوئے صدہا جمال اور — ہے تو زندہ صد سال جلالی!
تجھے نقاش قدرت آفریں ہو — سجایا گرد مہ خط ہلالی
وہ جس جانب کرے رخ یا الٰہی — نگہباں ہو بحفظ لایزالی
رہے قایم دہ ورنہ سہل تر ہے — زیان مایہ جانی و مالی
خدا جانے ہے حافظ کی غرض کیا — و علم اللہ حسبی عن سوالی!

سبت سلمے بصدغیہا فوادی

سبت سلمے بصدغیہا فوادی — و روحی کل یوم لی ینادی
خدارا رحم مجھ بیدل پہ کر دے — واوصلنی علیٰ رغم الاعادی
ومن انکرتنی عن حب سلمے — غریق العشق فی بحرالوادی
غم سودائے عشق یار میں دل — توکلنا علیٰ رب العبادی
گیا حافظ کا جین زلف میں دل — بلیل مظلم واللہ ہادی!

سلمیٰ منذ حلت بالعراق

سلمیٰ منذ حلت بالعراقی — الاقی فی ہوا ہا ما الاقی
اے او ساربان محمل دوست — الیٰ رکبانکم طال اشتیاقی

سُنا اے مطرب خوش لہجہ خوش رو — غزل میں دیس کی صوتِ عراقی
عطا اے ساقی ایک رطل گراں ہو — سقاک اللہ من کاسٍ دِھاقی
جوانی سن کے لوٹ آتی ہو گویا — صدائے چنگ و نوشا نوشِ ساقی
مے باقی بھی دے تجھ پر چھڑک دوں — مرے میں آ کے ساقی عمر باقی
فراقِ یار نے خوں کر دیا دل — الا تعساً لایام الفراقی
رہ اپنے نیک خواہوں سے بنا کر — غنیمت جان حسنِ اتفاقی
مسیحائے مجرد کو ہے زیبا — کرے شمع فلک سے ہم وثاقی
عجب پر بیں دُلہن ہو دخترِ رز — نہ ہوتی کاش یہ دخترِ طلاقی
ربیع العمر فی مرعی حماکم — حماک اللہ یا عہد التلاقی
خرد کو غوطہ دے دریا میں مینوش — بہ گلبانگِ جوانانِ عراقی
نہانی الشیب من کل الغذاری — سوے التقبیل خدٍ و اعتناقی
وصالِ دوست ٹھیرا کار اپنا — نہ بک واعظ سخنہائے فراقی!
دموعی ہجرکم لا تحقروہا — فکم بحرٍ جمعنا من سواقی؟
مضت فرص الوصال یا شعرنا — سُنا حافظ غزلہائے فراقی

شہر لیست پُر حریفاں از ہر طرف نگارے

ایک شہر پُر حسیناں۔ دیکھو جدھر نگار ایک — موقع ہے عشق بازو۔ کرنا جو چاہو کار ایک
چشم فلک نے دیکھا ایسا حسیں نہ ہوگا — کس صید گہہ میں ہوگا ایسا پری شکار ایک؟
گُل سے ہزار درجے بڑھ کر وہ نازنیں ہے — دامن میں اس کی اُلجھا پائے کبھی نہ خار ایک

دیکھا کسی نے کب تھا وہ جسم جان جیسا — نکلا نہ اُس کا چھو کر دامن کبھی غبار ایک
ایسے شکستہ کو کیا کہنا جھڑک کے "جا" "جا" — یہاں غایتِ تمنا بوسہ ہے یا کنار ایک
بے غش ہے مے چڑھا لے ہو وقت موقع پا لے — آئے نہ آئے تجھ کو آئندہ نو بہار ایک
کیونکر یہ راز کھولوں لاحق ہو کس سے بولوں — کیا دَرد دردِ سخت اِک کیا کار سخت کار ایک
ایک تُرکِ شوخ کے ہیں جنگل میں مُوئے حافظ — کیونکر جئے جو ایسا ہو یار اور دیار ایک

صبا تو نکہت آں زلف مشکبو داری

صبا بہا گئی وہ زلفِ مشکبو ساری — الٰہی خوش رہے! ہے دوست کی ہی بُو ساری
مرقع گوہرِ اسرارِ حسن و عشق ہے دل — رکھے تو شوق سے رکھ لے یہ پلک تو ساری
نہیں شمایل مطبوعِ یار میں کچھ نقص — جو نقص ہے تو نگہباں کی تند خُو ساری
نوائے عندلیب اے گُل تجھے خوش آئے کیوں — خموش آئے شورشِ مرغانِ ہرزہ گو ساری
ہوں ایک گھونٹ میں سرمست. نوش ہو جو تجھے! — تھی خود یہ کون سے خم کی مے سبو ساری؟
قبائے حسن فروشی تجھے بھی زیبا ہے — کہ تجھ میں بھی ہے وہی گُل کی خو و بُو ساری
بٹے جو کھوج بھی مشکِ ختن کا کیا غم ہے — یہ زلف و خال ہی دیدیں گے مشکبو ساری
شہِ ممالکِ خوبی ایک آفتاب ایک تو — تجھے بھی زیب کنیزانِ ماہرو ساری!
نہ سرکشی پہ دکھا سروِ جوئبار یہ ناز — اُسے جو دیکھے تو بھولے یہ اپنی خو ساری
دعا جو دی تو ہنسا سُن کے زیرِ لب. پوچھا — ہے کون؟ چاہتا کیا؟ کہہ تو گفتگو ساری؟

یہ کنجِ مدرسہ حافظ نہ دے گا گوہرِ عشق
ہے چلنے پھرنے پہ موقوف جستجو ساری!

صحبت وژالہ می چکد از ابرِ بہمنی

ترڑکا ہے اوس چھان چکا ابرِ بہمنی   ساز صبوح کر کے چڑھا جام یکمنی
گردابِ ماؤمن میں پھنسا ہوں پلا مجھے   بھوبوں، نجات پاؤں میں از مائی و منی
خونِ پیالہ پی۔ نہیں خون حرام یہ   اور دھیان رکھ اُسی سے جو ہو کارِ کردنی
گر صبحدم خمار تجھے دردِ سر کرے   پتیانی خمار کو دے تو بھی گردنی
ساقی! ہے خیال کہ غم ہی کمین میں   مطربِ بھول جائے تجھے بھی یہ رہزنی
مے دے کہ جھک کے کان میں میرے یہ بولا چنگ   خوش باش! ہاں! کہتا ہے یہ پیرِ منحنی
حافظ تو سروِ قد کو لگا جوئے چشم پر   دے خونِ دل۔ تو اُسکو اجاڑے؟ یہ دشمنی؟

طفیلِ ہستیٔ عشقند آدمی و پری

سب عشق کی ہی بدولت ہیں آدمی و پری   ارادت آدمی لائے سعادتوں سے بھری
نہ مستعدِ نظر ہو تو وصل کیا جاہے   نہیں تھا جام جہاں ہیں مفید بے بصری
مےِ صبوح و شکرِ خوابِ صبحدم کب تک؟   رواں ہو زاری شب اور نالۂ سحری
کسی کی بوئے رُخ و زلف کی ہی لہریں ہیں   صبا کی غالیہ سائی گلوں کی جلوہ گری
دکھا دے جہد نہ رہ جائے بے نصیب از غیب   نہ لے غلام بھی کوئی بوصفِ بے ہنری
ہو نقدِ حسن تو لے آ۔ میں سلطنت دیدوں   ملے گا ہاتھ جو غفلت ذرا بھی اس میں کری
دعائے گوشہ نشیں پھیر دے گی تیرِ بلا   ادھر بھی ترچھی نظر سے نہ دیکھ لیجو ذری؟
اندھیریوں میں مجھے رہنمائے روز ہوئی   نمازِ نیم شبی اور گریۂ سحری

فراق و وصل میں حیراں ہوں بس نہیں چلتا — کہ اس قدر تو بدیہی ہے اور بھر نظری!
طریقِ عشق عجب راہ پر خطر دیکھی — پناہ خدا کی کسی نے جو راہ کھوٹی کری!
سُنا جو مژدہ وہ آخر ملال ہی لایا — لہذا ہم ہیں اب اور رندی اور بیخبری
ہزار جان سے جلتا ہوں اسکی غیرت میں — ہر روز اک نئی مجلس میں تیری جلوہ گری
اُمید پھر ہے دعاؤں سے تیری اے حافظ — آر اے اُسامرُ و لیلے بلیلۃِ القمری!

عمر بگذشت بہ بیحاصلی و بوالہوسی

گم ہوئی عمر بہ بیحاصلی و بوالہوسی — اے پسر جام دے ایک جلد بہ پیری برسی!
شکرستان ہے یہ شہر جو شہباز ہیں یہاں — مکھیاں مارنے ہی پر ہے کمر اُن کی کسی
تول دے کھول کے پر۔ سُن وہ صفیرِ طوبےٰ — تجھ سے طایر کو ہو افسوس یہ قیدِ قفسی!
کارواں چل دیا۔ سوتے ہیں۔ بیاباں درپیش — خوابِ آرام میں گزری ترے بانگ جرسی
کون بیچارہ دبے کس ہے غلاموں میں مرے؟ — پرسشِ یار ابھی تک ہے یہ کانوں میں لبسی
عود و مجمر بھی بنا چھونے کو دامن اُس کا — دل کباب اپنا کیا میں نے پئے خوش نفسی
لمعَ البرقُ من الطُّورِ وآنَستَ بہ — فلعلّی لکَ آتی بشہابٍ قبسی
نافہ ساں خوں شدہ دل بھی تو اُسے لازم ہے — جس کا ارماں ہو یہاں شہرتِ مُشکین نفسی
تیری خوشبو پہ پھرے ٹاپتا کب تک حافظ — یَسَّرَ اللّٰہُ طریقاً بکَ یا مُلتمسی!

کہ برد بہ نزد شاہان زمن گدا پیامے

کوئی ہے؛ سُنا دے شہ کو یہ فقیر کا پیام ایک — کہ دُکان مے پہ بکتا ہے ہزار جم کو جام ایک
دے شرابِ خام مجھ کو نہ حریف پختہ یار د — ہے ہزار درجہ بہتر ز ہزار پختہ خام ایک

میں خراب ہوں کہ بدنامِ جہاں، مگر دعا ہے — کہ چھپا دے مجھ کو بد سے ملے ایا نیکنام ایک
تجھے دستِ کیمیا ہے، مرے کھوٹ پر نظر کر — کہ نہ پائی اور پونجی تو بچھا یا میں نے دام ایک
یہ کہاں کروں شکایت، کہوں کس سے یہ حکایت — وہ حیات دیتے تھے لب پہ حیاتِ بے دوام ایک
یہ بعید تھا وفا سے تری بھیجتا نہ ہم کو — کبھی نامہ و پیام ایک کبھی پرسش و سلام ایک
چلو جاؤ پارساؤ کہ رہی نہ پارسائی — مے ناب جب چڑھا لی تو ہے ننگ صرفِ نام ایک
یہ ہزار دانہ تسبیح نہ بنے گی جال میرا — کہ جو مرغِ دانا ہوگا نہ پھنسے گا ایسے دام ایک
ترا بندہ ہوں میں دل سے مجھے رکھ گنوا نہ دیکھو — کہ مبارک اور ایسا نہیں پائے گا غلام ایک
تو چلا تو تیرِ مژگاں کہ ہے وہ خونِ حافظ — کہ جہاں میں اس سے بڑھ کر نہ ہوا ہو قتلِ عام ایک

کتبت قصّۂ شوقی و مدمعی باکی

کَتَبتُ قصّۃَ شوقی و مَدمعی باکی — بس آ کے ناک میں دم لا چکی ہے غمناکی
سنائی آنکھوں نے کیا داستانِ عشقِ دراز — ایا منازلَ سلمےٰ فاینَ سلماکی
عجیب واقعہ! کیا حادثہ ہے! الّا اللہ! — انا ضطربتُ قتیلاً وقاتلی شاکی!
زباں کس کی ہے ہو عیب گوئے دامنِ پاک — ہر گل پہ قطرۂ شبنم کی مثل ایک پاکی
بنائے خاک قدم لے کے تیری لالہ و گل — نہیں ازل میں یہ جب تک مس آبی و خاکی
رہا نشان نہ کوئی مجھ میں تیرا تجھ بن گو — ارے آ ثر محیای من محیاکی
صبا عبیر فشاں آئی ساقیا اٹھ بیٹھ — وہات شمۃً کرمٍ مطیبٍ زاکی
دعِ التکاسلَ تغنم فقد جریٰ و مثل — ہے زادِ راہرواں چستی اور چالاکی
زبان لال ہے حافظ ہی وصفِ حسن میں کیا — ہے گم صفاتِ الٰہی میں عقلِ ادراکی!

گفتند خلایق کہ توئی یوسفِ ثانی

کہتی ہے خلایق کہ تو ہے یوسفِ ثانی
پر غور سے دیکھا تو ہے یوسف تو کہانی

فرہادِ ترے عشق میں کہلاؤں عجب کیا
تو خسروِ خوباں ہے اے شیریں زبانی

تشبیہ نہیں غنچہ کو کچھ تیرے دہن سے
غنچے میں کہاں ہوتی ہے یہ تنگ دہانی

سو بار کیا وعدہ - دیا کام نہ لب نے
سب سوسن آزاد کی تھی چرب زبانی

آنسو کی طرح دیدۂ مردم سے وہ گرجائے
جس پر نظر آئے تری خفگی کی نشانی

گزرا اسیرِ جاں سے بھی تیر نظر یار
اللہ رے بیمار تری سخت کمانی

دکھلا تو دے رفتار کہ ہو سرو روانہ
اِٹھلا دے ذرا یار کہ بھولے وہ روانی

ہم سر کو قدم کرکے قلم کی طرح گزرے
قدر اُس نے نہ ایک پرزۂ کاغذ کی بھی جانی

دھکے نہ دلا حافظِ غمدیدہ کو اپنے
برباد کئے تجھ پہ دل و دین و جوانی !

مے خواہ و گل افشاں کُن از دہر چہ میجوئی

پی مُل بھی، لُٹا گُل بھی اور آتش رکھ کوئی
تُو نے بھی سُنی بُلبلِ گُل کی یہ چہ می گوئی؟

مسند پہ گلستاں کی ایک شاہد ساقی کا
مُنہ چوم لے، لب چکھ لے، مے پیکے بہ خوشروئی

شمشاد خراماں ہو۔ آہنگِ گلستاں ہو
چل سرو ترے قد سے کچھ سیکھ لے دلجوئی

یہ غنچہ لبِ خنداں ہے کس کے مقدر کا
یہ شاخِ گُلِ رعنا ہے کس کے لئے. بوئی؟

بازار ہے گرمی پر اور جوش خریداری
کچھ بیچ لے کچھ کر لے سرمایۂ نیکوئی

ہر شمعِ نکو روئی خطرے میں ہوا کے ہے
حاصل جو ہنر سے ہو بہتر وہ نکو روئی

ہر موئے سرِ طرّہ سونا فوں کو ارزاں تھا
کاش اس میں کہیں ہوتا ایک شمۂ خوشبوئی

ہر مرغ ہے با نغمہ اس گلشن شاداں میں
چہکار ہے بلبل کی حافظ کی ثنا گوئی !

مخمور جام عشقم ساقی بدہ شرابے

مخمورِ عشق ہوں میں ساقی پلا شراب ایک — چھلکا دے جام ڈھلکے محفل میں رنگ و آب ایک
کم عشق ما ہوش میں ہے راس پردہ دار ہی — مطرب غزل سنا ایک ساقی پلا شراب ایک
ایک آفتاب ہے وہ ٹھیرے نہ آنکھ جس پر — مُند جائیں دونوں دیدے دکھلا کے اضطراب ایک
اُمیدِ جلوہ میں ہوں سر تا پا انتظار ہی — اور لب کی جستجو میں محوِ خیال و خواب ایک
مخمور انکھڑیوں کے ہیں بھر دے جام ساقی — بیمار ہیں دو لب کے جی جائیں دے جواب ایک!
حلقہ نما ہوں جھک کر دیکھے گر اس کا دربان — جانے مجھے بھی ہوں میں از حلقہ ہائے باب ایک
اُس کاسے کی نہ جانب پھیلانا ہاتھ جس سے — دل دے گواہی ہوگا حاصل نہ قطرہ آب ایک
اچھا خیالِ رخ سے دل کو لگایا حافظ — اور آگ یہ لگا دے گا لمعہ سراب ایک

نو بہار است در آں کوش کہ خوش دل باشی

نو بہار آئی ہے دل چاہیے خوش دل رہنا — پھر بہاروں میں ہمیشہ ہے تہ گل رہنا
چنگ در پردہ نصیحت تو بہت کرتا ہے — حیف دل کا ہی نصیحت کے نہ قابل رہنا
کیوں کہیں یہ تو نہ کر، اسکو نہ پی، اس سے نہ مل — عقل سے چاہیے خود ہی تجھے عاقل رہنا
ہے ہر اک برگ خزاں دفترِ احوال عجیب — ہائے عبرت نہ کسی سے ہو یہ غافل رہنا
دوست کی راہ ہے دشوار تو آسان بھی ہے — چاہیے اس میں ذرا واقفِ منزل رہنا
غم دُنیا میں عبث صرف نہ کر نقدِ حیات — تا کجا وقفِ غم و غصۂ باطل رہنا
بخت یاور ہیں جو حافظ تو کوئی بات نہیں — صیدِ دامِ بتِ مطبوع شمایل رہنا

نورِ خدا نمایدت آئینہ مجردی

نورِ خدا نما ہے ایک آئینہ مجردی — دیکھ ہمارے طور کو طالب عشق سرمدی

جام دے ایک، جحیم گر نام مرے گُنہ کا لے ── آب بنا دے آگ کو معجزۂ محمّدی
شعبدہ بازیوں کو چھوڑ۔ ہاں نہیں ہیں یہ روا ── قال رسول ربّنا ما انا قط من اَدی
کھینچکے یوں جو بالعمد مجھ پہ اُٹھائی تیغِ کیں ── بھول گئی کیا آیۂ فی عمدٍ مُمدّدی
با ایں جمال وکرّ و فر سوئے چمن تو کر گزر ── اہلِ چمن تجھے امام کر کے بنیں گے مقتدی
نقشِ خودی سے لوحِ دل دھوئے نہ تُرّت دیر کر ── عقل کی راہ چلے اگر جی سے نکال دے خودی
ہیں دل و جاں تو حافظا بستۂ دامِ آرزو ── شرم تعلّقوں سے کر مدعیِ مجرّدی!

نوش کن جام شراب یک منی

پی بھی جا جامِ شراب یک منی ── غم کو نگلا لال ہیرے کی کنی
دل کشادہ چاہیے مثلِ قدح ── خُم کی صورت کب تلک گم صُم فنی؟
پی کے جامِ بیخودی سے ایک رطل ── بھول جائے تجھ کو سب لاف منی
باندھ پیمانے سے پیماں عمر دوار ── زہد و تقوی بکگی گر گردن زنی
خاک بن قدموں کی۔ کیا مانندِ ابر ── جملہ رنگ آمیزی و تر دامنی!
اُٹھ دکھا کوشش تو حافظ کی طرح ── پائے جاناں ہیں ہی ہو سر افگنی

ہزار جہد بکردم کہ یار من باشی

کئے ہزار جتن تا کہ یار ہو میرا ── قرار بخش دلِ بے قرار ہو میرا
دن ایک آئے مرے کلبۂ حزیں میں مگر ── شب ایک انیسِ دلِ غمگسار ہو میرا
چراغ دیدۂ شب زندہ دار میرا بنے ── انیسِ خاطرِ اُمیّدوار ہو میرا
کسی تو رات یہ دیکھوں میں اپنی آنکھوں سے ── بجائے اشک رواں ہمکنار ہو میرا
پھریں جہاں بُت و عشاق ڈالے ہاتھ میں ہاتھ ── وہاں وہ سیرِ چمن میں نگار ہو میرا

جہاں غلاموں پہ نازاں ملاحتوں کے دھنی
وہ اُس سبھا میں خداوندگار ہو میرا

غزال مِہر مِرا صیدِ ناتواں بن جائے
ہرن جو تجھ سا کسی دن شکار ہو میرا

تو کس عقیق کے افسوں سے خوں ہوا ہے دل
بتا دُوں تجھ کو اگر رازدار ہو میرا

جو تین بوسے دولب سے مرے مقرر ہیں
اگر ادا نہ کرے قرضدار ہو میرا

ہُوں گرچہ حافظِ شیراز ایک عرصے سے زار ہوں
اگر نہ لُطف و کرم اُس کا یار ہو میرا

ہوا خواہِ توام جاناں و میدانم کہ می دانی

ہوا خواہی مری جاناں ہیں جانوں تُو نے بھی جانی
کہ بے لکھے پڑھے بھی ہر حقیقت تُو نے پہچانی

فرشتے سجدہ آدم میں نیت تیری رکھتے تھے
کہ تیرے حُسن میں دیکھا تھا کچھ مافوق انسانی

خمِ زلف اب ترا نام خدا مجموعۂ دل ہے
نہ اس مجموعے کو یارب ہو آسیب پریشانی

ذرا زلفوں کو لہرا دے کہ صوفی رقص میں آئے
جھڑیں بت آستینوں سے کرے جب دست افشانی

کُشادِ کارِ مشتاقاں ہے دل بندی میں ابرو کی
گرہ سے صاف رکھ للہ ایک لمحہ تو پیشانی!

نسیم عطرِ خوباں میں بھی کیا آنکھوں کی ٹھنڈک ہے!
نہ ہو اس قوم کو یارب کبھی رنجِ پریشانی

ملامت گر یہ رازِ عاشق و معشوق کیا سمجھے
وہ کیا دیکھے گا نابینا خصوصاً رازِ پنہانی

رفیقوں سے بگڑ جانا خلافِ کاردانی ہے
اُٹھے دشواری منزل بہ یادِ عہدِ آسانی

توقع ہے یہ طالع سے کہ کھولیں گا کمر میری
مگر آزردہ اس مسکیں سے ہونے کی نہیں ملتانی

دریغا عیشِ شب بیداریوں کے کھوئے نیندوں میں
سمجھ قدرِ وصال اے دل کہ فرقت بھی ہے پیشانی

فریبِ چنبرِ کاکل میں حافظ دل نہ پھنس جائے
یہ ایک اقبال ناممکن کی ہے زنجیر کھڑکانی!

بالخیر

ملنے کا پتہ

کتب خانہ انجمن ترقی اُردو شمس المطابع قانونی بُک ڈپو	حیدرآباد دکن
خواجہ بُک ڈپو	دہلی
الناظر بُک ایجنسی	لکھنؤ
تاج کمپنی لمیٹڈ	لاہور
محمد سعید صاحب تاجر کُتب سُندریہ ٹی	کلکتہ
نذیر احمد صاحب ایجنٹ تاج کمپنی	بمبئی
محمد حنیف صاحب تاجر کتب	اجمیر شریف
مولنا حسرت موہانی	کان پور
یونیورسٹی بُک ڈپو	علی گڑھ